ماھنامہ

ون اردو

اپریل ۲۰۱۲ شمارہ نمبر ۱۴

جمادی الاولی جمادی الاخری ۱۴۳۳

خوبصورت لوگوں کی سرزمین

ون اردو ڈاٹ کوم

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
عرضِ حال	سمارا، یازغل	3
آیت و حدیث	ہرڈ	4
حمد باری تعالیٰ	فرید ندوی	5
نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	نوید ظفر کیانی	5
تبصرہ جات		6
فیضانِ شیخ (اسلام)	کوثر بیگ	12
قرآن اور سائنس	سلمان سلو	13
گواہی کے مسائل کا بیان	پریشے	17
ایک خاص الخاص تحفہ (اردو ادب)	کائنات بشیر	18
بنیاد پرست	ندیم اختر	21
ترکِ وفا اتنا آسان نہیں	رافعہ خان	25
کہا بھی تھا	مونا سید	27
کتابوں کے بند باب	مہوش جاوید	32
دل کبھی خواب کے پیچھے کبھی دنیا کی طرف	مہر فاطمہ	36
تین مصنف، تین کہانیاں		39
آخری کلمات	ندا سلیمان	43
تصویر کا دوسرا رخ	ماریہ کلام	45
ہیری پوٹر اینڈ دی گوبلیٹ آف فائر	مون	46
خیمہ زنی کے مزے	نوید ظفر کیانی	54
رہنا تو چاہتا تھا میں ہر اک خلل سے دور (اردو شاعری)	فرید ندوی	58
کٹھن ہے یہ سفر اب تو	ندا سلیمان	59
اپنے دل سے نہ یوں نکال ہمیں	ندا سلیمان	59
دیارِ غیر میں	کائنات بشیر	60
کاش	نوید ظفر کیانی	60
زیادہ دیر مت کرنا	خلیل	61
ظفرانیت	نوید ظفر کیانی	62
مزاحیہ انتخاب	سرفراز شاہد، خاوری	62
اس ماہ کے شاعر	ستار صدیقی	63
سمجھیں اس کے کام کو (سائنس نیوز اینڈ آرٹیکلز)	سلمان سلو	64
میڈان پاکستان ٹیبلٹ کمپیوٹر	ادارہ	65
پاکستانی طالبات کی کامیابی	ادارہ	66
سائنسی سچائیاں جو سچ نہیں	ادارہ	67
سمندری طوفان۔ کیوں اور کیسے	ادارہ	69
چیزی چکن بوٹی اور ہوم میڈ نان (گوشہء خواتین)	فاطمی ناز	70
سنکر زٹارٹ	فاطمی ناز	71
ہاف مون	ہرڈ	71
چکن اسٹیک	فاطمی ناز	72
آٹے کی پنیاں	طالعہ	73
سرپرائز کپ کیکس	ہرڈ	73
سٹرابیری فلڈ کیک	ہرڈ	74
ٹوٹکے	ادارہ	75
گھریلو سروے	نازیہ ظفر، نیسمہ	75
کپڑے سے بنے پھول	ندا سلیمان	79
رنگ، خوشبو، پیراہن	مہوش جاوید	80
آنکھوں کے حلقے	ادارہ	82
بڑھیا کے ہشاش بشاش رہنے کا راز	نائمہ آصف	82
بچے اور پڑھائی	ہما جاوید	83
وحیدہ رحمان (انٹرٹینمنٹ و سپورٹس)	کائنات	84
ٹینس اسٹار نوویک جوکووچ مین آف دی ایئر	ادارہ	86
پتنگ بازی	ادارہ	87
کرکٹ میں قسمت کا دخل	ادارہ	88
کارٹون	نائمہ آصف	90

سرپرستِ اعلیٰ: سائٹ ایڈمن

مدیرانِ اعلیٰ: یازغل، سمارا

مدیران: عمران نثر خان، نازیہ ظفر، محسنہ

پروف ریڈنگ: ندیم اختر، محسنہ

ڈیزائننگ: ندا سلیمان، سمارا

عرضِ حال

معززاراکین ون اردو السلام علیکم !

عید نوروز کہیے، جشن بہاراں کہیے یا بسنت میلے کا نام دے دیجیے، کیا فرق پڑتا ہے ؟ درختوں کی اداسی دور ہو رہی ہے۔ وہ نئے پیرہن زیب تن کر رہے ہیں، کونپلیں گہری نیند سے بیدار ہو چلی ہیں۔ ان کی کوک دل میں ہوک جگاتی ہے، آم کی یاد دلاتی ہے اور خوشیاں چہروں پہ بکھری ہوئی ہیں۔ جہاں نوروز کا تہوار منایا جاتا ہے، وہاں بہار کے رنگا رنگ ملبوسات زیب تن کر لیے گیے ہیں۔ کہیں بسنت پھوٹی ہے، بو کاٹا کی صدائیں ہیں، ہوا میں نم سی مہک ہے۔

بقول پروین شاکر

سبز موسم کی خبر لے کے ہوا آئی ہو

کام پت جھڑ کے اسیروں کی دعا آئی ہو

بہار کے سارے رنگ لیے ون اردو میگ پیش خدمت ہے۔ اس گلدستے کو آپ کے لیے سجایا ہے آپ کے ہی کچھ ساتھیوں نے۔ ان کی کاوش، انتھک محنت کو آپ کی سنگت نکھار دے گی۔ ہماری کوشش آپ کی نگاہِ التفات کی منتظر ہے۔ اراکین ون اردو ! میگزین اور آپ کا ساتھ باعث افتخار ہے۔ خوش گمانی ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ ساتھ مضبوط مزید مضبوط ہو گا۔

لوگ آپ کے بارے میں وہی سوچتے ہیں، جو آپ اپنے متعلق گمان رکھتے ہیں۔ سو خوش گمان رہیے، ہمیشہ خوش رہیے۔

اپنا بہت سا خیال رکھیے گا

والسلام

سمارا، یازغل

مدیرانِ اعلیٰ

ون اردو میگزین

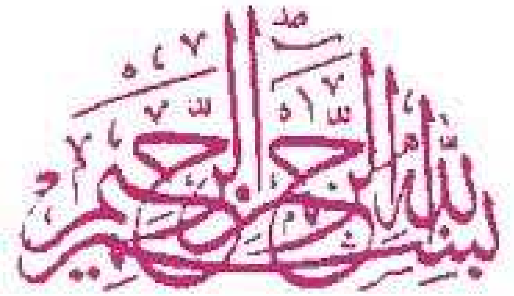

آیتِ مبارکہ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَأَنفِقُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا تُلۡقُواْ بِأَيۡدِيكُمۡ إِلَى ٱلتَّهۡلُكَةِ وَأَحۡسِنُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ

(البقرہ ع 195)

اور تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو اور کام اچھی طرح کیا کرو۔ بے شک اللہ محبوب رکھتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترجمہ:-

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ایک شخص ایک جنگل میں تھا اس نے بادل میں سے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے۔ اس آواز کے بعد بادل فوراً ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین میں خوب برسا اور سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر بہنے لگا۔ وہ شخص جس نے آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا، جہاں ایک شخص کھڑا ہو کر بیلچہ سے اپنی زمین میں پانی پھیر رہا تھا۔ اس آدمی نے باغ والے سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے۔ باغ والے نے وہی نام بتایا جو اس آدمی نے بادل میں سے سنا تھا۔ پھر باغ والے نے اس سے پوچھا تم نے میرا نام کیوں پوچھا۔ اس نے کہا۔ میں نے اس بادل سے جس سے یہ پانی آرہا ہے ایک آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے اور بادل میں سے تمہارا نام سنا تھا۔ تم اس باغ میں ایسا کیا کرتے ہو (جس کی وجہ سے بادل کو یہ حکم ہوا کہ تمہارے باغ کو پانی دے۔) باغ والے نے کہا، جب تم نے سب جان لیا تو مجھے بتانا پڑے گا۔ اس باغ سے جو کچھ پیدا ہوتا ہے میں اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ تو فوراً اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیتا ہوں۔ ایک تہائی اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے رکھتا ہوں اور باقی کا ایک تہائی اسی باغ کی ضروریات کے لئے لگا دیتا ہوں۔

(رواہ مسلم، مشکوۃ)

مرسلہ: ہرڈ

حمد باری تعالیٰ

نہ جذبِ دل، نہ وہ آہِ رسا ہے
خدا ہی جانے یہ کیسی بلا ہے
ابھی تک دل کے ہنگامے ہیں خاموش
نہ وہ طغیانی و موجِ بلا ہے
انگیٹھی قلب کی کیوں ہو گئی سرد
نہ بیتابی، نہ کچھ ذوقِ دعا ہے
الٰہی کیسے سرگرمِ سخن ہوں
مرے ویران دل میں کیا دھرا ہے
عمل اچھے، نہ دین ایماں سلامت
تجھی پر اب بھروسہ رہ گیا ہے
امیدِ عفو پر میں جی رہا ہوں
سوا امید کے اور کیا بچا ہے
خدایا حشر میں رسوا نہ کرنا
یہی بس ایک میری التجا ہے
تو کھولے جب مرا ناپاک دفتر
عفونت سے سراسر جو بھرا ہے
تو پنہاں رکھ نگاہِ مصطفی سے
مرے مولیٰ یہی میری دعا ہے
الٰہی اک نگاہِ لطف فرما
کہ تیرے در پہ اک مجرم کھڑا ہے
ہزاروں راتیں گذریں معصیت میں
ہر اک لمحہ گناہوں میں کٹا ہے
یقیناً مستحق ہوں ہر سزا کا
مگر رحمت تری سب سے سوا ہے
تری رحمت اگر ہو جائے مولیٰ
قیامت میں مرا کھوٹا کھرا ہے
کہاں جرأت کہ تیری حمد لکھوں
دہن ناپاک اور دل میں ریا ہے
ترا محبوب، جن کی مدحتوں میں
ترا قرآن خود نغمہ سرا ہے
میں کیسے اُن کا ذکرِ پاک چھیڑوں
مرا منہ اس کے قابل کب رہا ہے
"جو مانگو گے ملے گا در سے میرے"
مرے مولیٰ یہ خود تو نے کہا ہے
تو اپنی اور اپنے مصطفی کی
محبت دے، جو دل تو نے دیا ہے
فرید اب چھوڑ مایوسی کا دامن
کرم گستر خدا سب سے بڑا ہے

شاعر: فرید ندوی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لب پہ اسمِ جناب کِھلتا ہے
یہ کنول آب آب کِھلتا ہے

فصلِ گل ہے سو دِل میں عشقِ نبی
اِن دنوں بے حساب کِھلتا ہے

جب مدینے کی آرزو جاگے
راستے کا گلاب کِھلتا ہے

ایک احساسِ وصل تشنہ لب
اور بن کر سحاب کِھلتا ہے

مسکرائے دعا حضوری کی
ہاتھ میں ماہتاب کِھلتا ہے

ذکرِ احمد وہ گل کہ ہر رُت میں
صورتِ انتخاب کِھلتا ہے

ویسے تعبیر بھی مہک اُٹھے
جیسے آنکھوں میں خواب کِھلتا ہے

شاعر: نوید ظفر کیانی

تبصرہ جات

تبصرہ: ہما جاوید

شمارہ کھولا، پڑھا اور دل خوش ہو گیا۔ سوچا کچھ تنقیدی نکات ڈھونڈ لوں مگر کچھ نہ ملا۔ حتٰی کہ اس بار پروف ریڈنگ بھی زبردست ہوئی ہے۔ ایک مکمل معیاری رسالے میں جو کچھ ہونا چاہیے وہ ہمارے شمارے میں ہے۔

سب سے زیادہ مجھے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خسرو بھائی کی تحریر پسند آئی۔ انہوں نے بہت اچھے سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہماری زندگیوں میں اہمیت اجاگر کی۔ کوثر نے بھی میل جول اور بھائی چارے پر بہت اچھی تحریر لکھی ہے۔ بنت احمد کا احادیث کے انتخاب کا سلسلہ بھی قابل تعریف ہے۔ سلمان بھائی نے قرآن اور سائنس سے متعلق بہت مفید سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ بہت معلوماتی سلسلہ ہے۔ اسلامی معلومات کو اتنے زیادہ صفحات دینا بہت اچھا لگا ہے۔

ادبی صفحات بھی بہت خوب ہیں۔ تمام سلسلہ وار کہانیاں، افسانے، تبصرے کتب پر۔ سب بہت عمدہ کام ہے۔ سائنس سے متعلق معلومات بھی کافی دلچسپ ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک تجویز ہے کہ ممکن ہو تو تازہ ترین معلومات بھی فراہم کر دیا کریں، مثلاً کوئی نئی دریافت، ایجاد، معلومات وغیرہ۔ شعر و شاعری کو بھی کافی جگہ ملی ہے۔ یہ بھی ایک اچھی بات ہے۔

جیا کا کچن اور ہما کی ریسپیز بہت اچھی لگیں۔ اسپورٹس کے بارے میں بھی بہت اچھی معلومات شئیر کی گئی ہیں۔ شو بز سے متعلق بھی اچھی شئیر نگز تھیں۔ غرض اس شمارے میں ہر اس چیز کے بارے میں ہے جس میں لوگ دلچسپی لیتے ہیں۔

ایک ہلکی سی کمی ہے تو، بچوں کے بارے میں معلومات کی کمی ہے بس۔

بہت شکریہ اتنا اچھا تبصرہ اور ڈھیر ساری تعریفیں کرنے پہ۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ تحاریر کی بہتر سے بہتر پروف ریڈنگ کی جائے اور حتی الامکان حد تک غلطیوں سے مبرا مواد شائع ہو۔ اگر آپ کو لگا ہے کہ ہم اس کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں تو یہ ہماری ٹیم کے لئے حوصلہ افزا بات ہے۔ بچوں کے بارے میں معلومات کی کمی کا نکتہ واقعی قابل توجہ ہے۔ اس ضمن میں ہم آپ سے اور دیگر ممبران سے درخواست کریں گے کہ اس موضوع پہ بھی کچھ لکھیے۔

بہت شکریہ

تبصرہ: کائنات بشیر

السلام علیکم،

ون اردو میگ کا تازہ شمارہ میری نظروں کے سامنے موجود ہے۔ کاش یہ میرے ہاتھوں میں ہوتا، ویسے کہنے میں کیا حرج ہے۔ میگ کا پہلا صفحہ گلابی پنکی میگ کی دوسری سالگرہ منا رہا ہے اور دوسرا صفحہ عید میلاد النبی کے حوالے سے اظہار عقیدت پیش کر رہا ہے۔ خیر مبارک، اس بار دو تبصرہ نگاروں نے بھی جم کر تبصرہ کیا۔ یہ دیکھ کر بہت اچھا لگتا ہے کہ کچھ ساتھی میگ میں اپنی خوب جگہ بنا چکے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب کوئی نیا ساتھی انھیں کے درمیاں اپنی جگہ بناتا ہے۔ لکھتا ہے تو سونے پہ سہاگا لگتا ہے۔ جیسے اس بار کوثر بیگ جی نے "ہم مسلمان ایک جسم ایک جان" مضمون لکھا تو میں لپک کر پڑھنے گئی۔ میرا خیال ہے انھیں تو بہت پہلے لکھنا شروع کر لینا چاہیے تھا۔ اور بھیا سلمان تو ہمیشہ منفرد ٹاپک پر لکھنے والوں میں سے ہیں۔ اور ان کا زور قلم بھی کمال ہے۔ ان کے دونوں مضامین بہت اچھے رہے۔ سلمان بھیا غالب کے بعد کسی اور شاعر سے آپ نے ابھی تک انٹرویو نہیں کیا۔ اب دور جدید کے کسی شاعر پر ہو جائے۔ انتظار رہے گا۔

اور ادبی سیکشن میں آتے ہی رافعہ جی تحریر خوب اچھی لگی۔ انکی تحاریر چاہے نثر میں ہوں یا خیال لطیف میں۔۔۔ میرا اندازہ ہے کہ سب فوراً پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس بار بھی ان کی تحریر بڑی کمال کی تھی۔ ہمیں ہمیشہ شور مچاتی سوال اٹھاتی تحاریر کی بجائے وہ تحاریر زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ جس میں قاری کا بھی کچھ خیال رکھا جائے اور تابڑ توڑ سوالوں کی بجائے کچھ مثبت حل جوابات دے کر اسے شانت بھی کیا جائے۔ دوسری تحریر ڈیٹا ریکوری بھی خوب تھی۔ سمارا جی کی تحریر سرمئی رنگ اور مرسلے بھی خوب رہے۔ مہوش جاوید نے شہاب نامہ سے اقتباس دیا تھا وہ مجھے بہت اچھا لگا۔ میں نے کئی بار اسے پڑھا۔ لگتا تھا اسے پڑھ کر کسی مسئلے کا حل مل گیا ہے۔ کیا کریں دل لگا کر نماز پڑھنے کے باوجود کبھی کبھی لگنے لگتا ہے کہ پتہ نہیں نماز کاملیت کے اس درجہ تک پہنچی کہ نہیں؟ اس سے پہلے ایک بار ٹی وی اداکار نبیل نے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا تو اس کے والد نے اسے کہا تھا کہ اگر تم پانچوں نمازیں نہیں پڑھ سکتے تو کم از کم ایک نماز ہی پڑھ لیا کرو۔ اس طرح تمہیں نماز کی عادت تو پڑے گی۔ سو اس دن سے ہم کافی پریشان تھے کہ کیا نماز پڑھنا صرف ایک عادت ہے۔ اور صرف عادت ڈالنے کے لیے نماز پڑھی جائے؟

جس طرح ہم سیاستدانوں کی پرواہ نہیں کرتے، اسی طرح ہمیں سپورٹس سے بھی کوئی شغف نہیں۔ اس لیے فوراً آگے بڑھ جاتے ہیں، لیکن اس بار نوید ظفر کیانی بھائی کے مزاحیہ مضمون نے روک لیا، سوچا دیکھ لوں کیا کرکٹ کھیلنے والوں کو بھی مزاح آتا ہے یا پوری دنیا انھیں سے مزاح لیتی ہے۔ کبھی واپس آنے والوں کو انڈے، ٹماٹر مارتی ہے اور کبھی ہار کر آنے والوں کو پھولوں کے ہار پہناتی ہے۔

ماشاء اللہ، اللہ نظر بد سے بچائے۔ آمین، شاعروں کے معاملے میں تو ون اردو خود کفیل ہو گیا ہے۔ سروے بے شک کمزور ہو گیا ہے۔ اور شاعر حضرات تو نئے نئے نظر آ رہے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم، نعیم الاحمر، اشتیاق زین، محب عارفی، لگتا ہے ون اردو سے باہر کے شاعر چلے آئے ہیں۔ ویسے ہمیں۔۔۔ کاش میں موسم ہوتا۔۔ بہت اچھی لگی۔ فلمی سیکشن میں اس بار سلطان راہی نظر آئے۔ جن کا خیال آتے ہی تصور میں لنگی باندھے سلطان راہی، گنڈاسہ، ایک موٹی سی ہیروئین اور ایک دل دہلانے والی بڑھک سامنے آ جاتی ہے۔ یہ بھی پنجابی فلموں کا ایک خاص دور تھا انجمن اور ممتاز کے ساتھ ان کی اچھی جوڑی بنی۔ میں نے ان کی صرف مولاجٹ فلم ہی دیکھی تھی۔ ان کی پہلی فلم باغی، وحشی تھی اور آخری فلم تھی، خر دماغ گجر، یعنی شروع سے آخر تک۔۔۔ انجمن کا سلطان راہی کے ساتھ ایک گانا دیکھا تھا۔

تینوں سجدے کرن نوں جی کردا

فیر سوچنی آں توں خدا تے نئیں

ہمیں کافی گستاخانہ سا گانا لگا تھا۔

اشفاق احمد کی کتاب زاویہ پڑھنے کے دوران پتہ چلا کہ سلطان راہی بہت اچھی تلاوت بھی کرتے تھے۔ یہ جان کر بہت اچھا لگا۔ انسان ظاہری جیسا بھی نظر آئے لیکن اس میں اچھائی اور خوبی ضرور ہوتی ہے۔

سالگرہ کا تو نام سنتے ہی اک خاص خوشی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ سالگرہ کے حوالے سے مضامین اچھے لگے۔ مونا سید، ہما جاوید، اسامہ بھائی اور اداریہ نے جو اس بارے مضمون لکھے اور اپنے تاثرات بتائے، وہ بہت خوب تھے۔

کچھ ساتھیوں کی میگ سے عدم حاضری بھی محسوس ہوئی۔ جیسے کاظمی سر، آمنہ سس، ساحرہ سس، اور کوشش کریں کہ پرانے سلسلوں کے ساتھ مزید نئے سلسلے بھی شامل کرتے رہیں۔ میگ میں انٹرویو کا سلسلہ اچھا لگتا ہے۔ اگر دور جدید کے کسی مصنف اور شاعر کا انٹرویو شامل رکھیں تو کیا ہی کہنے،

ون اردو کا ہر شمارا ہی ہمیں خاص لگتا ہے اور ہوتا بھی ہے۔ جیسے ہم ابھی سے بتا سکتے ہیں کہ اگلا شمارا بہار نمبر ہو گا۔

جب جب بہار آئی اور پھول مسکرائے

سو ہم ابھی سے ہی میگ کے ذریعے اس بہار اور پھولوں کی رنگینی کے منتظر رہیں گے۔

ڈیزائننگ ٹیم کی ہر بار اتنی محنت اور کام کی خوبصورتی کے لیے اظہار ممنونیت ہے۔

دعا گو

کائنات بشیر۔

وعلیکم السلام

بھرپور اور نکتہ آفریں تبصرے کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ امید ہے کہ اگر میگزین اسی توجہ اور تسلسل سے نکلتا رہا تو ایک دن واقعی آپ کی سکرین کی بجائے آپ کے ہاتھوں میں بھی ہو گا۔ سلمان سلو بھائی سے غالب کے بعد کسی اور شاعر کے انٹرویو والی فرمائش میں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ اور جن ساتھیوں کی کمی آپ نے محسوس کی، ہم بھی انہی کی کمی کو محسوس کرتے چلے آ رہے ہیں۔

میگزین میں نت نئے سلسلے شروع کرنے کا آپ کا مشورہ بہت اچھا ہے۔ ہم انشاءاللہ اس شمارے سے نئے سلسلوں کی شروعات کی جانب سفر کا آغاز کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ اس میں مزید بہتری آتی جائے گی۔

آپ کے تبصروں کا آئندہ بھی انتظار رہے گا۔ بہت شکریہ

تبصرہ: نائمہ آصف

السلام علیکم!

خاصے عرصے بعد ون اردو میگزین پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بسم اللہ کر کے میگزین ڈاون لوڈ کیا اور کھولتے ہی دل خوش ہو گیا۔ اتنی خوبصورت ڈیزائننگ نے میگ پر پہلی نظر پڑتے ہی جیسے پڑھنے کے لیے حالات مزید سازگار بنا دیئے تھے۔ میں ڈیزائننگ ٹیم کو داد و تحسین دیئے بغیر آگے نہ گزر سکی۔

حمد و نعت ہمیشہ کی طرح بے حد خوبصورت تھیں۔ اس کے آگے تبصرہ جات میں اسامہ بھائی اور وش صاحبہ کا تبصرہ پڑھا۔ وش کا تبصرہ آغاز سے کچھ کچھ اپنا حسب حال لگ رہا تھا اس لیے اس سے نظریں چراتے ہوئے آگے کی راہ لی۔

گلدستہ احادیث میں بنت احمد سس کا انتخاب بہت ہی خوب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآل وسلم پر درود بھیجنے کی فضیلت کو جس طرح احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا بلاشبہ یہ کافی پُراثر انداز تھا۔

مجھے خسرو بھائی کو پڑھنے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ اس لیے بطور خاص ان کو پڑھنا بہت اچھا لگا۔ پھر ان کا موضوع بھی ایسا تھا جسے پڑھنا اپنے آپ میں ایک خوشگوار اور خوبصورت احساس ہے۔ بے حد عمدہ الفاظ کے استعمال نے بات کو مزید نکھار دیا۔

کوثر آپا کی تحریر کا ٹائٹل مجھے بہت پسند آیا۔ *ہم مسلمان، ایک جسم، ایک جان* ٹائٹل پڑھتے ہی میرے دل نے تحریر کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا جس کا مطلب تھا کہ میں اس پر کمنٹ کیے بغیر آگے نہیں جا سکتی۔ اکٹھے مل جل کر رہنے کا، ایک دوسرے سے محبت سے پیش آنے کا جو پیغام کوثر آپا نے اپنی تحریر کے ذریعے دیا اس کی واقعی آج کے مسلمان کو بہت ضرورت ہے۔ پھر اپنے اس پیغام کو مزید موثر بنانے کے لیے جس طرح اسے احادیث مبارکہ سے سجایا گیا، اس کی کیا تعریف کروں۔ بس مزا آ گیا پڑھنے کا۔

ہیری پوٹر پر لکھے مون کے بلاگ پڑھنے کا اتفاق تو ہو ہی چکا ہے، میگ میں اس پر لکھا مضمون دیکھ کر ہمیشہ کی طرح ایک ہی جملہ ادا

کر سکی "کاش مجھے بھی ہیری پوٹر سیریز پسند ہوتیں" مگر پھر بھی اس بات کا پورا یقین ہے کہ مون نے بہت اچھا لکھا ہو گا۔

قرآن اور سائنس کے موضوع پر سلمان سلو بھائی کا انتخاب بہت شاندار تھا۔ مجھے ہمیشہ سے ایسے موضوعات پر کچھ پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ جس طرح دور جدید کی کامیابیوں کو قرآن میں درج آیات سے واضح کیا جاتا ہے یہ احساس بہت اچھا لگتا ہے۔ کئی مقامات پر تو بیچ عقل دنگ رہ جاتی ہے، مگر بے شک خدا کا کلام سچا ہے۔

بنیاد پرست کی گیارہویں قسط کا ترجمہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میں اتنے عرصے سے میگ نہیں پڑھ رہی یا ندیم بھائی چھلانگ مار کے آگے آ گئے ہیں۔ مگر چونکہ میں نے اس سے پہلے کی اقساط نہیں پڑھیں اس لیے گیارہویں قسط بھی پڑھی نہ جا سکی۔ البتہ اس بات کا ارادہ ضرور کر لیا کہ پہلے کی دس اور اب کی قسط ان شاءاللہ پہلی فرصت میں ترتیب سے پڑھوں گی۔

یہی معاملہ وش کے "کتابوں کے بند باب" کے ساتھ رہا۔ ان شاءاللہ پہلی اور دوسری اقساط ایک ساتھ ہی پڑھ کر اگلی بار تبصرہ کروں گی۔

حافظ بھائی کی ایک دن کی ایڈمن شپ بہت مزیدار تحریر تھی۔ یاز بھائی کے حلیے سے لے کر تمام بہنوں اور بھائیوں کا احوال بہت اچھا بیان کیا تھا۔ مگر ابھی پڑھنا ہی شروع ہوئی تھی کہ ختم ہو گئی، اس بات نے افسردہ کیا۔ کم سے کم ایسی تحریر 4 سے 6 صفحات پر مبنی ہونا چاہیئے تھی۔

سب سے مزے کا پیرا وہ لگا جس میں ساحرہ اپنی دن بھر کی استعمال شدہ اسمائیلیز کی حاضری لگا کر ان کو زنبیل میں ڈال رہی تھی۔

فرید بھائی کی شاعری تو میگزین کی ابتداء سے ہی پڑھنے کو ملی جو بلا شبہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھی۔ لیکن کشتاج کی دن بدن نکھرتی شاعری نے ضرور دل خوش کر دیا۔ کچھ نئے نام بھی تھے جن سے واقفیت نہیں۔ کائنات سس کی شاعری بھی کیا کمال لکھی تھی۔ ویری گڈ جی۔

سائنس و ٹیکنالوجی سے متعلق تمام مضامین و انفارمیشن بہت مزے کی تھیں۔

سمارا سس کا لکھا افسانہ "سرمئی رنگ" اتنا شاندار تھا کہ مجھے شروع کرنے کے بعد اس کے ختم ہونے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ یقیناً یہ معاملہ ہر انسان کو زندگی میں ہر مقام پر درپیش ہوتا ہے۔ رنگوں کی اصطلاح کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا۔

سیاہ اور سفید کے مابین جو مکالمات تھے وہ بھی بہت خوب تھے۔ الغرض کے پورا افسانہ ہی زبردست تھا مگر مجھے اس پورے افسانے کا حاصل اس کی آخری لائن بہت بہت اچھی لگی۔

"وقت کا قافلہ اپنے سفر پہ رواں ہو گیا تھا۔ زمین پر سرمئی رنگ پھیلتا جا رہا تھا اور اس میں سیاہی بڑھتی جا رہی تھی۔"

گوشہ خواتین، میرا پسندیدہ سیکشن۔ پہلے صفحے پر جیا سس کی جانب سے شیئر کی گئی ویجیٹیبل لزانیہ کی ترکیب اور تصاویر دیکھ کر منہ میں پانی آ گیا۔ ان شاءاللہ کسی وقت ٹرائی کروں گی۔

ہما سس (ہرڈ) کی جانب سے شیئر کردہ شارٹ بریڈ بسکٹس اور سٹار بسکٹس کی تراکیب اور خاص طور پر دیکھنے میں بسکٹس بہت اچھے لگے۔ فرنچ باقرخانی کی شکل تو بہت بار دیکھ رکھی تھی مگر ترکیب پہلی بار پڑھی اس کے لیے بطور خاص شکریہ ہما سس۔

میگزین میں سمارا سس، یاز بھائی اور وش کی جانب سے جو مراسلات شیئر کیے گئے تھے سب کے سب بہترین تھے۔

"بڑی تصویر اور چھوٹی تفصیلات" رافعہ سس کی ایک بہترین کاوش تھی۔ ایک بات تو بالکل بجا ہے، ہم بڑے واقعات کو ہی ضروری جانتے ہیں اور شاید اسی لیے صرف ان سے باخبر رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل خود ہمارے لیے دنیا کے متقابل غیر اہم ہو جاتے ہیں۔ آخر میں پیش کردہ تجاویز بہترین ہیں۔ اگر ان پر عمل درآمد کی کوشش کی جائے تو یقیناً ہم اپنے چھوٹے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں جن کو حکومتی سطح پر کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ کیپ رائٹنگ رافعہ سس۔

کائنات سس کو ہمیشہ پرانے گانوں، پرانے ایکٹر، ایکٹریسز کے بارے میں بات کرتے دیکھا ہے۔ اکثر پرانے لوگوں یا گانوں پر مشتمل ان کا بلاگ بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ہمیشہ سے اچھا لگتا ہے کوئی پرانے لوگوں کی یوں باتیں کرے تو۔ وحیدہ رحمان سے متعلق شیئرنگ بھی بہت خوب رہی کائنات سس۔

آخر میں میگزین کے دو سال بڑے ہونے کی بابت سب کے تبصرہ جات بہت خوب اور سچائی پر مبنی تھے۔

مونا جی کی بات کہ سننے میں جو اچھا لگے وہ کر دکھانے والے کو میگ ٹیم کہتے ہیں، یقیناً ایسا ہی ہے۔ ایک بات کائنات سس کی بہت اچھی لگی کہ ہر شمارے میں کچھ نہ کچھ نیا پن ضرور محسوس ہوتا ہے۔

آن لائن میگزین پڑھنے کی سہولت مجھے سب سے زیادہ اچھی لگی۔ واقعی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ محض ڈاؤن لوڈنگ نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت سے ممبر میگزین کو پڑھنے سے قاصر رہتے تھے۔ اس سہولت سے اب مجھ جیسوں کے پاس کوئی بہانہ نہیں رہا۔ ہم پڑھنے والوں کے لیے ان ڈھیروں سہولیات کی فراہمی اور بہترین انٹرٹینمنٹ کے لیے بے حد شکریہ ون اردو میگ ٹیم۔

خدا کرے یہ سائٹ، میگزین اور آپ سب بہت ترقی کریں۔ آمین۔

وعلیکم السلام

تعریفوں سے بھرپور تبصرے پہ بہت شکریہ نائمہ جی۔ ہر شمارے میں کچھ نیا پن محسوس ہونے والے کمنٹ سے لگا کہ ہماری کوششوں کے نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ اپنے تمام قارئین کے لئے بہتر سے بہتر مواد مہیا کیا جا سکے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ یکسانیت کا تاثر نہ ابھرے اور ہر شمارے میں کچھ ایسا نیا پن ضرور ہو۔

آن لائن میگزین پڑھنے کے بارے میں آپ کی رائے بہترین ہے۔ ہم ان شاءاللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔ آپ کا بہت شکریہ

تبصرہ: نیسمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باقی تمام شماروں کی طرح یہ شمارہ بھی تمام میگ ٹیم کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت تھا جس میں ڈیزائننگ سے لے کر ہر چیز بہترین رہی۔ ہر دفعہ پورا نہ سہی لیکن میں شمارہ پڑھتی ضرور ہوں لیکن تبصرے کے فن سے نابلد ہونے کی وجہ سے کبھی بھی تبصرہ نہیں لکھ سکی۔ آج پہلی دفعہ کوشش کر رہی ہوں اب پتہ نہیں یہ تبصرہ ہوگا یا پھر کچھ اور۔۔۔

بہر حال میگ ٹیم کو اس خوبی سے بہتر سے بہترین کی طرف سفر کرنے پہ دو سال پورے ہونے پہ بہت مبارک باد۔ اب بڑھتے ہیں شمارے کی طرف،، تو سب سے پہلے ڈیزائننگ ٹیم کو نہ سراہنا زیادتی ہوگی کہ ہر میگ نئے رنگوں اور منفرد ڈیزائن کا ہوتا ہے جس پہ یقیناً ڈیزائننگ ٹیم کی دن رات کی محبت نظر آتی ہے۔

جہاں ٹیم اردو کے پیغام کو پڑھ کہ خوشی ہوئی، وہیں سمارا اور یاز بھائی کا عرض حال بھی ہمیشہ کی طرح بہت اچھا رہا۔

درود پاک کے موضوع پہ آیت اور حدیث نبوی پڑھ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود پاک بھیجتے ہوئے آگے بڑھے۔ حمد اور نعت پڑھی جو کہ ہمیشہ کی طرح بہترین تھی۔ بنتِ احمد کی گلدستہ احادیث اور خسرو بھائی کی 'سیرت مطالعہ کیوں اور کس طرح' سے فیضاب ہوتے ہوئے 'ہم مسلمان ایک جسم اور ایک جان' سے ہوتے ہوئے سلمان بھائی کے قرآن اور سائنس کی دوسری قسط دیکھی لیکن کچھ مصروفیت کی وجہ سے پڑھ نہیں پائے۔ ان شاءاللہ تمام اقساط مکمل ہونے پہ ہی اس سے استفادہ حاصل کریں گے۔ یقیناً یہ ایک بہترین مضمون ہوگا۔

پھر خسرو بھائی کی ڈائری سے انتخاب پڑھا۔ پھر پہنچے اردو ادب کے سیکشن میں جہاں بنیاد پرست کو ہمیشہ کی طرح پورا ہونے پہ لٹکایا اور تمام میگ کو دیکھتے اور سراہتے ہوئے گوشہ خواتین پہ آ کے رکے اور ہما کے آسان سے اور مزے کے بسکٹس دیکھ کر بنانے کا نہ صرف سوچا بلکہ عمل بھی کر ڈالا۔

ان شاءاللہ باقی تحاریر سے بھی جلد مستفید ہونگے۔

مختصر، تمام شمارہ بہترین رہا اور اسکے ختم ہوتے ہی اگلے شمارے کا انتظار بھی شروع ہوگیا۔۔

وعلیکم السلام

شمارہ اور خصوصاً" اس کی ڈیزائننگ پسند کرنے پہ بہت شکریہ۔ امید ہے کہ آپ کے تعریفی کمنٹس میگزین ٹیم کے ذوق و شوق کو مزید مہمیز کریں گے۔

لیکن ہم آپ کی تبصرے کے فن سے نابلد ہونے والی بات سے عدم اتفاق کریں گے۔ اور ہماری اس رائے کی دلیل میں آپ کا یہی تبصرہ پیش کر دیا جائے تو ہماری بات کو سچ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ آپ اسی طرح سے دلچسپ تبصروں کے ساتھ میگزین ٹیم اور مصنفین کا حوصلہ بڑھاتی رہیں گی۔ بہت شکریہ

تبصرہ: وش

ون اردو کا نیا شمارہ ایک بار پھر میرے ہاتھ میں ہے۔۔ سرورق کے رنگوں نے کچھ دیر کے لیے میری توجہ کو اپنی جانب کھینچے رکھا۔۔اس کے بعد جب میں نے اسکرول ڈاؤن کیا تو ایک لائن میرے لیے بے پناہ خوشی کا باعث بنی۔۔

"ون اردو میگزین کی اشاعت کے دو سال مکمل ہونے پر تمام قارئین کو مبارکباد۔"

دو سال ہو بھی گئے اور اس طویل عرصے میں میگزین ٹیم کی مستقل مزاجی اور بے غرض محنت پر کچھ دیر سوچنے اور معترف ہونے کے بعد میں آگے بڑھی تو سبز گنبد دیکھ کر دل کچھ مزید کھل اُٹھا۔۔اس پر لکھے نعتیہ الفاظ جو بہت بار سُن رکھے ہیں، انہیں دل میں گُنگناتے ہوئے پڑھا۔۔

شمارے کی فہرست کا صفحہ اس میگزین کی سب سے دلچسپ چیز ہوتی ہے جو اس راز سے پردہ اٹھاتی ہے کہ اس بار میگزین میں آپ کن کن مصنفوں کی کون کون سی تحریر پڑھنے والے ہو۔۔۔ کبھی کبھی تو اپنے پسندیدہ مصنف کو دیکھ کر ڈائریکٹ اُسی صفحے تک چھلانگ بھی لگانی پڑ جاتی ہے۔۔ لیکن جب ساتھ میں آپ نے تبصرے کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہو تو ترتیب سے جانا ہی بہتر رہتا ہے۔۔اس لیے میں نے کسی بھی صفحے پر چھلانگ لگا کر پہنچنے کا ارادہ ترک ہوتے ہوئے ترتیب سے ہر صفحے اور تحریر کو پڑھنے کا تہیہ کیا۔

اب نظر کے سامنے جو تھا، وہ تھا ٹیم اردو کا پیغام، جس میں ان کا سلام اور اُن کی سگنیچر لائن جس میں وہ اپنا پیغام بہترین حالت میں آپ کو پہنچانے کی آرزو کرتے ہیں، سب سے پہلے نظر آئی، لیکن یہ کیا۔۔ایک ہی بات دو بار۔۔تو اس کا بھی ہم نے خود سے ہی نتیجہ اخذ کر لیا کہ شاید وہ اپنی پوسٹس کی کمی اس طرح ایک ہی بات کو دو دو بار کہہ کر پورا کرنا چاہتے ہوں۔۔ خیر اُن کی نایاب تحریر، جو کہ اب صرف دوماہی شمارے میں ہی دکھتی ہے، کا ایک ایک حرف بڑے غور سے پڑھا اور اس خوش کن احساس کے ساتھ آگے بڑھی کہ یہ تبصرہ لکھنے کے بعد میرا نام بھی اُن چند ایک لوگوں میں شامل ہوگا جنہوں نے ٹیم اردو کی گزارش، کہ میگ کے بارے تجاویز اور حوصلہ افزائی پیش کرتے رہیں پر "یس سر" کہا اور ویسا ہی کیا۔

مدیرانِ اعلٰی کے پیغام نے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی نصیحت کے ساتھ کامیابی کا ایک سنہرا اصول بھی واضح کیا۔۔پڑھ کر اچھا لگا۔

اس کے بعد بنت احمد جی کی منتخب کردہ کلام پاک کی خوبصورت آیت اور حدیث پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے آگے بڑھی۔۔ تو ماشاء اللہ سے فرید ندوی کی بیان کردہ خوبصورت حمد اور نوید ظفر کیانی جی کی بہترین حمد پڑھ کر دل عقیدت سے بھر گیا۔۔اس کے ساتھ ہی یہ سوچ در آئی کہ اس بار تو میگ ٹیم ماشاء اللہ کافی ثواب بھی کما رہی ہے۔۔ جزاک اللہ جی۔

آگے تبصرہ جات میں اپنا گزشتہ ماہ کا کیا جانے والا طویل تبصرہ دیکھ کر خوشی ہوئی اور ساتھ ہی یاد بھی آیا کہ اُس تبصرے کے مقاصد میں ایک مقصد دیگر ممبران کو جھنجھوڑ کر میگزین پر تبصرہ کرنے اور رائے کا اظہار کرنے کی طرف راغب کرنا بھی تھا، تو کیا اس مقصد میں ایک فیصد بھی کامیابی کا کوئی امکان تھا؟ کچھ دیر کے

لیے سوچا اور پھر آنے والے شمارے میں اس کا جواب پانے کے انتظار کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

حافظ اسامہ صاحب کا تبصرہ نظروں کے سامنے تھا جس میں وہ بھی تحاریر کے ساتھ ساتھ تبصروں کی کمی کا ذکر کر رہے تھے۔۔ یہ کمی صرف چند ایک لوگوں کو ہی کیوں محسوس ہوتی ہے؟ آہ۔۔۔کچھ سوالوں کے کوئی جواب نہیں ہوتے۔۔اسی صفحے پر اپنا یہ سوال چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔۔

بنت احمد جی کی منتخب کردہ احادیث کا مہکتا ہوا گلدستہ ہاتھ لگا، جس سے دل نے خوب فیض حاصل کیا۔۔ درود کی اہمیت کا کسے نہیں علم، لیکن اتنی خوبصورت احادیث کے ساتھ جب اس کی فضیلت واضح کی جائے تو دل بھی مزید خشوع کے ساتھ درود کا ورد کرتا ہے۔۔ جزاک اللہ۔

اس کے بعد خسرو جی کی تحریر، سیرت کا مطالعہ کیوں اور کس طرح پڑھ کر بہت سی باتوں سے آگہی ہوئی اور سب سے خوبصورت اور جاندار بات جو اس تحریر کی لگی وہ یہ تھی کہ "ہر شخص کو اپنے اپنے مذاق ومزاج اور صلاحیت کے مطابق سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کا موقع حاصل ہے۔۔"

کوثر بیگ جی، جب بھی بات کرتی ہیں سولہ آنے کی بات کرتی ہیں۔ کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں سے ایک بات لگتی ہے نال جل کر رہنا، لیکن اس کے انسانی زندگی پر اثرات اس قدر وسیع ہوتے ہیں کہ انسان کے اعداد و شمار اس کی گنتی کے لیے تھوڑے پڑ جائیں۔۔ بہت عمدہ موضوع پر بہترین تحریر لکھی، اور اس میں احادیث کے اضافے نے تو چار چاند لگادیئے۔

سلمان سلو کی انتخابی تحریر 'اسلام اور سائنس' میگ میں نہایت عمدہ اور معلوماتی اضافہ ہے، جسے پڑھ کر نہ صرف سائنسی علم میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اس کی اسلام سے مطابقت اس کے حسن کو مزید بڑھادیتی ہے۔ بہت شکریہ جی۔

خسرو جی کا میری ڈائری سے۔۔۔ بہت ہی عمدہ شیئرنگ رہی۔۔ ساری بات ہی عقل وذہانت کی ہوتی ہے جو انسان سے اُلجھی ہوئی گتھیاں یوں پل میں سلجھالیتی ہے اور جو یہ ساتھ نہ دے تو انسان اُلجھنوں میں ہی گھِرتا جاتا ہے۔۔۔ شیئر کرنے کا شکریہ۔

رافعہ جی کی 'بڑی تصویر اور چھوٹی تفصیلات' ایک نہایت ہی خوبصورت تحریر ہے۔۔ ان کے لکھنے کا انداز اور خیالات کا تسلسل اور وسعت دونوں کا بہترین امتزاج اس تحریر میں دیکھنے کو ملا۔ جس طرح کی چھوٹی تفصیل میں انہوں نے بڑے مسائل کا حل بیان کیا ہے۔۔ دل سے بے اختیار داد نکلتی ہے۔

ندیم اختر صاحب کی بنیاد پرست میں مستقل مزاجی بے شک ستائش کی مستحق ہے۔۔ اس بار ان کی مترجم قسط پڑھ ہی ڈالی، لیکن چونکہ پچھلی اقساط نہیں پڑھی ہوئیں اس لیے تحریر کی تو اس طرح سمجھ نہ آسکی جیسی آنی چاہیے تھی لیکن ان کا اندازِ بیاں، چاہے ترجمہ ہی کیوں نہ ہو، کسی بھی مصنف سے کسی طور کم نہیں۔۔ اس لیے ہمیں ندیم اختر صاحب کی کسی ذاتی تحریر کا بھی انتظار ہے۔

سماراجی کی 'سرمئی رنگ' کے تو کیا ہی کہنے۔ اندازِ بیاں میں جو روانی ہے سو ہے، تشبیہات اور منظر نگاری اس قدر خوب ہوتی ہیں کہ انسان ان کے پیچ وخم میں جیسے کھو سا جاتا ہے۔ کہانی کا تھیم بہت اچھا لگا۔۔ زندگی میں ہم واقعی ہر بات کو سفید اور سیاہ کی حدود میں نہیں پرکھ سکتے، کہیں کہیں یہی سرمئی رنگ بہت سے مسائل کا حل بتا دیتا ہے۔۔ جہاں تک میرا خیال ہے ھادیہ اور فیاض کچھ اس قدر غلط بھی نہیں تھے۔۔ بہت ممکن ہے کہ جب تک دونوں یوں ملتے اور ساتھ پڑھتے ہوں تو انہوں نے کبھی کسی اور نظر سے ایک دوسرے کو نہ دیکھا ہو اور عزت وتکریم کی خاطر اس نے فیاض کے ساتھ بھائی لفظ کا اضافہ کیا ہو۔ اور کچھ وقت ساتھ گزارنے کے بعد انہیں احساس ہوا ہو کہ اگر یہی انسان زندگی کی اس راہ کا ہمسفر بھی بن جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ویسے بھی ہمارے معاشرے میں تو یہ بڑی عام سی بات ہے، جہاں خاندانوں میں شادیاں ہوتی ہیں وہاں عموماً لڑکیاں شادی سے پہلے اپنے ہونے والے شریکِ حیات کے نام کے ساتھ عموماً یہی لاحقہ استعمال کرتی ہیں۔۔۔ بہر حال کہانی نہایت ہی عمدہ تھی۔۔ لکھتی رہیں۔

کتابوں کے بند باب ایک بار پھر نظر کے سامنے آگیا۔ اس پر تو دیگر قارئین کی رائے کا انتظار رہے گا، میں خود کیا لب کشائی کروں۔ بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ اس کہانی میں کچھ ایسے پہلوؤں کو کھولنے کی کوشش کی گئی ہے جسے عام طور پر ہمارے معاشرے میں کلوزڈ چیپٹر کہہ کر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ لوگ تو ان بند بابوں کو جلد بھول کر کسی نئی کہانی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں لیکن ایک فرد اور اس کا خاندان کیسے ساری زندگی اس باب سے لگی آگ کی بھٹی میں جلتا ہے۔۔ یہ آپ دیکھیں گے کہانی کی آنے والی اقساط میں۔ ان شاءاللہ۔

رافعہ خان کی ڈیٹا ریکوری بہت انفارمیٹیو تحریر ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو یہ سمجھتے ہیں کہ موبائلز یا ہارڈ ڈرائیوز وغیرہ سے ڈیٹا ڈیلیٹ ہو جاتا ہے اور وہ اس میں اپنی کوئی ذاتی تحریر یا تصویر یا کوئی بھی انفارمیشن وقتی طور پر رکھ کر پھر اسے ڈیلیٹ کر دیں گے۔۔ بہت اچھے سے ایک کہانی کی صورت میں آپ نے بتا دیا کہ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ پرانا ڈیٹا وہیں رہتا ہے بس اس کے اوپر نیا ڈیٹا ری رائٹ ہو جاتا ہے۔ بہت شکریہ اتنی معلوماتی تحریر ہم تک پہنچانے کا۔

ہیری پوٹر سے تو اب جیسے ایک شخص کی یاد وابستہ ہو گئی ہے۔۔ جب اور جہاں ہیری پوٹر دیکھو مون جی کا نام ٹھک کر کے ذہن میں آجاتا ہے۔۔ اسی سلسلے کی تازہ ترین کڑی ہے ہیری پوٹر اینڈ دا پرزنر آف ازکبان۔۔ ایک بار پھر اس فلم پر مون جی کا اتنا شاندار اور تفصیلی تجزیہ پڑھا۔۔ ان کا لکھا پڑھنے کا اور کسی کو ہو نہ ہو، فلم بنانے والوں کو یہ نقصان ضرور ہوتا ہو گا کہ پھر بہت سے لوگ فلم دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں۔۔ ظاہر ہے بھئی مون جی کے درج الفاظ ہی وہ نظارے کرا دیتے ہیں تو پھر فلم دیکھنے کی ضرورت باقی ہی کہاں رہتی ہے؟ ویل ڈن مون۔

کائنات جی کی 'ایک لمحہ' پڑھی۔۔ کیا بات کہتی ہیں یہ ہمیشہ ہی۔۔ کتنی سیدھی اور سادہ سی بات ہے نا۔ کہ ایک ہی جیسی چیز کو دیکھنے والی نظر الگ الگ طرح دیکھتی اور پرکھتی ہے اور یہی اصول زندگی میں لاگو ہوتا ہے۔ ہر کوئی اسے اپنی سوچ، طبیعت

اور مزاج کے ذریعے ہی دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ اور میرا ماننا ہے کہ آپ جس چیز کو جیسا دیکھنا چاہتے ہو، الٹی میٹلی وہ اسی شکل میں آپ کے سامنے آ بھی جاتی ہے۔۔ اسی لیے تو کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ زندگی گلزار ہے جبکہ کچھ اسے نہایت بیزار مانتے ہیں۔۔ ویری نائس جی۔۔ لکھتی رہیں۔۔

نوید ظفر صاحب کی شاعری کے علاوہ ایک نثری تحریر پڑھنے کو ملی جو کہ یقیناً ایک خوشگوار تجربہ رہا۔۔ لکھنے میں وہی روانی، خیالات کا تنوع اور سب سے بڑی بات آخری میچ میں جس طرح سے اُنھوں نے اپنے آپ کو شامل کر کے اُسے ہٹلر کے وقت سے ریلیٹ کیا، بہت منفرد خیال اور بہترین انداز میں لکھی گئی تحریر ہے۔۔ شکریہ اس شگفتہ تحریر کا۔

فرید ندوی جی کا نذرانہ عقیدت پڑھ کر دل عقیدت و احترام سے لبریز ہو گیا۔ شاعری کے وزن و بحر کا اتنا اندازہ تو نہیں کہ اس لحاظ سے شاعری کی تعریف کر سکوں، لیکن اُس میں بہاؤ اور روانی بے شک متاثر کن تھی۔۔ آخری شعر کے تو کیا ہی کہنے،

فرید اُن کی سنت پہ بھی چل رہے ہو؟
کہ خالی محبت کا عدوٰی ہے دل میں۔۔۔

کشتاج کی شاعری کے روز بروز نکھرتے انداز تو حیران کر دینے والے ہیں۔۔ تمام اشعار ہی خوبصورت اور بہترین ہیں۔۔

ہر بار بلا لیتے ہیں کشور کیوں شہر میں
اِک ہوتا ہے پتھر کا صنم بھول چکے ہیں

زبردست جی۔۔۔

ان کے علاوہ کچھ نئے شعراء کو پڑھنے کا اتفاق بھی ہوا جیسے اشتیاق زین، محبت عارفی، نعیم الاحمر، آفتاب اقبال شمیم۔۔۔ پڑھ کر بہت اچھا لگا۔۔ ان سب شعراء کی شاعری نے بے حد متاثر کیا۔

کائنات بشیر جی کو پڑھ کر تو ہمیشہ سے ہی خوشی اور شگفتگی کا احساس ہوتا رہا ہے۔۔۔ ویلنٹائن تو بہت ہی اچھی لگی۔۔ شکریہ

تلاشِ شوہر پڑھ کر تو سوچا ایک آدھ ایسا اشتہار ہر لڑکی چھپوا دے تو۔۔ اچھا انتخاب تھا۔۔ اس ماہ کے شاعر بارہ بنکوی صاحب کی شاعری کی تعریف تو سورج کو دیا دکھانے کے برابر ہے۔۔ عمدہ انتخاب رہا۔۔

سلمان سلو جی کا انسانی جسم میں پانی کا توازن بہت ہی معلوماتی آرٹیکل رہا۔۔ پانی کی اہمیت سے کس کو انکار ہے؟ لیکن یہ اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے جب آپ کو اس کی ضرورت کا احساس اور معلومات ہو۔۔ بہت شکریہ اس معلوماتی انتخاب کا۔

ادارے کی طرف سے منتخب کردہ سائنسی آرٹیکل ہمیشہ ہی بہت منفرد، معلوماتی اور حیران کر دینے والے ہوتے ہیں۔۔ زمین جیسا سیارہ دریافت ہو جانا میرے لیے نہایت حیران کن بات تھی۔۔ اس کے بعد کاغذ سے بیٹری کی ایجاد ایک اور حیران کر دینے والی تحریر تھی۔ لیپ سیکنڈ ایک معلوماتی تحریر رہی۔۔۔ بہت شکریہ ہماری معلومات میں اس قدر اضافہ کرنے کا۔

گوشۂ خواتین میں جیا آپی کا شیئر کردہ لزانیہ دیکھ کر دل میں اس حسرت نے انگڑائی لی کہ کاش اس کو اسی تصویر سے نکال لوں۔۔ بہت ہی شاندار ڈش شیئر کی۔۔ شکریہ

ہرڈ جی کے شیئر کردہ بسکٹس اور باقر خانی کی کیا ہی بات ہے۔۔ طریقہ کار جتنا آسان ذائقہ بھی اُتنا ہی شاندار۔۔ بہت شکریہ۔

کائنات بشیر جی کا وحیدہ رحمٰن پر لکھا آرٹیکل بہت ہی خوب رہا۔۔ پرانے زمانے کے گانوں، فلموں اور اداکاروں پر ان کی معلومات متاثر کن ہے۔۔ اور سب سے بہترین بات کہ جس انداز میں وہ اپنی بات آگے پہنچاتی ہیں، وہ اپنے قارئین کو ایک سحر میں جکڑے رکھتا ہے۔۔ بہت شکریہ۔

مینا کماری پر حمیدی جی کی تحریر اور سلطان راہی پر لکھی دلپسند سیال جی کی تحریر نے بھی میدان مار لیا۔۔

یازغل جی کی تحریر ۲۰ پاکستانی کرکٹ کا روشن ترین سال، نے اس سال میں پاکستانی کرکٹ اور اس کے اتار چڑھاؤ پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالی۔۔۔ پڑھ کر یقیناً معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

سعید انور کی یادیں تازہ کروانے کے لیے حافظ اسامہ جی کا بے حد شکریہ۔۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک جو پاکستان کا غرور ہیں، اور ایسے لوگوں کے بارے میں مزید سے مزید جاننے کی خواہش ہمیشہ ہی دل میں رہتی ہے۔۔ پڑھ کر اچھا لگا۔ شکریہ

سالگرہ کے موقع پر بطورِ خاص مدیرہ اوّل مونا جی کا پیغام پڑھ کر دلی مسرت ہوئی اور اسکے بعد ہما جاوید اور خلوص کے پیغامات بھی اچھا سرپرائز رہے۔۔ کائنات سس کی تحریر نے ایک بار پھر توجہ اپنی جانب مبذول کروالی جبکہ حافظ اسامہ کی تحریر ایک دن کی ایڈمن شپ آخری تحریر ہونا ڈیزرو کرتی تھی۔۔ کہ آخر میں یقیناً کچھ خوش کن اور ہلکا پھلکا احساس چھوڑ دینی والی تحریر ہی ہونی چاہیے۔۔

اسی کے ساتھ اس ماہ کے شمارے کا اختتام ہوا اور اگلے ماہ کے شمارے کی جھلکیاں دیکھ کر اس کا انتظار مزید بڑھ گیا ہے۔۔ آنے والے شمارے کے لیے میگزین ٹیم کے لیے بہت سی نیک تمنائیں اور اس کے ساتھ یہ کہ ہمیں، آپ کے قارئین کو قوی امید ہے کہ اگلا شمارہ اپنے موجودہ اور سابقہ شماروں سے یقیناً بہتر اور مزید بہترین تحاریر اپنے اندر سموئے ہوئے ہو گا۔۔ جزاک اللہ۔

والسلام

وش

اتنے تفصیلی تبصرہ پہ بہت شکریہ۔ آپ نے میگزین ٹیم کی مستقل مزاجی کا ذکر کیا، اس پہ ہم آپ کے مزید مشکور ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارے قارئین اور مصنفین کی مستقل مزاجی کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جن کی بھرپور شرکت کی وجہ سے ہی یہ میگزین اتنے شاندار طریقے سے چل رہا ہے۔

ٹیم اردو کی کمیاب بلکہ نایاب ہوتی تحریر پہ آپ کا کمنٹ دلچسپ لگا۔ اس تحریر کو لکھوانے کے لئے جو جتن کرنے پڑے، اس کی بہ نسبت جوئے شیر بلکہ بحرِ شیر کھود ڈالنا آسان رہتا۔

آئندہ بھی آپ کے تبصروں کا انتظار رہے گا۔

بہت شکریہ

فیضانِ شیخ

تحریر: کوثر بیگ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اولیاءاللہ کے مخصوص فضائل اوران کی تعریف ارشاد فرمائی ہے۔اولیاءاللہ کو نہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا نہ کسی مقصد کے فوت ہوجانے کا غم، اولیاءاللہ وہ ہیں جو ایمان لائے، تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کی ان کے لئے دنیاوآخرت میں خوشخبری ہے۔

ولی کون ہے، ولی کسے کہتے ہیں، ولی، اللہ کے مقرب بندہ کو کہتے ہیں۔ولی بننے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے، پہلی چیز صداقت و سچائی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، دوسری چیزاس کا دل ہمیشہ اللہ کے خوف سے لبریز ہو، تیسرے اپنے کسی عمل سے بھی چھوٹا سا بھی شرک ظاہر نہ ہو۔

ایسی ہی ایک پاکیزہ ہستی ایران کے شمال کی طرف جہاں ایک بڑی جھیل ہے اس کے مشرقی کنارے پر ایک صوبہ ہے جسے ولایتِ گیلان (جیلان) کہتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جائے پیدائش وہی ہے اسی کی وجہ سے آپؒ گیلانی کہلاتے ہیں۔آپؒ ایک صاحبِ کرامت ولی اور نجیب الطرفین بزرگ ہیں۔آپؒ نے اپنی تمام توانائیوں کو تحفظ اسلام اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے صرف فرمادیا، اپنی زندگی کا ہر لمحہ دین اور اصلاح امت کے لئے وقف فرمایا۔آپؒ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں متوجہ رہا کرتے۔حضور اکرم ﷺ کی اتباع وپیروی اور شریعت کا آپؒ پر اس قدر غلبہ تھا کہ خلاف شرع کوئی کام نہ فرماتے، سفر وحضر، خلوت وجلوت، برم ورزم میں کبھی کوئی سنت و مستحب عمل ترک نہ فرماتے، ہمیشہ مشتبہ امور سے گریز فرماتے۔آپؒ بحثیت مرشد کامل اور مصلح دوراں ارشادت واصلاح کے فرائض کی ادائیگی کا کام ایسے وقت اور ماحول میں شروع کیا جب کہ پورا معاشرہ فکری و عملی بے راہ روی اور ہنگامہ خیز انتشار اور فتنوں سے دوچار تھا۔ قول وفعل کے تضاد، صالح اقدار کی پامالی، اقتدار کی ہوس، نفس پرستی، حق ناشناسی، اخلاقی انحطاط، دین و دیانت سے بیگانگی، ریا کی گرم بازاری، گروہ بندیاں، فکر و نظر کے اختلاف، جبر واستبداد، ظلم و زیادتی اور شخصی کردار و نیز جماعتی نظم کا فقدان تھا۔ ان حالات میں آپؒ نے اپنی مثالی باعمل شخصیت، اعلیٰ اخلاق و کردار، علم و حکمت، ارشادات، مواعظ حسنہ اور تعلیمات حق کے ذریعہ تعلیم وتربیت، اصلاح معاشرہ اور لوگوں کے افکار واعمال کو سدھارنے کا عظیم فریضہ نہایت مؤثر اور کامیاب طریقہ سے پورا کیا آپؒ نے امت کی دُکھتی ہوئی رگ پکڑ کر تشخیص فرمائی معاشرہ میں مسلمان جن مسائل سے دوچار تھے ان کو حل فرمایا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی تعلیمات مسلسل چاردہائیوں پر مشتمل ہے آپؒ نے رشد وہدایت اور اصلاح کے مشن کے ذریعہ گمراہ بدعات میں مبتلا سرکش، معصیت اور نافرمانی کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ماحول کو حق شناس، دیندار اور صالحیت سے بھرپور معاشرہ میں بدل دیا۔آپؒ نے ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی اور لوگوں کے قلوب میں ایمان و یقین، صداقت وعدالت کی حرارتوں کو تیز کر کے انھیں اطاعت حق تعالیٰ، اتباع رسول اللہ ﷺ، اعلیٰ اخلاق، فکر وعمل کی صالحیت، اخوت وباہمی محبت کے فیوض وبرکات کا احساس دلایا۔

آپؒ کے ارشادات مبارکہ وفرامین عالیہ اور مواعظ شریفہ سننے کے بعد انسان اپنی زندگی میں ضرور تبدیلی لاتا ہے، آپؒ کی تعلیمات سے واقفیت اور اسکی اشاعت وقت کا اہم تقاضہ ہے آپؒ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا سچا فرمانبردار، عبادت گزار، پرہیزگار بنا کر ان کے دارین کو تابناک بنانے اور رسول اللہ ﷺ کی تابعداری، اطاعت، سنتوں پر عمل پیرائی کا قلبی ذوق پیدا کر کے صالحیت کا نمونہ بنا دینے کی مبارک کوششوں میں انہماک اور مخلصانہ جدوجہد کے سبب پورے معاشرہ میں صدق وصفاء، نیکی وبھلائی پر مبنی صالح انقلاب رونما فرمایا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے معبود حقیقی خالق کائنات کی عبادت کا اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور مخلوق خدا کی راحت رسانی، گمراہوں کو راہ راست پر گامزن کرنے، اہل سعادت کی روحانی تربیت، احیاء وتجدید، عقائد واعمال کی اصلاح، معاشرہ کی از سرنو تعمیر اور اسلام کے پیغام حق پہچانے کے لئے اپنی زندگی کا ہر لمحہ مخصوص کردیا تھا۔جس کا فیضان اثر گزشتہ نو صدیوں سے بلاوقفہ وتعطیل جاری وساری ہے۔توحید باری تعالیٰ کے انوار اور عظمت رسول اللہ ﷺ کے منور احساس فکر اور اعمال کو اخلاص اور پاکیزگی سے نوازتے رہے ہیں آپؒ نے اپنے ارشادات وفرمودات کے ذریعہ اس حقیقت کو واضح فرمادیا ہے۔آپؒ کا فیض علمی وروحانی زمان ومکاں کی حدود سے بالاتر احکامات الٰہی اور تعلیمات رسالت پناہی ﷺ کا سرچشمہ اور منبع بنا ہوا بلاانقطاع جاری ہے۔مردان حق آگاہ اور صوفیان باصفا کے سچے طریقہ پر جان ودل سے عمل پیرا ہو کر ہی اللہ کے راستہ کا حق ادا کیا جاسکتا ہے۔ان کی گردراہ کو بسر و چشم بنا کر ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔آپؒ کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔تصنیفات اور ملفوظات بے شمار ہیں اور ہر ایک دُرّ بے بہا ہے۔اکثر تو دست برزمانہ کی نذر ہوچکی ہیں۔جو بہت مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔

غنیۃ الطالبین: فقہ حنبلی کی نادر کتاب ہے جس میں ہر مسئلہ کو آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں واضح فرمادیا گیا ہے۔اس کے ترجمے اب بزبانِ فارسی واردو میں ہوچکے ہیں۔

فتوح الغیب: اس میں کئی مقالہ ہیں اور ہر مقالہ پر قرآن اور حدیث کے ساتھ نہایت ہی پراثرانداز میں نصیحت فرمائی گئی ہے۔اس کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔

فتح ربانی: آپؒ کے مواعظ اور خطابات پر مشتمل بڑی کارآمد کتاب ہے۔اس کا طرز بیان بھی فتوح الغیب ہی کی طرح ہے۔اس کا بھی اردو ترجمہ شائع ہوچکا ہے۔

اسبوع شریف: ہفتہ واری دُعاؤں کا مجرب انتخاب ہے۔راتب صدیقی میں یہ کئی دعائیں محفوظ ہیں۔

الہاماتِ غوثیہ: نصائح کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔

ارشادات غوثیہ: اس میں مختلف ارشادات اور پند ومواعظ ہیں۔

مکتوبات حضرت محبوب سبحانی: کے نام سے بھی ایک کتاب نولکشور کی مطبوع ہے۔

قرآن اور سائنس

تحریر: سلمان سلو

قسط نمبر:3

جب سے اس سیارہ زمین پر نوع انسانی کا ظہور ہوا ہے، تب سے انسان نے ہمیشہ یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ نظام فطرت (نظام قدرت) کیسے کام کرتا ہے، تخلیقات و مخلوقات کے تانے بانے میں اس کا اپنا مقام کیا ہے اور یہ کہ آخر خود زندگی کا کیا مقصد و مصرف ہے۔ سچائی کی اسی تلاش میں، جو صدیوں کی مدت اور متنوع تہذیبوں پر پھیلی ہوئی ہے، منظم مذاہب نے انسانی طرز حیات کی تشکیل کی ہے اور ایک وسیع تر تناظر میں تاریخ کے دھارے کا تعین بھی کیا ہے۔ بعض مذاہب کی بنیاد تحریر شدہ عبارات وفرمودات پر رہی ہے، جن کے بارے میں ان کے پیرو کاروں کا دعویٰ ہے کہ وہ خدائی یا الوہی ذرائع سے ملنے والی تعلیمات کا حاصل ہیں، جبکہ بعض دیگر مذاہب کا دارومدار خالصتاً انسانی تجربے پر رہا ہے۔

قرآن پاک، جو اسلامی عقیدے کا مرکزی ماخذ بھی ہے، ایک ایسی کتاب ہے جسے (اسلام کی) پیروی کرنے والے لوگ، یعنی مسلمان، مکمل طور پر خدائی یا الوہی (یا آسمانی) ذرائع سے نازل شدہ تسلیم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں، قرآن پاک کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اس میں رہتی دنیا تک تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت موجود ہے۔ چونکہ قرآن پاک کا پیغام ہر زمانے، ہر عہد اور ہر دور کے لوگوں کے لیے ہے، لہٰذا اسے ہر دور کی مطابقت میں ہونا چاہیے۔ لیکن کیا قرآن پاک اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے؟

اس مختصر سی کتاب میں مسلمانوں کے اس عقیدے کا خارجی تجزیہ (اوبجیکٹیو انالیسس) پیش کیا جائے گا جو وہ قرآن پاک کے الہامی ذریعے سے ہونے کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اس امر کا جائزہ بطور خاص ثابت شدہ سائنسی دریافتوں کی روشنی میں پیش کیا جائے گا۔ ایک ایسی کتاب جس کے آسمانی ذریعے سے نازل شدہ (یعنی من جانب اللہ) ہونے کا دعویٰ کیا جارہا ہے، اسی بنا پر ایک معجزہ ہونے کی دعویدار بھی ہے۔ اس دعوے کو کسی بھی زمانے میں اُسی زمانے کے (عقلی) معیارات کی مطابقت میں باآسانی قابل توثیق (ویریفائبل) ہونا چاہیے۔ جو تمام تر معجزات سے بھی بڑھ کر معجزہ ہے، جسے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا اب ہم اس عقیدے کی درستگی کا عقلی جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن پاک کا چیلنج:۔۔

تمام تہذیبوں میں انسانی قوت بیان اور تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کے اہم ذرائع میں ادب اور شاعری سر فہرست رہے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے زمانے بھی گزرے ہیں جب شاعری اور ادب کو (معاشرے میں) ویسا ہی اعلیٰ وارفع مقام حاصل تھا جیسا کہ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل ہے۔

ترجمہ:۔"اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے، یہ ہماری ہے یا نہیں تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر دکھاؤ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے۔ تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔ جو مہیا کی گئی ہے منکرین حق کے لیے۔"

(القرآن: سورہ 2۔۔آیت 23 تا 24)

قرآن پاک واضح الفاظ میں (تمام انسانوں کو) چیلنج کر رہا ہے کہ وہ ویسی ہی ایک سورتہ بنا کر تو دکھائیں جیسی کہ قرآن پاک میں موجود ہیں یہ چیلنج قرآن پاک میں کئی مقامات پر دیا گیا ہے۔ صرف ایک ایسی سورتہ بنانے کا چیلنج، جو اپنی خوبصورتی، خوش بیانی، معانی کی وسعت اور فکر کی گہرائی میں قرآن پاک کی برابری کر سکے، آج تک پورا نہیں کیا جا سکا ہے۔

تاہم جدید دور کا معقولیت پسند آدمی ایسے کسی مذہبی صحیفے کو قبول کرے گا، جو بہترین ادبی و شاعرانہ زبان استعمال کرنے کے باوجود یہ کہتا ہو کہ زمین چپٹی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ہم ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جہاں انسان کے عقلی دلائل، منطق اور سائنس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو قرآن پاک کے من جانب اللہ ہونے کے ثبوت میں اس کی غیر معمولی اور بلند پایہ ادبی زبان کو بطور ثبوت کافی خیال نہیں کریں گے۔ کوئی بھی ایسا صحیفہ، جو آسمانی (اللہ کی طرف سے) ہونے کا دعویدار ہو، اسے اپنے دلائل اور منطقی استدلال کی مضبوطی کی بنیاد پر قابل قبول ہونا چاہیے۔

اب ہم قرآن پاک کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا جدید سائنس اور قرآن پاک میں باہمی مطابقت ہے یا عدم مطابقت؟

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک کوئی سائنسی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ "نشانیوں" (سائنز) کی کتاب ہے۔ یعنی آیات کی کتاب ہے۔ قرآن پاک میں چھ ہزار سے زاہد "نشانیاں" (آیات) ہیں، جن میں ایک ہزار سے زاید خالصتاً سائنس سے (یعنی سائنسی موضوعات سے) بحث کرتی ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ کئی مواقع پر سائنس "یوٹرن" لیتی ہے (یعنی سابقہ موقف کے بالکل الٹ بات کہنے لگتی ہے) لہٰذا میں نے اس کتاب میں صرف اور صرف تسلیم شدہ (ثابت شدہ) سائنسی حقائق ہی کو منتخب کیا ہے جب کہ ایسے تصورات و نظریات پر بات نہیں کی ہے جو محض مفروضات ہوں یا جن کی پشت پر کوئی (سائنسی) ثبوت نہ ہو۔

ارضیات

خیموں کی میخوں کی مانند پہاڑ:۔۔۔

ارضیات میں "بل پڑنے" (فولڈنگ) کا مظہر حالیہ دریافت شدہ حقیقت ہے، قشر ارض (کرسٹ) میں بل پڑنے ہی کی وجہ

سے پہاڑی سلسلے وجود میں آئے ہیں۔ قشر ارض جس پر ہم رہتے ہیں، کسی ٹھوس چھلکے کی طرح ہے، جب کہ کرہ زمین کی اندرونی پرتیں (لیئرز) نہایت گرم اور مائع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا اندرون کسی بھی قسم کی زندگی کے لئے قطعاً غیر موزوں ہے۔ آج ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ پہاڑوں کی قیام پذیری کا تعلق، قشر ارض میں بل پڑنے کے عمل سے بہت گہرا ہے، کیونکہ یہ قشر ارض پر پڑنے والے بل (فولڈز) ہی ہیں جو پہاڑوں کا کام کرتے ہیں۔

ماہرین ارضیات کا کہنا ہے کہ زمین کا رداس (ریڈیئس) یعنی نصف قطر تقریباً دو ہزار پینتیس کلومیٹر ہے اور قشر ارض، جس پر ہم رہتے ہیں اس کے مقابلے میں بہت پتلی ہے، جس کی موٹائی 2 کلومیٹر سے لیکر 35 کلومیٹر ہے۔ چونکہ قشر ارض بہت پتلی ہے، لہٰذا اس کے تھر تھرانے یا ہلنے کا امکان بھی بہت قوی ہے، ایسے میں پہاڑ کسی خیمے کی میخوں کی طرح کام کرتے ہیں جو قشر ارض کو تھام لیتے ہیں اور اسے قیام پذیری عطا کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں عین یہی کہا گیا ہے۔۔

ترجمہ: ''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا''۔۔

(القران: سورہ 78۔۔۔آیات 6تا7)۔

یہاں عربی لفظ ''اوتاد'' کا مطلب بھی میخیں ہی نکلتا ہے، ویسی ہی میخیں جیسی کہ خیمے کو باندھنے رکھنے کے لئے لگائی جاتی ہیں۔ ارضیاتی بلوں (فولڈز) یا سلوٹوں کی گہری پوشیدہ بنیادیں بھی یہی ہیں۔

۔''ارتھ'' نام کی ایک کتاب ہے جو دنیا بھر کی کئی جامعات میں ارضیات کی بنیادی حوالہ جاتی نصابی کتاب کا درجہ بھی رکھتی ہے، اس کتاب کے مصنفین میں ایک نام ڈاکٹر فرینک پریس کا بھی ہے، جو بارہ سال تک امریکہ کی اکیڈمی آف سائنسز کے سربراہ رہے ہیں جبکہ سابق امریکی صدر جمی کارٹر کے زمانے میں صدارتی مشیر برائے سائنس بھی تھے اس کتاب میں وہ پہاڑوں کی وضاحت، کلہاڑی کے پھل جیسی شکل سے کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ پہاڑ بذات خود ایک وسیع تر وجود کا ایک چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں بہت گہرائی تک اُتری ہوتی ہیں۔

(ملاحظہ ہو ارتھ از پریس اور سلور، صفحہ چار سو پینتیس)

ڈاکٹر فرینک پریس کے مطابق قشر ارض کی پائیداری اور قیام پذیری میں پہاڑ نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

پہاڑوں کے کاموں کی وضاحت کرتے ہوئے، قرآن پاک واضح طور پر یہ فرماتا ہے کہ انہیں اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ یہ زمین کو لرزتے رہنے سے بچائیں۔۔

ترجمہ: ''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔''

(القران: سورہ 21۔۔۔آیت 31۔۔)

اسی طرح کے ارشادات سورہ 31، سورہ 16، آیت 15 میں بھی وارد ہوئے ہیں۔۔

پہاڑوں کو مضبوطی سے جما دیا گیا ہے:

سطح زمین متعدد ٹھوس ٹکڑوں، یعنی ''پلیٹوں'' میں ٹوٹی ہوئی ہے جن کی اوسط موٹائی تقریباً سو کلومیٹر ہے۔ یہ پلیٹیں، جزوی طور پر پگھلے ہوئے حصے کے اوپر گویا تیر رہی ہیں، یہ پہاڑ عموماً پلیٹوں کی بیرونی حدود پر پائے جاتے ہیں۔

قشر ارض، سمندروں کے نیچے پانچ کلومیٹر موٹی ہوتی ہے، جب کہ خشکی پر اس کی اوسط موٹائی 35 کلومیٹر تک ہوتی ہے البتہ پہاڑی سلسلوں میں قشر ارض کی موٹائی 80 کلومیٹر تک جا پہنچتی ہے، یہی وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر پہاڑ کھڑے ہیں۔ پہاڑوں کی مضبوط بنیادوں کے بارے میں قرآن پاک نے درج ذیل آیت مبارکہ میں کچھ یوں بیان فرمایا ہے۔۔۔

ترجمہ: ''اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے۔''

(القرآن: سورہ 79۔۔۔آیت 32)۔

اسی طرح کا پیغام سورہ 88، آیت 19 میں بھی دیا گیا ہے۔ پس، یہ ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں پہاڑوں کی مائیت اور نوعیت کے بارے میں دی گئی معلومات بھی پوری طرح دور جدید کی ارضیاتی دریافتوں سے ہم آہنگ ہیں۔

بحریات

میٹھے اور نمکین پانیوں کے درمیان ''آڑ''۔۔۔

ترجمہ: ''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں، پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔''

(القرآن: سورہ 55۔۔۔آیت 19تا20)۔۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ان آیات مبارکہ کے عربی متن میں لفظ ''برزخ'' استعمال ہوا جس کا مطلب رکاوٹ یا آڑ (پارٹیشن) ہے۔ تاہم اسی تسلسل میں ایک اور عربی لفظ ''مرج'' بھی وارد ہوا ہے۔ جس کا مطلب ''وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے اور آپس میں ہم آمیز ہوتے ہیں''۔ بنتا ہے۔ ابتدائی ادوار کے مفسرین قرآن کے لیے یہ وضاحت کرنا بہت مشکل تھا کہ پانی دو مختلف اجسام سے متعلق دو متضاد مفاہیم سے کیا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ دو طرح کے پانی ہیں جو آپس میں ملتے بھی ہیں اور ان کے درمیان آڑ (رکاوٹ) بھی ہے۔ جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ جہاں جہاں دو مختلف بحیرے (سمندر) آپس میں ملتے ہیں، وہاں وہاں ان کے درمیان ''آڑ'' بھی ہوتی ہے۔ دو بحیروں کو تقسیم کرنے والی رکاوٹ یہ ہے کہ ان میں سے ایک بحیرہ کا درجہ حرارت، شوریدگی (سالینٹی) اور کثافت دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ (بحوالہ پرنسپلز آف اوشنوگرافی، ڈیوس صفحہ 92تا93)۔

آج ماہرین بحریات مذکورہ آیات مبارکہ کی بہتر وضاحت کر سکتے ہیں۔ دو بحیروں کے درمیان پانی ہی کی ایک نازک اور غیر مرئی رکاوٹ (طبعی قوتوں کی وجہ سے) قائم ہوتی ہے جس سے گزر کر ایک بحیرے کا پانی دوسرے میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن جب ایک بحیرے کا پانی دوسرے بحیرے میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنی امتیازی خصوصیات کھو دیتا ہے اور دوسرے کے پانی کے ساتھ ہم جنس آمیزہ بنا لیتا ہے۔ گویا ایک طرح سے یہ رکاوٹ کسی عبوری

ہم آمیزی والے علاقے کا کام کرتی ہے، جو دونوں بحیروں کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ یہ مظہر درج ذیل آیت قرآنی میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: "اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیئے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں"۔۔۔

(القرآن: سورہ27۔۔۔آیت 61۔۔)

یہ مظہر متعدد مقامات پر وقوع پذیر ہوتا ہے جن میں جبل الطارق (جبرالٹر) کے علاقے میں بحیرہ روم اور بحیرہ اوقیانوس کے ملنے کا مقام نمایاں طور پر قابل ذکر ہے اسی طرح کیپ پوائنٹ اور کیپ پینسولا جنوبی افریقہ میں بھی (پانی کے بیچ) ایک سفید پٹی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے جہاں بحر اوقیانوس اور بحر ہند کا ایک دوسرے سے ملاپ ہوتا ہے۔

لیکن جب قرآن پاک تازہ اور کھارے پانی کے درمیان رکاوٹ (آڑ) کا تذکرہ کرتا ہے تو اس آڑ کے ساتھ "ممنوعہ علاقے" کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔

ترجمہ: "اور وہی جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے، ایک لذیذ و شریں، دوسرا تلخ و شور اور ان دونون کے درمیان ایک پردہ حائل ہے ایک روکاوٹ ہے جو انہیں گڈ مڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔"

(القرآن: سورہ25۔۔۔آیت 53)۔۔

جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ ساحل کے نزدیکی (سمندری) مقامات پر جہاں (دریا کا) تازہ (میٹھا) اور (سمندر کا) نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں وہاں کی کیفیت ان مقامات سے قدرے مختلف ہوتی ہے جہاں دو سمندروں کے نمکین پانی آپس میں ملتے ہیں یہ دریافت ہوا ہے کہ کھاڑیوں میں تازہ پانی کو کھارے پانی سے جو چیز جدا کرتی ہے وہ "پکنو کلائن زون" ہے جس کی کثافت غیر مسلسل ہوتی ہے جو (کھارے اور تازہ پانی کی) مختلف پرتوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھتی ہے۔ اس روکاوٹ یعنی علاقہ امتیاز کے پانی میں نمک کا تناسب (شوریت) تازہ پانی اور کھارے پانی دونوں سے ہی مختلف ہوتا ہے۔ اس مظہر کا مشاہدہ بھی متعدد مقامات پر کیا گیا ہے جن میں مصر بطور خاص قابل ذکر ہے کہ جہاں دریائے نیل، بحیرہ روم میں گرتا ہے۔۔

قرآن پاک میں بیان کیے گئے ان سائنسی مظاہر کی تصدیق "ڈاکٹر ولیم ہے" نے بھی کی ہے جو کولوراڈو یونیورسٹی امریکہ کے مشہور ماہر بحریات اور علوم ارضی کے پروفیسر ہیں۔

سمندر کی گہرائیوں میں اندھیرا:۔۔

پروفیسر درگاراؤ دنیا کے جانے پہچانے ماہر بحری ارضیات ہیں اور وہ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ (سعودی عرب) میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ان سے درج ذیل آیت مبارکہ پر تبصرہ کرنے کے لیے کہا گیا۔۔

ترجمہ: "یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے، اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے۔ اللہ جسے نور نہ بخشے اس کے لیے پھر کوئی نور نہیں"۔۔

(القرآن: سورہ24۔۔۔آیت 40)۔۔

پروفیسر راؤ نے کہا کہ سائنس دان صرف حال ہی میں جدید آلات کی مدد سے یہ تصدیق کرنے کے قابل ہوئے ہیں کہ سمندر کی گہرائیوں میں تاریکی ہوتی ہے۔ یہ انسان کے بس سے باہر ہے کہ وہ بیس یا تیس میٹر سے زیادہ گہرائی میں اضافی ساز و سامان اور آلات سے لیس ہوئے بغیر غوطہ لگا سکے۔ علاوہ ازیں، انسانی جسم میں اتنی قوت برداشت نہیں کہ جو دو سو میٹر سے زیادہ گہرائی میں پڑنے والے آبی دباؤ کا سامنا کرتے ہوئے زندہ بھی رہ سکے۔ یہ آیت مبارکہ تمام سمندروں کی طرف اشارہ نہیں کرتی کیونکہ ہر سمندر کو پرت در پرت تاریکی کا حامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ یہ آیت مبارک بطور خاص گہرے سمندروں کی جانب متوجہ کرتی ہے کیونکہ قرآن پاک کی اس آیت میں بھی "وسیع اور گہرے سمندر کی تاریکی" کا حوالہ دیا گیا ہے گہرے سمندر کی یہ تہہ در تہہ تاریکی دو اسباب کا نتیجہ ہے۔

اول: عام روشنی کی ایک شعاع سات رنگوں سے مل کر بنتی ہے۔ یہ سات رنگ بالترتیب، بنفشی، کاسنی، نیلا، سبز، پیلا، نارنجی، سرخ ہیں۔ روشنی کی شعاع جب پانی میں داخل ہوتی ہے تو انعطاف (ریفریکشن) کے عمل سے گزرتی ہے اوپر کے دس سے پندرہ میٹر کے دوران پانی میں سرخ رنگ جذب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی غوطہ خور پانی میں پچیس میٹر کی گہرائی تک جا پہنچے اور زخمی ہو جائے تو وہ اپنے خون میں سرخی نہیں دیکھ پائے گا کیونکہ سرخ رنگ کی روشنی اتنی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی۔۔ اسی طرح تیس سے پچاس میٹر تک گہرائی آتے آتے نارنجی (اورنج) روشنی بھی مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہے۔ پیلی روشنی پچاس سے ایک سو دس میٹر تک، سبز سو سے دو سو تک، نیلی روشنی دو سو میٹر سے کچھ زیادہ تک، جبکہ کاسنی اور بنفشی روشنی اس سے بھی کچھ زیادہ گہرائی تک پہنچتے پہنچتے مکمل طور پر جذب ہو جاتی ہیں۔ پانی میں رنگوں کے اس طرح ترتیب وار غائب ہونے کی وجہ سے سمندر بھی تہہ در تہہ کر کے تاریک ہوتا چلا جاتا ہے، یعنی اندھیرے کا ظہور بھی روشنی کی پرتوں کی شکل میں ہوتا ہے۔۔ ایک ہزار میٹر سے زیادہ کی گہرائی میں مکمل اندھیرا ہوتا ہے۔

(بحوالہ: اوشنز از: ایلڈر اوور پرنیتا صفحہ 27)۔۔

دوم: دھوپ میں شعاعیں بادلوں میں جذب ہوتی ہیں۔ جو تتیجتاً روشنی کی شعاعوں کو ادھر ادھر بکھیرتے ہیں، جس کی وجہ سے بادلوں کے نیچے تاریکی کی ایک پرت (تہہ) سی بن جاتی ہے۔ یہ تاریکی کی پہلی پرت ہے جب روشنی کی شعاعیں سطح سمندر سے ٹکراتی ہیں تو وہ (سمندری) لہروں کی سطح سے ٹکرا کر پلٹتی ہیں اور جگمگانے کا سا تاثر دیتی ہیں، لہٰذا یہ (سمندری) لہریں ہیں جو روشنی کو منعکس کرتی ہیں، تاریکی کی وجہ بنتی ہیں۔ غیر منعکس شدہ روشنی، سمندر کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہے، لہٰذا سمندر کے دو حصے سطح کی امتیازی علامت روشنی اور گرمی ہیں۔ جب کہ اندھیرا سمندری گہرائیوں کا طرہ امتیاز ہے علاوہ ازیں گہرے سمندر اور سطح سمندر کو ایک دوسرے سے ممتاز

کرنے والی چیز بھی لہریں ہی ہیں۔

اندرونی موجیں سمندروں کے گہرے پانیوں کا احاطہ کرتی ہیں کیونکہ گہرے پانیوں کی کثافت اپنے اوپر موجود (کم گہرائی والے) پانیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اندرونی پانیوں ہی میں تاریکی کا راج ہوتا ہے۔ سمندر کی اتنی گہرائی میں مچھلیاں بھی دیکھ نہیں سکتیں۔ روشنی کا واحد ذریعہ خود ان کے جسم ہوتے ہیں۔

اسی بات کو قرآن پاک نہایت جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ترجمہ: ''مثل ان اندھیروں کے ہے جو نہایت گہرے سمندر کی تہہ میں ہوں جسے اوپر تلے کی موجوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔''

بالفاظ دیگر ان لہروں کے اوپر مزید اقسام کی لہریں ہیں یعنی وہ لہریں جو سمندر کی سطح پر پائی جائیں۔ اسی تسلسل میں یہ آیت مبارکہ فرماتی ہے۔ ''پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ غرض اندھیریاں ہیں جو اوپر تلے پے در پے ہیں۔۔ جیسا کہ وضاحت کی گئی، یہ بادل وہ پے در پے رکاوٹیں ہیں جو مختلف سطحوں پر روشنی کے مختلف رنگ جذب کرتے ہوئے اندھیرے کو بڑھاوا دیتی چلی جاتی ہیں۔

پروفیسر درگاراؤ نے یہ کہتے ہوئے اپنی بات مکمل کی کہ ''چودہ سو سال پہلے کوئی عام انسان اس مظہر کو اتنی تفصیل سے بیان نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا یہ معلومات یقیناً کسی مافوق الفطرت ذریعے سے آئی ہیں۔''

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر پیدا کیا پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے، ۔ تیرا رب بڑا قدرت والا ہے۔''

کیا یہ ممکن تھا کہ چودہ صدیوں پہلے کوئی انسان یہ اندازہ لگا سکے کہ ہر جاندار چیز پانی سے ہی وجود میں آئی ہے؟ مزید برآں کیا یہ ممکن تھا کہ عرب کے ریگزاروں سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد اندازہ قائم کرلیتا؟ ایسے ریگزاروں کا باشندہ کہ جہاں پانی کی قلت ہمیشہ رہتی ہو۔

نباتات

پودوں میں نر اور مادہ:۔۔

پرانے زمانے کے انسان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پودوں میں بھی جانوروں کی طرح نر اور مادہ ہوتے ہیں۔ البتہ جدید نباتیات یہ بتاتی ہے کہ ہر پودے کی نر اور مادہ صنف ہوتی ہے۔ حتٰی کہ وہ پودے جو یک صفنی (یونی سیکشوَل) ہوتے ہیں۔ ان میں بھی نر اور مادہ کے امتیازی اجزاء یکجا ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ''اور اوپر سے پانی برسایا اور پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار (جوڑا جوڑا) نکالی۔''

(القرآن: سورہ 20۔۔۔آیت 53۔۔)

پھلوں میں نر اور مادہ کا فرق:۔۔۔

ترجمہ: ''اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔''۔

(القرآن: سورہ 13۔۔آیت 3۔۔)

اعلٰی درجے کے پودوں (سوپیریر پلانٹس) میں نسل خیزی کی آخری پیداوار ان کے پھل (فروٹس) ہوتے ہیں۔ پھل سے پہلے پھول کا مرحلہ ہوتا ہے جس میں نر اور مادہ اعضاء یعنی ''اسٹیمنز'' اور ''اوویولز'' ہوتے ہیں جب کوئی زردانہ (پولن) کسی پھول تک پہنچتا ہے تبھی وہ پھول ''بار آور'' ہو کر پھل میں بدلنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ پھل پک جاتا ہے اور (اُس پودے کی) اگلی نسل کو جنم دینے والے بیج سے لیس ہو کر تیار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تمام پھل اس امر کا پتا دیتے ہیں کہ (پودوں میں بھی) نر اور مادہ اعضاء ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے جسے قرآن پاک بہت پہلے بیان فرما چکا ہے۔

پودوں کی بعض انواع میں غیر بار آور (نان فرٹیلازر) پھولوں سے بھی پھل بن سکتے ہیں۔ (جنھیں مجموعی طور پر ''پارتھینو کارپک فروٹ'' کہا جاتا ہے)۔ ان میں کیلے کے علاوہ انناس، انجیر، نارنگی اور انگور وغیرہ کی بعض اقسام شامل ہیں۔ ان پودوں میں بھی بہت واضح صنفی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔

ہر چیز کو جوڑوں میں بنایا گیا ہے:۔۔۔

ترجمہ: ''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔''

(القرآن: سورہ 51۔۔۔آیت 49)۔۔

اس آیت مبارکہ میں ''ہر چیز'' کے جوڑوں کی شکل میں ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ انسانوں، جانوروں، پودوں اور پھلوں کے علاوہ بہت ممکن ہے کہ یہ آیت مبارکہ بجلی کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہو کہ جس میں ایٹم منفی بار والے الیکٹرونوں اور مثبت بار والے مرکزے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جوڑے ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔''

یہاں اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ ہر چیز جوڑوں کی شکل میں پیدا کی گئی ہے۔ جن میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جنھیں آج کا انسان نہیں جانتا اور ہو سکتا ہے کہ آنے والے کل میں انہیں دریافت کرلے۔۔۔

۔۔۔(جاری ہے)۔۔۔۔

بہ حوالہ کتاب: قرآن اور سائنس

تصنیف: ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم: علیم احمد

گواہی کے مسائل کا بیان

تحریر: پریشے

حدیث:

حکم بن نافع نے بیان کیا کہ انھوں نے شعیب سے، انھوں نے زہری سے سنا، زہری کہتے ہیں کہ ان سے حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف نے بیان کیا، ان سے عبد اللہ بن عتبہ نے اور انھوں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا۔ آپ بیان کرتے تھے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں لوگوں کا وحی کے ذریعہ مواخذہ ہوتا تھا۔ لیکن اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ہم صرف انھیں امور میں مواخذہ کریں گے جو تمھارے عمل سے ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ اسلئے جو کوئی ظاہر میں ہمارے سامنے خیر کرے گا ہم اسے امن دیں گے اور اپنے قریب رکھیں گے۔ اسکے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اسکا حساب تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اور جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر میں برائی کرے گا تو ہم بھی اسے امن نہیں دیں گے اور نہ ہم اسکی تصدیق کریں گے۔ خواہ وہ یہی کہتا رہے کہ اسکا باطن اچھا ہے۔

تشریح:

حضرت عمرؓ کے قول سے ان بے وقوفوں کا رد ہوا جو ایک بدکار، فاسق کو درویش اور ولی سمجھیں۔ اور یہ دعویٰ کریں کہ ظاہری اعمال سے کیا ہوتا ہے، دل اچھا ہونا چاہیے۔ کہو، جب حضرت عمرؓ ایسے شخص کو دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا تھا تو تم بیچارے کس باغ کی مولی ہو۔ دل کا حال بجز اللہ کریم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پیغمبر صاحب کو بھی اس کا علم وحی یعنی اللہ کے بتلانے سے ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے قاعدہ بیان کیا کہ ظاہر کی رو سے جس کے اعمال شرع کے موافق ہوں اسکو اچھا سمجھو اور جس کے اعمال شرع کے خلاف ہوں، انکو برا سمجھو۔ اب اگر اسکا دل بالفرض اچھا بھی ہو گا جب بھی ہم اسکے برا سمجھنے میں کوئی مواخذہ وار نہ ہوں گے۔ کیونکہ ہم نے شریعت کے قاعدے پر عمل کیا۔ البتہ ہم اسکو سمجھیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

اس باب سے نکلا کہ فاسق بدکار کی بات نہ مانی جائے گی یعنی اس کی شہادت قبول نہ ہو گی۔ معلوم ہوا کہ شاہد کے لیے عدالت ضروری ہے۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، نیک ہو۔ تو کافر یا غلام یا مجنون یا نابالغ یا فاسق کی گواہی قبول نہ ہو گی۔

(حدیث نمبر: 2641، صحیح بخاری، جلد چہارم)

خلافت راشدہ کا ایک جج

حضرت علیؓ کا دورِ خلافت ہے۔ دار الخلافہ مدینے سے کوفے منتقل ہو چکا۔ شریح اسلامی مملکت کے چیف جسٹس ہیں۔ امیر المؤمنین علیؓ اور ایک یہودی کا تنازع ان کی عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ امیر المؤمنین کی زرہ کہیں گر پڑی تھی اور اِس یہودی کے ہاتھ لگ گئی۔ امیر المؤمنین کو پتا چلتا ہے تو اِس سے زرہ کا مطالبہ کرتے ہیں، مگر یہودی کہتا ہے کہ زرہ میری ہے، چنانچہ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ امیر المؤمنین عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ چیف جسٹس شریح فریقین کے بیان لیتے ہیں۔ یہودی اپنے بیان میں کہتا ہے کہ زرہ میری ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ میرے قبضے میں ہے۔ چیف جسٹس شریح، امیر المؤمنین سے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرنے کو کہتے ہیں۔ وہ دو گواہ پیش کرتے ہیں: حسنؓ اور قنبرؓ۔ چیف جسٹس شریح کہتے ہیں کہ قنبرؓ کی شہادت تو قبول کرتا ہوں لیکن حسنؓ کی شہادت قابل قبول نہیں۔

امیر المؤمنین کہتے ہیں کہ آپ حسنؓ کی شہادت کو مسترد کرتے ہیں! کیا آپؒ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں سنا کہ حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ چیف جسٹس شریح کہتے ہیں "سنا ہے، مگر میرے نزدیک باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت معتبر نہیں۔"

دوسرا شاہد نہ ہونے کی وجہ سے امیر المؤمنین کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ امیر المؤمنین نہ تو کوئی آرڈی نینس جاری کرتے اور نہ کسی قانون کی پناہ ڈھونڈتے ہیں بلکہ اِس فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

یہودی اِس فیصلے سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص صاحبِ اقتدار ہونے کے باوجود زرہ اِس سے نہیں چھینتا بلکہ عدالت کے دروازے پر دستک دیتا اور مدعی کی حیثیت سے اِس کے سامنے جاتا ہے۔ پھر عدالت اِس کے ساتھ کوئی امتیازی برتاؤ نہیں کرتی، مدعی اور مدعا علیہ دونوں یکساں حالت میں اِس کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ عدالتی کارروائی میں بھی کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا، روزمرہ کی سی کارروائی ہوتی ہے اور عدالتی طریق کار کے عین مطابق۔ پھر عدالت کا جج امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ صادر کرتا اور امیر المؤمنین بے چون وچرا اِس فیصلے کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اسلامی عدالت کا بے لوث عدل اور امیر المؤمنین کا منصفانہ کردار اِس کے دل میں کھب جاتا ہے۔ وہ وہیں عدالت میں پکار اُٹھتا ہے کہ "زِرہ امیر المؤمنین ہی کی ہے اور جس دین کا ماننے والا قاضی، امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ صادر کرتا ہے اور امیر المؤمنین اس فیصلے کو بلا حیل وحجت تسلیم کر لیتا ہے، وہ یقیناً سچا ہے۔"

امیر المؤمنین اِس یہودی کے اسلام قبول کر لینے پر اِتنے مسرور و شادماں ہوتے ہیں کہ بطور یادگار اپنی زرہ اِسے دے دیتے ہیں۔

مرسلہ: سارا

ایک خاص الخاص تحفہ

ترجمہ: کائنات بشیر

اردو ادب

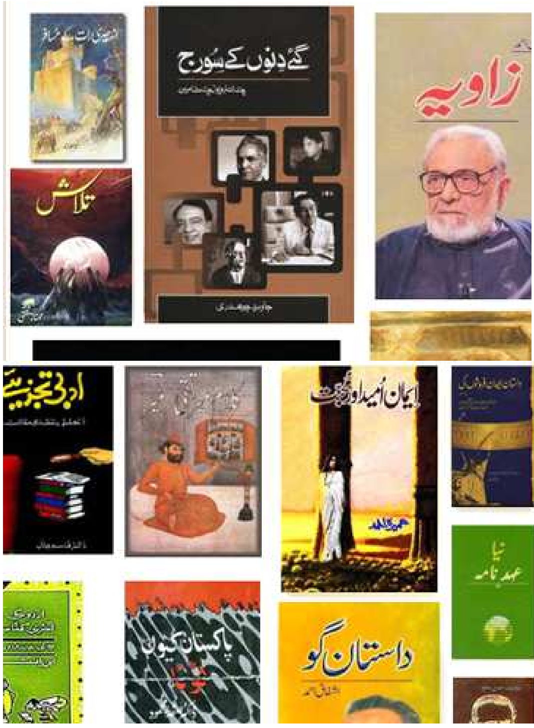

چند سال پہلے کی بات ہے کہ میں پاکستان گئی تو ہمسائیگی اور دوستی کا رشتہ نبھاتے ہوئے اپنی پڑوس کی دوستوں سے ملاقات کرنے ان کا حال احوال پوچھنے بھی گئی۔ ایک کی تبھی حال ہی میں شادی ہوئی تھی۔ سومبارکباد کے پیغام کے ساتھ اک گفٹ بھی میرے ہمراہ تھا۔انہوں نے مجھے جرمنی میں بھی شادی کارڈ بھیجا، فون کیا لیکن میں تب جا ہی نہ پائی۔اور اب اپنی لچھے دار باتوں سے انھیں منانے اور بہلانے پھسلانے کا پروگرام تھا۔ میں اپنے گھر میں اکیلی ہوا کرتی تھی اور وہ تین اوپر تلے کی بہنیں، سو زندگی میں بچپن میں، زمانہ طالب علمی میں اور بعد میں اتنا پکا اور گاڑھا ساتھ رہا کہ اب بھی ہم ایک دوسرے کے لیے ہمیشہ اک خاص مقام، جگہ پر ہوتے ہیں۔ میری بچپن کی سہیلیاں، فاصلوں کی دوری کے باوجود ہم ایک دوسرے کو بھولے نہ تھے۔ ویسے ان میں سے ایک کا درپردہ تعارف میں نے اپنے ایک افسانے کے کردار کے روپ میں بھی کروایا تھا۔

سو جاتے ہی سب سے پہلے تو میں نے اپنا۔۔ کاریکرم جاری کیا۔ گلے مل کر بھی۔۔ گلے شکوے شروع ہو گئے۔ جب فضا کچھ معمول پر آئی تو وہ آداب میزبانی نبھاتے ہوئے میری خاطر تواضع کا بندوبست کرتے ہوئے ادھر اُدھر ہونے لگیں تو میں نے ٹی وی سے دل بہلانے کی بجائے سامنے کافی ٹیبل پر پڑی ایک کتاب اٹھا لی اور اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ وہ شاعری کی ایک اچھی خاصی تقریباً پانچ سو صفحات کی ضخامت رکھنے والی کتاب تھی۔ شاعرہ کا نام بھی جانا پہچانا نہیں تھا۔

کتاب کا نام تھا۔۔زخم دل

شاعرہ کا نام۔۔ بیگم شاد چغتائی

کتاب کے آخری صفحے پر شاعرہ کی تصویر بھی لگی تھی۔ میک اپ سے عاری چہرہ، سر پہ دوپٹہ لیے پچاس سے اوپر وہ مجھے کافی سادہ سی خاتون لگیں۔ نیچے ایک شعر بھی لکھا تھا۔ جو فی الفور ان کی تصویری شخصیت سے جا جڑتا تھا۔

زخم دل، زخم جگر، زخم جہاں کافی ہے

اتنی بوسیدہ عمارت ہوں توڑ ھنے دو مجھے

میرا خیال ہے کہ اپنے آپ کو اس طرح پیش کرنے کے انکے انداز نے مجھے متاثر کر دیا۔ دیکھ کر یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اتنی بڑی شاعری کے شاہکار کی وہ اہل کتاب ہیں۔ میں صفحے پلٹ پلٹ کر کتاب دیکھنے اور کہیں کہیں سے پڑھنے لگی۔ تو ان کی شاعری سے بھی مجھے ان کی تصویر جیسی سادگی جھلکتی محسوس ہوئی۔

ہم نے سوچا تھا کہ آرام سے کٹ جائیگی

ہم کو جینے نہ دیا دنیا نے آرام کے ساتھ

جس کسی شام کو وہ ملنے کا وعدہ کر لیں

درد کی رات بھی ہوتی ہے اسی شام کے ساتھ

کب آنکھوں کی بے تاب زباں سمجھو گے

میرے ہونٹوں پہ مچلتی یہ فغاں سمجھو گے

شب تنہائی کا احساس نہ جینے دے گا

بربط روح ہر اک نغمہ رواں سمجھو گے

جو ذرے دور سے چمکتے ہیں وہ ہم کو ستارے لگتے ہیں

وہ پھول سے نازک نہیں ہوتے جو پھول سے پیارے لگتے ہیں

پیچھے مڑ کے زندگی کے راستے کو دیکھنا

کتنے ارمانوں کے گل مسلے ہوئے پاؤ گے تم

ہم نے چاہا بات کرنا وہ اداسے چل دیئے

حسرت وارمان سارے ساتھ انکے چل دیئے

ہماری زندگی بھی کس پریشانی میں گزری ہے

گوارا ہم نے کر لی جس طرح سے بھی گزری ہے

نہیں تھا واسطہ کوئی جہاں کی رنگ رلیوں سے

اصل میں زندگی وہ ہے جو تیرے غم میں گزری ہے

ان اشعار کی طرح یہ کتاب بھی عام فہم نظر آ رہی تھی۔ اور میرے نزدیک یہ ان کی خوبی تھی۔ کیونکہ شاعری کی زباں یا لکھنے کی زباں کو خوامخواہ ثقیل بنانے اور پڑھنے والے کے دل میں اتارنے کی بجائے اس کے سر کے اوپر سے اپنا کلام گزارنے والے مجھے شاعر، مصنف کم اور فلسفی زیادہ لگتے ہیں۔

اتنے میں وہ میزبان چائے پانی کا انتظام کر کے پھر میرے پاس آ بیٹھیں۔ تب میں نے ان سے کہا کہ شاعرہ جانی پہچانی تو نہیں لیکن کلام بہت اچھا ہے۔ اور تعریف کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کتاب کس کا انتخاب ہے۔ تو وہ ہنس پڑیں اور ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ تحفہ ملی ہے۔ اب میری باری تھی جاننے کی کہ ایسی تخلیق کار تک کیسے رسائی ہوئی۔ تب پوری حقیقت عیاں ہوئی۔ ان بہنوں میں سے ایک کی سسرال فیملی کی طرف سے شاعرہ کی فیملی سے جان پہچان تھی۔ اس طرح یہ کتاب گفٹ کی صورت ملی تھی۔ سو میں جتنا وقت پاکستان میں رہی، جب بھی ادھر جانکلتی تو وہ کتاب کبھی کافی ٹیبل پر پڑی ہوتی، کبھی صوفہ پر اور کبھی بیڈ پر تکیے کے قریب نظر آتی۔ اور میں اٹھا کر اس میں سے ایک آدھ غزل، نظم پڑھ لیتی۔ اور شاعرہ کو دل میں داد دے لیتی۔ جیسے،

تیری نظر میں اب وہ اثر کیوں نہیں رہا

شائد تیری وفا میں ملاوٹ کوئی ہوئی

گفتار سے ہویدا ہے یوں بے تعلقی

جیسے کہ جان بوجھ کر ہو جان پہ بنی

آدم خطا کا پتلا ہے اقرار کر لو

آخر تو باہر آئیگی اندر پکی ہوئی

اک جھوٹ کے چھپانے کو سو جھوٹ بولئے

اس پہلے جھوٹ میں کبھی آتی نہیں کمی

پہلے سا التفات تو گو اب نہیں رہا

ماضی کا احترام تو کھوئے نہ آدمی

ہم نے وفا کے نام پر کیا، کیا نثار

دنیا کی داد کچھ نہیں جب تم سے نہ ملی

توڑا ہے شاد، اس طرح ظالم نے دل کو بس

اب ٹکڑے جوڑنے کی بھی حاجت نہیں رہی

پھر جرمنی واپس آنے کا وقت آ گیا۔ تو پہلے کی طرح اس بار بھی ان بہنوں نے مجھے ایک گفٹ دیا۔ خوبصورت سی پیکنگ میں ۔۔۔ میں نے رسم دنیاداری نبھاتے ہوئے منع کرنا چاہا تو وہ ہنس پڑیں۔ کہنے لگیں۔ نہ مت کیجئے گا ورنہ بہت خسارا ہو گا۔ اور دوسری شرط یہ عائد کر دی کہ اسے جرمنی جا کر ہی کھولنا۔ سو مجھے ان کی محبتوں اور وعدے کا پاس کرنا پڑا۔ اور جب جرمنی آ کر میں نے گفٹ کھولا تو حیران رہ گئی۔ کیونکہ میرے سارے تکے بیکار ہوئے۔ اور بیگم شاد چغتائی کی زخم دل میرے سامنے تھی۔ میرا دل حیران ہونے کے ساتھ شاد بھی ہوا۔ پھر میں نے انھیں شکریہ کے لیے فون کیا تو وہ شدت سے جاننے کی منتظر تھیں کہ مجھے تحفہ کیسا لگا۔ بہر حال میں نے ان تینوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور ساتھ چھوٹا سا گلہ بھی کر دیا کہ بھئی آپ نے گفٹ۔۔ گفٹ کر دیا۔ یہ آپکے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ تو وہ ہنس کر کہنے لگیں۔ کوئی بات نہیں۔ کتاب اب اصل قدر داں کے پاس پہنچ گئی ہے۔ ہمیں تو یہاں بک سٹور سے اور کاپی مل جائے گی۔ اور بالفرض ہم شاعرہ کو ہی جا کر بتا دیں کہ آپکی کتاب آپکی ایک پرستار کے پاس پہنچ گئی ہے تو وہ تو خوش ہو کر یقیناً دوسری کاپی خود ہی عنایت کر دیں گی۔

سو میں نے بڑا خوش ہو کر یہ کتاب پھر اپنے بکس ریک کی زینت بنائی۔ کتاب کے ایک طرف پروین شاکر، فاخرہ بتول، بشریٰ رحمان کی کتابیں ہیں اور دوسری طرف قتیل شفائی، وصی شاہ، احمد فراز کی کتابیں۔ اور ان مشہور لوگوں کے جھرمٹ میں ایک انجان سی شاعرہ کی کتاب مجھے وہی وجدانی کیفیت عطا کرتی ہے۔ جب میں دوسرے مشہور شاعروں کی کتابوں کی طرح اسے بھی اٹھا کر کبھی کبھی پڑھتی ہوں۔ اور اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ کچھ لوگ آسماں کی بلندیوں جتنی شہرت پا گئے۔ اور کچھ اتنا نام نہ پا سکے۔

اور وہ اپنی اسی غزل کی تفسیر لگتی ہیں۔

نگاہیں ان کی بدلیں گی تو بدلے گا جہاں اپنا

جو ٹھکرائیں گے وہ ہم کو کہاں پھر آستاں اپنا

حقیقت جب کھلے گی ان پر پچھتائینگے وہ آخر

ملے گا ان کو دنیا میں کوئی ہم سا کہاں اپنا

امیدیں آرزوئیں حسرتیں جب مٹ گئیں ساری

تو بے شک لٹ گیا الفت کا آخر کارواں اپنا

فدا جس پر ہوئے ہم اسی نے ہم کو ٹھکرایا

رقیب روسیاہ نکلا بنا تھا جو رازداں اپنا

اگر تقدیر بدلی ہے تو دنیا کا گلہ کیوں ہو

رکھیں گے شاد ہم ہر حال دل شاداں اپنا

اب مجھے اس بات کا اکثر احساس ہوتا ہے کہ اگر میں تب کچھ وقت نکال لیتی تو بآسانی اس لاہور میں رہنے والی شاعرہ کے روبرو ہو سکتی تھی۔ اور ان کی زبانی ان کی شاعری کے متعلق باتیں جان کر لطف اور بھی دوبالا ہو جاتا۔

بہر حال جتنا میں ان کی کتاب کے ذریعے ان کو جان پائی ہوں۔ جان کر بہت اچھا لگا۔ یہ کتاب زخم دل اکتوبر دو ہزار میں پہلی بار پبلش ہوئی اور جنوری دو ہزار چھ میں یہ اس کا دوسرا ایڈیشن تھا۔

پیش لفظ میں انھوں نے اپنے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ چراغ آندھیوں اور اندھیاروں میں جلا۔ ایک بار میں نے نیند نہ آنے کی شکایت اپنے والد سے کی تو وہ کہنے لگے۔ بیٹا، بندہ نہیں جاگتا، بندے کا دل جاگتا ہے اور جس کا دل جاگتا جائے اس کی نیند مسخر ہو جاتی ہے۔

یہ شاعرہ کبھی استاد بھی رہی ہیں اور کشور ناہید ان کی شاگرد، ایک جگہ شاعرہ نے لکھا ہے کہ عقل غم کھا کے بڑھتی ہے اور شاعری اس کی چھاؤں میں پنپتی ہے۔

اس بات کا پتہ نہیں کہ شاعرہ کے کلام کے اور اور بھی مجموعے شایع ہوئے یا نہیں لیکن انہوں نے اس ضخیم شعری مجموعے میں حمد، نعت، نظمیں، واقعاتی نظمیں، مثنویات، قطعات، فردیات، غزلیات، آپ بیتی اور جگ بیتی سب رقم کر ڈالی ہے۔

شاعرہ کے یہ شوخ قطعات بھی مجھے بہت اچھے لگے۔ افسردہ اور سنجیدہ تحریر کے درمیاں یہ کسی کرن کی طرح چمک رہے ہیں۔

چند قطعات،

کسی کی تصویر دیکھ کر

مجھے اس طرح دیکھتے جا رہے ہو

کہ جیسے ابھی مسکرانے لگو گے

عجب اک چمک اپنی آنکھوں میں لا کر

میرے دل پہ بجلیاں گرانے لگو گے

اک انداز سے دیکے زلفوں کو جھٹکا

گھٹاؤں کو نیچا دکھانے لگو گے

ابھی مسکراہٹ پہ پاؤ گے قابو

شرارت سے آنکھیں دکھانے لگو گے

تجھے میں نے چاہا بہاروں سے بڑھ کر

تجھے میں نے دیکھا نظاروں سے بڑھ کر

اگرچہ ہو تصویر میں پاس میرے

مگر پھر بھی دوری ستاروں سے بڑھ کر

سلامت رہے تو جہاں بھی رہے تو

مجھے دن نصیبہ یہ دکھلا رہا ہے

میں ہوں شاد تصویر لے کر ہی تیری

تصور ترا جی کو بہلا رہا ہے

امید کرتی ہوں آپ کو میرا یہ تحفہ درتحفہ پسند آیا ہو گا۔ شاعرہ کے کلام میں کہیں درد دل ہے کہیں غم کا فسانہ، کہیں مقابل سے گلہ اور کبھی خود سے شکایت، اب آخر میں شاعرہ زبیدہ شاد چغتائی کی ایک اور نہایت عمدہ غزل۔۔۔

اپنی نظر نے چن لیا اک لاجواب کو

دل رو رہا ہے آج تک اس انتخاب کو

کس کس طرح سے میری وفا پائمال کی

ہو گا یہ فیصلہ فقط روز حساب کو

میرا دیا بجھا کے کہا اپنی راہ لو

اب راہ کہاں ملے گی اس خانہ خراب کو

کتنی جفائیں کر کے فراموش کر گیا

کوئی کہے تو کیا کہے اس بے حساب کو

اتنی دروغ گوئی کو سچ مانتے رہے

گویا کہ دھوکا دیتے رہے اک سراب کو

اسکی ادا نے اس قدر مسحور کر دیا

جیسے اتارے شیشے میں کوئی شراب کو

اپنا ہی حوصلہ ہے کہ جئے جا رہے ہیں شاد

ورنہ ہمیں نہ جانیں اور اس کے عتاب کو

زبیدہ شاد چغتائی

---اختتام---

"میں نے خدا کو غلط سمجھا شاید ہم سب ہی خدا کو غلط سمجھتے ہیں۔ ان کی طاقت کا غلط اندازہ لگاتے ہیں، ہمیں خدا پر صرف اس وقت پیار آتا ہے

جب وہ ہمیں مالی طور پر آسودہ کر دے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم اسے طاقتور ہی نہیں سمجھتے۔ ہم نماز کے دوران اللہ اکبر کہتے ہیں،

اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور نماز ختم کرتے ہی ہم روپے کو بڑا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں مجھے

ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ خدا مجھ سے نفرت کرتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ خدا تو ہر ایک سے محبت کرتا ہے اسی لیے

تو اس نے مجھے آزمائشوں میں ڈالا اور وہ اپنے انہی بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔

(زندگی گلزار ہے از عمیرہ احمد سے اقتباس)

روح کو محبت صرف اس وقت ہوتی ہے جب انسانوں کی نفسیات ایک دوسرے کی تلاش میں نکلتی ہے۔

ایسی صورت میں نہ وصل میں بوریت ہوتی ہے، نہ ہجر میں اشتیاق۔

(بانو قدسیہ کے ناول راجہ گدھ سے اقتباس)

مرسلہ: نائمہ آصف

بنیاد پرست

بارہویں قسط

ترجمہ: ندیم اختر

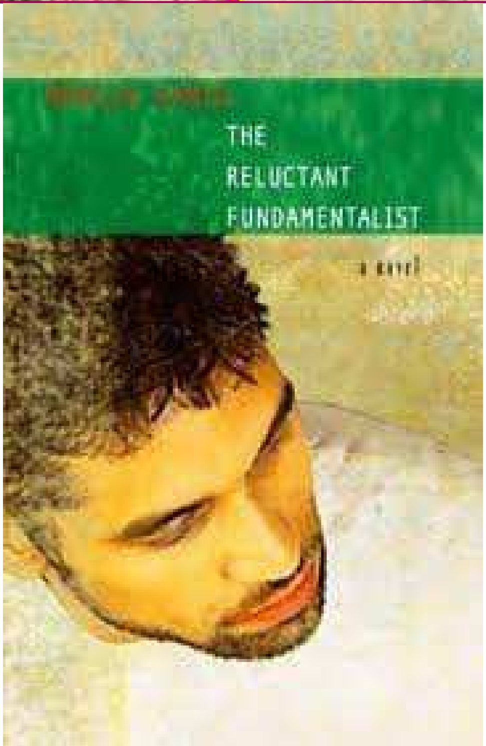

عوامی مقامات جب آباد نہیں رہتے تو کتنا عجیب تاثر دینے لگتے ہیں نا۔ تفریحی پارک جسے ترک کر دیا گیا ہو، اوپیرا ہاؤس جو بند ہو چکا ہو، ہوٹل کی خالی عمارت: فلموں میں ایسے پس منظر دیکھنے والوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے شامل کیے جاتے ہیں۔ یہی حال اب اِس مارکیٹ کا بھی ہے: اکا دکا لوگوں کو چھوڑ کر قریباً سب ہی یہاں سے اٹھ چکے ہیں اور یوں لگ رہا ہے جیسے یہ مقام کسی نحوست کے زیرِ اثر آ گیا ہو۔ شاید اس میں کچھ ہاتھ بادلوں سے گھرے آسمان کا بھی ہے، بادل جن کے عقب سے کبھی کبھی چاند کی مجروح سی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ ہماری بے اطمینانی میں سب سے زیادہ دخل تنہائی کے احساس کا ہے، یہ احساس کہ ہم شہر کے قلب میں موجود ہونے کے باوجود بے حد اکیلے ہیں۔ اوہ، تو تمہاری ناک نے بھی گرم ہوا میں شامل مٹی کی خوشبو کو محسوس کر لیا! ہاں یہ جنوب میں موجود ریگستانوں کا پتہ دیتی ہوئی ایسی خوشبو ہے جو اگر تمہارے ملک میں محسوس ہوتی تو فوراً خیال آتا کہ ٹمبل ویڈ سے سجی کوئی ڈھلوان اس مدھم روشنی سے معمور مقام کے آس پاس ہی ہے۔

اگرچہ کہ میری سانٹیاگو سے نیویارک کی فلائٹ کا ماحول یہاں کے ماحول سے یکسر مختلف تھا۔۔۔ کیبن خوب روشن اور مسافروں سے تقریباً بھرا ہوا تھا۔۔۔۔ اس کے باوجود میری ذہنی کیفیت ہماری موجودہ جائے وقوع سے زیادہ ملتی جلتی تھی، بلکہ اس سے بھی کہیں تاریک تر! میں سوچ رہا تھا کہ جو کردار امریکا دنیا بھر کے معاملات میں ادا کر رہا ہے وہ مجھے ہمیشہ سے ہی برا لگتا رہا ہے۔ تمہارے ملک کی دیگر اقوام کے معاملات میں بے جا دخل اندازی کبھی بھی قابلِ ستائش نہیں رہی تھی۔ ویتنام، کوریا، تائیوان، مشرقِ وسطیٰ اور اب افغانستان: برِ اعظم ایشیا جس سے میرا تعلق تھا، اس کے ہر جھگڑے، ہر قضیے میں امریکا کا کردار مرکزی تھا۔ مزید یہ کہ ایک پاکستانی کی حیثیت سے میں امداد اور پابندیوں کے قبیح کھیل سے بھی واقف تھا اور سمجھتا تھا کہ مملکتِ امریکا کی طاقت کی تمام تر مشق میں اُس کی مضبوط مالی حیثیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ میرا حق تھا کہ میں اس مالیاتی نظام کو توانائی پہنچانے والی مشینری کا حصہ بنے رہنے سے انکار کر دوں؛ حیرت صرف اس بات پر تھی کہ مجھے اِس فیصلے تک پہنچنے میں اتنا زیادہ وقت کیوں لگ گیا تھا۔

میں نے خود کو کھلے دماغ کے ساتھ ایک سابقہ جاں نثار کی حیثیت سے جانچنا چاہا۔ یوں سمجھو کہ پرنسٹن اور انڈروڈ سیمسن میں حاصل کی ہوئی تجزیہ کاری کی صلاحیت کو بنا جزئیات اور بنیادوں تک محدود رہے استعمال میں لاتے ہوئے اپنے آپ کو اور تمہارے معاشرے کو بحیثیت مجموعی سمجھنے کی کوشش کی، اور یہ جانا کہ تمہاری مملکت بہت سے معاملات میں انتہائی قدیم روایات کی حامل ہے۔ میں جس چیک پوسٹ سے داخل ہوا وہاں موجود مسلح سنتریوں نے مجھ سے۔۔۔ یقیناً میری قومیت کے سبب۔۔۔ ایک طرف کر کے اضافی پوچھ گچھ کی۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد میں نے جس رتھ بان کی خدمات حاصل کیں وہ غلام طبقے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے غیر قانونی طور پر وہاں رہنے اور معمول سے کہیں کم تنخواہ پر کام کرنے پر مجبور تھا۔ خود میں بھی شرائط میں جکڑے ایسے ملازم کی مانند تھا جو ہر معاملے میں پوری طرح اپنے مالکان کے رحم و کرم پر تھا۔ "آپ کا شکریہ، جوآن بٹسٹا۔" میں نے اپنے بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے سوچا۔ "آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اپنی آنکھوں پر بندھی پٹی ہٹا حقیقت کو دیکھنے کا حوصلہ دیا۔"

لیکن میں جذباتی طور پر یقیناً بہت عجیب صورتحال سے دوچار تھا، گویا کسی تنویمی عمل کے زیرِ اثر ہوں، کیونکہ اگلی صبح جب میں بیدار ہوا تو میری کیفیات یکسر مختلف تھیں۔ مجھے، جو کچھ میں گنوانے جا رہا تھا، اس کا احساس ہونے لگا تھا اور نتیجتاً میں طرح طرح کے سوالات میں گھر گیا تھا۔ بھلا بنا پیسوں اور تعلقات کے اتنی کم عمر میں ایسی متاثر کن آمدنی کا حصول اور کہاں ممکن تھا؟ کیا میں امکانات کے اس شہر کو اس کی تمام تر جادوئی رنگینیوں اور جوش وولولے سمیت یاد نہیں کروں گا؟ میرے ایریکا سے تعلق کا کیا ہو گا: کیا میں اس کے ساتھ کے حصول کی شدید خواہش سے دستبردار ہو جاؤں گا؟ اور یہ بھی کہ اب میں جرم کا سامنا کیسے کروں گا؟

اگر تمہیں کبھی شدید محبت سے معمور رومانی تعلق کی شکست و ریخت کا تجربہ ہوا ہے تو شاید تمہیں اندازہ ہو کہ میں اُس وقت کن مراحل سے گزر رہا تھا۔ ایسی صورتحال میں جذبات کے زیرِ اثر ایک لمحہ آ جاتا ہے جب وہ کچھ کہہ دیا جاتا ہے جو پہلے سوچنا بھی ناممکن لگتا تھا؛ اس کے بعد آزادی میسر آ جانے کی بے پایاں مسرت طاری ہو جاتی ہے؛ دنیا نئی نئی سی جگہ لگتی ہے۔ جیسے اُسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں؛ پھر شکوک اور پچھتاووں میں گھر جانے کا مرحلہ آتا ہے اور ان سب سے گزرنے کے بعد ہی ہم تحمل کے ساتھ اپنے سفر کا جائزہ لینے کے قابل ہو پاتے ہیں۔ میرا شک اور پچھتاوا بہت جلد ابھر کر سامنے آ گئے تھے اور جب میں انڈروڈ سیمسن میں آخری بار ڈیوٹی پر رپورٹ کرنے کے لیے سب وے میں سوار ہو رہا تھا تو میری کیفیت اُس فرد کی سی تھی جس نے اپنے

گھٹنے کو غیر فطری زاویئے پر مڑ کر ٹوٹتے دیکھا ہو لیکن جسے ابھی درد کا احساس شروع نہ ہوا ہو۔

پلیز سمجھنے کی کوشش کرو: ایسا نہیں تھا کہ مجھے یقین ہو چلا ہو کہ میں غلطی کر رہا تھا؛ بس یہ کہ مجھے اپنے غلطی پر نا ہونے کا یقین نہیں تھا۔ بالفاظِ دیگر، میں کنفیوزڈ تھا۔ بہر کیف، میرے گھمنڈ نے مجھے اپنی اندرونی اداسی کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی اور نتیجتاً میں نے بھی اپنی نظر کو دفتر کے بے انتہا متاثر کن استقبالیے پر۔۔۔ جو اب مجھے کسی شاندار معبد کے عظیم الشان اور دلکش روشنیوں سے سجے داخلی راستے جیسا لگ رہا تھا۔۔۔ زیادہ دیر ٹھہرنے دیا، نا اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر شہر کے نگاہوں میں کھب جانے والے منظر میں محو ہونے دیا، حتیٰ کہ خود کو اپنے نفاست سے طبع شدہ بزنس کارڈز کا باکس اٹھانے سے بھی روک دیا جو اس بات کے غماز تھے کہ کبھی اس مقام تک پہنچنے کے لیے سینکڑوں لوگوں کے بیچ سے میرا چناؤ ہوا تھا۔ میں نے خود کو اپنے دونوں اطراف موجود سیکورٹی گارڈز کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جو مجھے اپنے کمرے سے انتہائی ذاتی نوعیت کی اشیاء ایک چھوٹے سے گتے کے ڈبے میں منتقل کرتے دیکھتے رہے اور پھر مجھے لے کر ہیومن ریسورسز کی طرف بڑھ گئے جہاں مجھ سے اختتامی گفتگو کی جانی تھی۔

وہ گفتگو غیر متوقع طور پر مختصر ثابت ہوئی۔۔۔ سخت، پر تکلف لیکن تہمتوں سے عاری۔۔۔ اور جب تمام ضروری فارمز بھرے جا چکے اور کارکردگی میں اضافے کے حوالے سے متعلقہ معلومات جمع ہو چکیں تو مجھے بتایا گیا کہ جِم مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ جم نے سیاہ رنگ کا سوٹ اور ٹائی پہن رکھے تھے۔۔۔ ماتمی رنگ، مجھے دیکھ کر خیال آیا۔۔۔ اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ عرصے سے بے خوابی کا شکار ہے۔ "تم نے ہمارا بے حد و حساب نقصان کیا ہے لڑکے۔" وہ بولا۔ "مجھے معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔" اور مجھے افسوس ہے۔" "میں کام کے معاملے میں رعایت دینے پر زیادہ یقین نہیں رکھتا۔" اس نے بات جاری رکھی۔ "تمہیں برخاست کرنے کے معاملے پر مجھے دوسری مرتبہ نہیں سوچنا پڑا۔ بلکہ مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں یہ کام مہینہ بھر پہلے کر لیتا تو ہم اُس دردسری سے بچ جاتے جو والپرائزو میں تمہاری وجہ سے ہمیں جھیلنی پڑی ہے۔ مگر،" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا، پھر گویا ہوا۔ "میں یہ ضرور کہوں گا چنگیز کہ تم مجھے پسند ہو۔ میں دیکھ سکتا ہوں کہ تم کسی شدید بحران کی زد میں ہو۔ اگر کبھی بھی جی کا بوجھ ہلکا کرنا چاہو اور بات کرنے کے لیے کسی کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے کال کر لینا۔" میرا گلا رندھ گیا اور میں جواب نہیں دے پایا؛ چنانچہ میں نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

جم کے آفس سے نکلنے کے بعد مجھے ایلیویٹرز کی طرف لے جایا گیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گزرے ہفتوں میں اپنے کولیگز کی نظروں میں، میں کس قدر ناپسندیدہ اور مشتبہ قرار پا چکا ہوں۔ صرف وین رائٹ نے آگے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور الوداع کہا۔ باقیوں نے یا تو میری طرف دیکھنا ہی گوارا نہیں کیا یا پھر جن کی نظر پڑی ان میں سے کئی کے تاثرات میں بے چینی کے ساتھ خوف بھی نمایاں تھا: یوں لگ رہا تھا جیسے میں اسائنمنٹ کے بیچ کام چھوڑ دینے کی بجائے اُن کے قتل کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوں۔ گارڈز عمارت سے باہر نکلنے تک میرے ساتھ ساتھ رہے، اور ان کے جانے کے بعد ہی میں اپنی نم آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کر صاف کرنے کا حوصلہ کر پایا۔

تمہیں یاد رکھنا ہو گا کہ تب میں صرف بائیس سال کا تھا اور وہ میری پہلی باقاعدہ جاب تھی۔ عمر اور حالات کے پیشِ نظر جذبات کا یہ بہاؤ غیر معمولی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہر کیف، مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ایک دنیا ختم ہو گئی ہو۔۔۔ جو کہ ایک طرح سے حقیقت بھی تھی۔۔۔ اور میں ایسٹ ولیج تک پیدل ہی چلتا چلا گیا۔ اب تصور میں لاتا ہوں تو اپنا طرزِ عمل بہت بے ڈھنگا محسوس ہوتا ہے۔۔۔ ایک بدحال اور باریش پاکستانی ایک بے نشان ڈبہ ہاتھوں میں اٹھائے مین ہٹن کے قلب میں پیدل چلتا جا رہا ہے۔۔۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ تب کسی نے مجھ پر کوئی جملہ کسا ہو، پر میں اپنی کیفیت میں اتنا مستغرق تھا کہ اگر کوئی کچھ کہتا بھی تو مجھے خبر ہو پانے کا امکان بہت ہی کم تھا۔

اپنے فلیٹ پہنچ کر میں نے اپنے لیے وہسکی کا گلاس بنایا اور بیٹھ کر سوچنے لگا۔ ابھی دن نہیں ڈھلا تھا۔ صرف دوسرا پہر چل رہا تھا۔۔۔ چنانچہ میں نے گھر کال کرنے کا فیصلہ کیا۔ فون میرے بھائی نے ریسیو کیا۔ میری بھیجی ہوئی رقم اسے موصول ہو گئی تھی اور مزدور ہماری پائپ لائن پر کام کر رہے تھے جسے آنے والے کل تک تبدیل ہو جانا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں لاہور منتقل ہونے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ اس نے میری حوصلہ شکنی کی کوشش کی: یہ بتا کر کہ انڈیا کے ساتھ ٹینشن میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ پچھلے دنوں اس کا اسلام آباد جانا ہوا تھا اور وہاں غیر ملکی سفارت خانوں اور این جی اوز سے وابستہ فیمیلیز ملک چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ میں نے وضاحت کی کہ میرے پاس کوئی چوائس نہیں تھی؛ "مجھے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔" میں نے کہا۔ "اور جلد ہی میرا ویزا ناکارہ ہو جائے گا۔" اس پر اُس نے تسلی دی کہ گھر والے میرا خیال رکھیں گے۔ میں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ دراصل مجھے اُن کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ کال ختم ہونے کے بعد خاصی دیر تک میں اپنے گلاس کو جھلاتا رہا تھا۔

لیکن تمہارا اپنا گلاس خاصی دیر سے خالی ہے۔ کیا میں بل منگوا لوں؟ میں نے اشارہ کر دیا ہے اور یہ لو، وہ آ گیا۔ تم پوچھتے ہو کہ کتنے پیسے ہوئے؟ براہ کرم اس کی پرواہ مت کرو؛ تم مہمان ہو اور یہ معمولی سا خرچہ میرے ذمے ہے۔ تم نصف ادائیگی کرنا چاہتے ہو؟ ہر گز نہیں؛ یہاں یا تو ہم سب کا سب دیتے ہیں یا پھر کچھ بھی نہیں دیتے۔ تم نے مجھے یاد دلا دیا ہے کہ جب میں نیا نیا تمہارے ملک پہنچا تھا تو جان پہچان والوں کا ایسے بل کو آپس میں بانٹ لینے کا تصور مجھے کتنا اجنبی محسوس ہوا تھا۔ میری تربیت ایسے معاملات میں اجتماعی فراخدلی کو حسابی برابری پر فوقیت دینے کے لحاظ سے ہوئی تھی؛ پر مختلف اوقات میں دونوں ہی طریقوں کی اپنی اپنی افادیت مجھ پر بعد میں کھلتی گئی۔

لیکن میری تربیت کے کسی بھی مرحلے میں مجھے یہ نہیں سکھایا گیا تھا کہ ایک ایسے محبوب سے کس طرح رابطہ کیا جائے جو ذہنی امراض کے ادارے میں داخل ہو، لہذا میں ایریکا کو ای میل کرنے اور اسے خود جا کر ملنے کے ارادے کے بیچ لٹکتا رہا۔

بالآخر فیصلہ اس طرح سے ہوا کہ میں نے اسے ای میل کی اور وہ ان باکس بھرا ہوا ہونے کے سبب لوٹ آئی۔ تب میں نے ایک کار کرائے پر لی اور بغیر اطلاع دیئے وہاں پہنچ گیا۔ مجھے استقبالیے پر بتایا گیا کہ بنا دعوت کے آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا اور وہ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ایریکا وہاں موجود بھی ہے یا نہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے واپس چلے جانے کو کہتے، میری نظر اُس نرس پر پڑی جس سے میری پچھلی بار ملاقات ہوئی تھی اور میں نے اُس سے اپنی جانب سے مداخلت کرنے کی درخواست کر دی۔

"میں ان سے بات کرتی ہوں۔" اُس نے ریسپشنسٹ سے کہا اور مجھے لے کر ایک طرف ہو گئی۔ وہ مضطرب دکھائی دیتی تھی اور اس نے مجھ سے بیٹھ جانے کو کہا۔ "تم کیا جانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔ "میں کس بارے میں کیا جانتا ہوں؟" میں نے جواباً سوال کیا۔ "مجھے بے حد افسوس ہے۔" وہ بولی۔ "ایریکا چلی گئی ہے۔" میں نے پوچھا کہ "چلی گئی ہے" اُس کی کیا مراد ہے" جس پر وہ وضاحت سے بتانے لگی۔ ایریکا قریباً دو ہفتے قبل۔۔ میری اُس سے آخری ملاقات کے کچھ روز بعد۔۔ غائب ہوئی تھی۔ شروع شروع میں جب وہ یہاں داخل ہوئی تھی تو اس سے اکیلے بالکل نہیں رہا جاتا تھا۔ وہ نرسوں، ڈاکٹروں اور دوسرے مریضوں کے ساتھ گھنٹوں وقت گزارا کرتی تھی: بالخصوص اُس نرس کے ساتھ جس سے میں بات کر رہا تھا۔ لیکن اپنے قیام کے آخری ایام میں وہ اکثر و بیشتر اکیلے یہاں وہاں گھومنا شروع کر دیتی تھی، یہاں تک کہ ایک دن وہ باہر چلی گئی اور واپس لوٹ کر نہیں آئی۔ اس کے کپڑے دریائے ہڈسن کے نزدیک ایک بلند پتھریلی جگہ پر ڈھیر کی صورت میں ملے تھے۔

"کیا تم مجھے بتانا چاہ رہی ہو کہ ایریکا نے اپنی جان لے لی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "ابھی تک کوئی باقیات نہیں مل سکیں۔" نرس نے کہا، "اور اس نے کوئی نوٹ بھی نہیں چھوڑا۔ ٹیکنکلی وہ ایک گمشدہ فرد ہے۔ لیکن جانے سے پہلے اس نے ہر ایک کو الوداع کہا تھا۔" میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ مجھے اُس جگہ لے کر چلے جہاں سے غالباً ایریکا نے چھلانگ لگائی تھی، اور وہ مجھے میدانوں سے گزار کر وہاں تک لے آئی۔ وہ ایک بے حد حسین مقام تھا، شاید خودکشی کے لیے بہت موزوں۔ ہلکی ہلکی سنو سے لدے صنوبر کے درختوں کے بیچ سے دوڑ کر آنا، گرینائٹ کے پتھروں پر سے کود کر ہوا میں تیرنا، زور آور دریا کے دوسری جانب بنے مختصر مکان کی چمنی سے نکلتے دھوئیں کو دیکھنا اور آخر میں نیچے برفیلے کرنٹ جیسے پانی سے طاقت کے ساتھ ٹکرا جانا۔ پر میں تکلیف دہ سوچوں کی اس قوس کے اختتام پر ایریکا کے عریاں اور نیلاہٹ آمیز سفید بدن کا تصور نہیں کر سکا۔

چنانچہ میں نے شہر کا رخ کیا اور ڈرائیو کرتا ہوا اس کے گھر جا پہنچا۔ ایریکا کی والدہ نے کسی طرح کا میک اپ نہیں کر رکھا تھا؛ میں نے دیکھا کہ ان کی پلکیں اتنی ہلکی تھیں کہ جیسے موجود ہی نہ ہوں۔ میں نے وضاحت کی کہ میں اُس ادارے سے آ رہا ہوں جہاں ایریکا داخل تھی، اور پوچھا کہ انہیں اُس کی کوئی خیر خبر ملی؟ اس کی والدہ نے مجھے یوں دیکھا جیسے میں نے ان کے منہ پر بلااشتعال تھپڑ مار دیا ہو۔ "نہیں۔" وہ بولیں اور پھر خود کو مجتمع کر کے گویا ہوئیں۔ "مجھے افسوس ہے کہ نہیں۔" "میں اگر کچھ بھی کر سکتا ہوں اس حوالے سے تو خدارا بتائیے۔" "بہت شکریہ۔" انہوں نے کہا اور مجھے اندر بلا لیا۔ انہوں نے بتایا کہ ایمرجنسی سروسز مسلسل ایریکا کی تلاش میں ہیں اور مقامی اخبارات میں اشتہارات بھی دیئے جا رہے ہیں؛ اس کے سوا کچھ بھی کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم کچھ دیر تک بہت مشکل سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔۔۔ انہوں نے پوچھا کہ میں کیسا ہوں۔ میں نے بتایا کہ مجھے حال ہی میں نوکری سے فارغ کیا گیا ہے: جب یہی سوال میں نے اُن سے کیا تو وہ صرف ایک پھیکی سی مسکراہٹ دے سکیں۔۔۔ یوں زیادہ تر ہم خاموش ہی رہے۔ لیکن میری واپسی سے پہلے انہوں نے غالباً مجھ پر مہربانی کرتے ہوئے دو کام کیے: پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ ایریکا کے خیال میں، میں اپنی نئی داڑھی میں خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا؛ اور اس کے بعد انہوں نے مجھے ایریکا کے ناول کے مسودے کی ایک کاپی لا کر دی۔ "شاید اسے پڑھنا تمہیں اچھا لگے۔" وہ بولیں۔

میں نے ایک ہفتے تک اسے نہیں پڑھا اور وہ میرے ٹیلیویژن سیٹ کے اوپر یونہی دھرا رہا۔ اس دوران میں ایریکا کا پتہ مل جانے کا انتظار کرتا رہا۔۔۔ کوئی ای میل، کوئی فون کال، میرے فلیٹ کی گھنٹی کی آواز۔۔۔ لیکن کہیں سے کوئی خبر نہ آئی۔ ہم شہر کے جن علاقوں میں، جن مقامات پر ساتھ ساتھ گئے تھے، میں سب میں یوں ہی پھرتا رہا؛ شاید یہ سوچ کر کہ وہ مجھے نظر آ جائے گی یا پھر شاید یہ سوچ کر کہ مجھے ہمارے تعلق سے وابستہ کوئی شے نظر آ جائے گی، اب مجھے ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔ کچھ جگہیں مجھے دوبارہ بہت تلاش کے بعد بھی نہیں مل سکیں، جیسے چیلسی کی وہ گیلری جہاں ہم اپنی اولین ڈیٹ کی رات گئے تھے؛ وہ یوں غائب ہو گئی تھیں جیسے کبھی تھیں ہی نہیں۔ جبکہ کچھ دوسری جگہیں، جیسے سینٹرل پارک میں وہ مقام جہاں ہم نے پکنک منائی تھی، تلاش کرنے میں آسان تھیں لیکن بدلی بدلی سی لگتی تھیں۔ شاید اس میں موسم کی تبدیلی کا ہاتھ تھا؛ شاید اس میں شہر کی غیر مستقل مزاجی کا بھی عمل دخل تھا۔

میں نے ستمبر کے اواخر کی ایریکا کو یاد کیا، جب ہمارے تعلق کا بھی آغاز تھا، وہ وقت جب ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ ہوئے چند ہی روز گزرے تھے۔ اگرچہ کہ عموماً اسے موسمِ گرما کے اختتام اور خزاں کی آمد سے جوڑا جاتا ہے، پر میرے لیے ستمبر ہمیشہ سے نئی چیزوں کی ابتدا کا مہینہ رہا ہے، ایک طرح کی "بہار"۔۔۔ شاید اس لیے کہ تعلیمی سال کی ابتدا بھی اسی مہینے سے ہوتی ہے۔ میں ستمبر میں نیویارک میں ایک نئی زندگی شروع کرنے چلا تھا اور جو ہونے والا تھا اس کا تصور کر کے بہت پر جوش اور مطمئن تھا۔ ایک شام میں ایریکا کے ساتھ یونین اسکوائر پر ٹہل رہا تھا کہ ہماری نظر ایک جگنو پر پڑی۔ "وہ دیکھو!" اس نے متحیر لہجے میں کہا تھا۔ "یہ بلڈنگز کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔" شاید ایسا ہی تھا: ایک بہت مختصر سبزی مائل چمک تھی جو قریب سے دیکھنے پر نظر تو آتی تھی مگر شہر کی چکاچوند کے سامنے بالکل ماند پڑی ہوئی تھی۔ ہم اسے فورٹینتھ اسٹریٹ پار کر کے جنوب کی طرف بڑھتے دیکھتے رہے۔ ایریکا میرے آگے کھڑی تھی۔ اس کی پشت میرے سینے کو چھو رہی تھی اور میں نے اپنے بازو اُس کے گرد حمائل کر دیئے تھے۔ یہ انتہائی قریبی تعلق کی نشاندہی کرتا ہوا

انداز تھا۔ میں اس کی سانسوں کے زیر و بم کے ساتھ عضلات کی حرکت کو واضح محسوس کر سکتا تھا۔ ایک ٹیکسی تیزی سے گزری اور جگنو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ "کیا تمہیں لگتا ہے کہ وہ اپنی منزل تک پہنچ گیا ہو گا؟" اُس نے مجھ سے پوچھا۔ "مجھے بالکل نہیں معلوم۔" میں نے کہا، "لیکن مجھے امید ہے کہ وہ پہنچ گیا ہو گا۔"

اس کے غائب ہو جانے کے بعد ایسی ہی یادوں نے نا صرف جاگتے میں مجھے گھیر رکھا تھا بلکہ میرے خوابوں پر بھی اُن کا قبضہ ہو گیا کہ اب ایریکا سے رابطے کا واحد ذریعہ یہ یادیں ہی تھیں۔ لیکن آخر کار میں نے اُس کی والدہ کا دیا ہوا مسودہ اٹھا ہی لیا۔ مجھے اعتراف ہے ایسا کرتے ہوئے میں خوفزدہ تھا۔۔۔ یوں جیسے میں ایریکا کی آواز آخری بار سننے والا ہوں۔۔۔ مجھے ڈر تھا کہ جانے وہ آواز کیا کہے۔ پر اُس کا ناول کوئی تکلیف دہ، خود نوشت سوانح حیات قسم کی شے نہیں تھا۔ یہ ایک لڑکی کی مہم جوئی کا قصہ تھا جو ایک جزیرے پر رہنا سیکھتی ہے۔ کہانی جابجا امید بڑھاتی ہوئی تھی، اور اگرچہ کہ زیادہ تر مقامات پر اختصار سے کام لیا گیا تھا لیکن کہیں کہیں ٹھہر کر چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بھی بہت مسحور کن انداز میں واضح کیا گیا تھا: کہیں کسی گرے ہوئے پھل کی سطح پر دکھائی دینے والے تار و پود کا ذکر کر کے تو کہیں کسی ندی میں موجود کرے فش کے جھومتے، لہراتے اینٹینا کی تفصیلات بیان کر کے۔

میں ایریکا کی تحریر کے صوت و بحر میں خود ایریکا کو تلاش نہیں کر پایا: مجھے یوں لگا کہ جیسے کوئی بہت بری بات ہوئی ہو، آخر مجھے کوئی اشارہ کیوں نہیں ملا۔ وہ ایک بہت بامقصد تحریر تھی اور اپنے آپ میں اس قدر مستحکم تھی کہ میں جھنجلا اٹھا تھا۔ ساتھ ساتھ میں بے انتہا متاثر بھی ہوا تھا۔ جب میں نے مسودہ واپس رکھا تو ایریکا کے زندہ ہونے یا نا ہونے کے متعلق میری بے یقینی برقرار تھی لیکن یہ بات مجھے سمجھ آنے لگی تھی کہ اُس نے میری کہانی میں مزید حصے دار نا بننے کی راہ چُن لی تھی؛ خود اپنی کہانی اُس کے لیے اتنی دلچسپ تھی کہ وہ اسے اپنے انداز میں سمجھنا اور انجام تک پہنچانا چاہتی تھی اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ جن رستوں سے گزر رہی تھی وہاں تک میری رسائی نہیں تھی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب میرے پاس بھی یہ جگہ چھوڑ جانے کی تیاریوں کے سوا کوئی آپشن نہیں بچا ہے۔

میں دعویٰ کرنا چاہتا ہوں کہ نیویارک میں میرے آخری ایام حق شناسی سے معمور، سکون کے ساتھ گزرے؛ لیکن اس دعوے کا سچائی سے دور دور کا تعلق نہیں ہو گا۔ درحقیقت میری حالت ایک بے ترتیب اور پاگل پن کی حد تک جذباتی فرد کی سی تھی جو مزید تباہ حالی اور ڈیپریشن کا شکار ہونے جا رہا تھا۔ کبھی کبھی میں بستر میں پڑا دائروں کی صورت سوچتا رہتا، خود سے ایک ہی سوال بار بار کرتا کہ ایریکا کیوں اور کہاں چلی گئی؛ کبھی میں خود کو سڑکوں پر طیش کے عالم میں اپنی داڑھی میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹہلتا ملتا، یوں جیسے کسی سے بھی لڑنے جھگڑنے کا موقع تلاش کر رہا ہوں۔ ہتک کرنے والے ہر طرف تھے، تاریخ کے اس موڑ پر صرف حکومتی عہدیدار ہی نہیں بلکہ میڈیا سے وابستہ بے شمار لوگ بھی لن ترانیوں کے سیلاب میں اپنا حصہ ڈال کر میرے غصے کے لیے مستقل ایندھن فراہم کر رہے تھے۔

تب مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا۔۔۔ ایمانداری کی بات ہے کہ مجھے اب بھی ایسا ہی لگتا ہے۔۔۔ کہ امریکا صرف دکھاوے میں مصروف تھا۔ بحیثیت ایک معاشرے کے تم وہ اجتماعی غم ٹھیک سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے جس نے تمہیں خود پر حملہ کرنے والوں کے خلاف متحد کر دیا تھا۔ اس کی بجائے تم نے اپنے خبط عظمت کو زیادہ سے زیادہ سامنے لانے کی مہم شروع کر دی تھی اور اس میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ سارا عالم تمہاری بڑھکوں کی گونج سے تھرا اٹھا تھا۔ اس میں میرا خاندان بھی شامل تھا جسے ہزاروں میل دور جنگ کا سامنا تھا۔ ایسے امریکا کو روکا جانا باقی انسانیت کے ہی نہیں، خود تمہارے اپنے مفاد میں بھی تھا۔

اور میں نے اپنی بساط کے مطابق ایسا کرنے کا بھرپور ارادہ کیا۔ لیکن پہلے مجھے وہاں سے نکلنا تھا۔ میں ایک شفاف اور چمکدار دوپہر جے ایف کے کے لیے روانہ ہوا، ایسی دوپہر جس نے مجھے اپنے دماغی امراض کے ادارے کے وزٹ اور پھر ہڈسن کے قریب پتھریلے مقام کا منظر یاد دلا دیا۔ میں نے چشمِ تصور سے ایریکا کو لباس۔۔۔ اور اس کے ساتھ اپنے ماضی کو۔۔۔ خود سے جدا کرتے اور پھر جنگل میں چلتے دیکھا۔ پھر وہاں اسے ایک مہربان عورت مل گئی جو اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی اور کھانا کھلایا۔ میں نے سوچا کہ اس عالم میں جنگل میں پھرنے سے اسے کتنی زیادہ ٹھنڈ لگ رہی ہو گی اور اس خیال کے تحت میں نے اپنی جیکٹ اتار کر ایک طرف رکھ دی، یوں جیسے اسے ٹھنڈ سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پاکستان واپسی سے قبل یہ ایریکا کی خاطر کیا ہوا میرا آخری عمل تھا۔ میرے انداز میں گزر جانے والوں کے لیے پھول رکھنے والا تاثر نہیں تھا بلکہ وہ کیفیت تھی جیسے زندہ لوگوں کے سر پر سے کرنسی نوٹ گھما کر صدقہ کر دیئے جاتے ہیں۔

تم پوچھتے ہو کہ پھر میں نے امریکا کو روکنے کے لیے کیا کیا؟ کیا تمہیں واقعی کوئی اندازہ نہیں ہے؟ تم ہچکچا رہے ہو۔۔۔ گھبراؤ مت، میں اتنا بدلحاظ نہیں ہوں کہ زبردستی جواب مانگنے لگوں۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے کیا کیا، اگرچہ کہ وہ کچھ خاص نہیں ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ تمہاری توقعات پر بھی پورا نہیں اتر سکے گا۔ لیکن پہلے ہم اس بازار سے نکلتے ہیں؛ شٹر گرائے جانے لگے ہیں اور کچھ ناپسندیدہ قسم کے لوگ نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو؟ اچھا، پرل کانٹی نینٹل میں۔ میں تمہارے ساتھ وہاں تک چلتا ہوں۔ نہیں زیادہ دور نہیں ہے، اور ہمارے راستے کے بیچ کچھ ویران علاقے پڑنے کے باوجود مجھے یقین ہے کہ ہمیں کچھ نہیں ہو گا۔ جیسے میں نے پہلے بتایا کہ لاہور چھوٹے موٹے جرائم اور وارداتوں کے معاملے میں خاصا بہتر شہر ہے۔۔۔ اور ساتھ ساتھ ہم دونوں کی ہی جسامت اور شخصیت ایسی ہیں کہ غنڈے بدمعاش ہم سے دور رہنے میں ہی عافیت جانیں گے۔

نوٹ: اس سنسنی خیز ناول کی آخری قسط اگلے شمارے میں ملاحظہ کیجئے۔

ترک وفا اتنا آسان نہیں

تحریر: رافعہ خان

پرانے فیشن کی تیز گھنٹی نے مجھے جگا دیا۔ گھنٹی شائد بہت دیر سے بج رہی تھی لیکن میں رات کے نہ جانے کس پہر سویا تھا کہ شور بھی نیند سے مل کر ایک ملفوف سا خواب بن گیا تھا۔ اور میرا دماغ لاشعور کی مدد سے اسے دیکھتا رہنا چاہتا تھا، جسم ابھی جاگ اٹھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ان دماغی چالاکیوں سے نمٹنے کے لیے میں ہمیشہ گھنٹی کو ہائی پر رکھتا ہوں۔ جھومتے سر کو ایک مقام پر ٹھہرا کر میں نے پاس پڑے رومال سے منہ پونچھا۔ اور فون اٹھا لیا۔ لیکن کوشش کے باوجود میرے منہ سے آواز نہیں نکلی۔ ساتھ ہی گلے میں مانوس سی بندش نے مجھے پوری آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

"نہیں نہیں، آج نہیں۔ مجھے بہت سی اہم کالیں کرنی تھیں۔ کل تانو کی سالگرہ ہے۔ اور۔۔"

"ہیلو پاپا۔۔۔ سن رہے ہیں۔۔"

دوسری جانب سے صائمی کی جلد باز سی آواز نے دوبارہ دہرایا۔۔ صبح صبح وہ ہمیشہ ایسی ہی تیزی میں ہوتی ہے۔

میں نے پاؤنڈ کو چار بار وقفے وقفے سے دبایا۔ یہ ہمارا مخصوص کوڈ ہے کہ جب میں مشکل میں ہوں اور بول نہ پاؤں تو بیپ دبا کر صائمی کو سگنل دے دوں۔

"اوہ پاپا۔۔۔ ناٹ ٹوڈے۔۔۔ میں بس آ رہی ہوں دس منٹ میں۔ آپ تیار رہنا۔ بائی"

اس نے ہمیشہ کی طرح اضافی لفظ ضائع کیے بغیر فون بند کر دیا۔

اس کے دس منٹ آدھ گھنٹے سے کم نہیں ہوتے لیکن مجھے پھر بھی جلدی کرنا ہے۔ تیار ہو کر کچھ نہ کچھ کھانا بھی ہے کہ ابھی جانے کتنی دیر باہر لگے۔ ڈاکٹر کے پاس نہ جانے کے لیے کافی ضد کرنی پڑتی اور آواز کے بغیر جرح کا کچھ خاص مزہ نہیں۔

***

صائمی نے حسب عادت گاڑی سے اترتے اترتے ہلکا سا ہارن مارا۔ میں چائے کا کپ پکڑے پکڑے لاک کھول کر باہر آ گیا۔

"سلام پاپا۔ کیا ہو گیا۔ کل تو سب صحیح تھا۔"

وہ میرے گلے لگ کر سیدھی ہو کر بولی۔ "پتہ نہیں"۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے ٹالتے ہوئے کپ گیراج کی سائیڈ پر ٹکایا۔ میرا گلے پر کسی قسم کا زور ڈالنے کا ارادہ نہیں ہے۔

"چلیں پھر جلدی۔ میں نے ڈاکٹر سے وقت لے لیا ہے۔ مجھے اصل میں تھوڑی دیر میں میٹنگ کے لیے نکلنا تھا۔ اور آج ایک لنچ بھی تھا۔ لیکن خیر وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن کل تانیہ کی برتھ ڈے ہے۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔ اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پاپا۔۔"

صائمی کو احساس تھا کہ میں ابھی بول نہیں پا رہا۔ گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے بھی وہ تیز تیز بولنے کے پورے موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہے۔

میں نے بوریت سے اپنی اس میڈم نما بیٹی کو دیکھا۔ وہ ایک چھوٹے سے این جی او کے ساتھ وابستہ ہے جو لوگوں کو روزگار یا چھوٹے کاروبار سے وابستہ کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ چھوٹے پیمانے پر یہ کام کرنے کے باوجود اس کے دن عموماً بہت مصروف اور آرگنائزر بھرے ہوتے ہیں۔ روٹین سے ہٹ کر ایک چھوٹا سا ڈاکٹر کا وزٹ بھی ایک بڑا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ صائمی کی چتون ابھری دو باریک لکیروں میں بار بار چمک رہا ہے۔

"کیسی میٹنگ؟" میں نے نوٹ پیڈ پر لکھ کر مروتاً پوچھا۔

اس کو بولنے کا موضوع دینا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ وہ باتوں ہی باتوں میں میرے گلے کی سرجری شروع کر دے گی۔ پھر دس منٹ تک وہ روزگار کی اہمیت، لوگوں کی تکلیفوں اور مستقبل کے منصوبوں پر وقفے وقفے سے بولتی رہی۔ میں فوکس کرنے کی کوشش کے باوجود نہ سمجھ پایا کہ وہ کیا کر رہی ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ لوگوں کی حالت سدھرنے کا کوئی امکان نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔ امن و امان کے حالات ہمیشہ کی طرح دگرگوں ہیں۔ لوگ بھوکے ہیں، دکھی ہیں اور مر رہے ہیں۔ ایسے میں امید، یقین اور کوشش جیسے الفاظ کتنے جھوٹے لگتے ہیں۔ صائمی اب بھی ہمیشہ کی طرح احمقوں کی جنت میں رہتی ہے۔ عامر جیسا حقیقت پسند کاروباری بھی اس کی کوئی اصلاح نہیں کر سکا۔ اور تیز گفتار میڈم کے سامنے اس کے سیدھے، کم گو اور اپنے کام میں مگن شوہر کی چلتی بھی کیا ہو گی۔ گو وہ اکثر کہتی تھی عامر اس کے کام کو بہت سراہتا ہے۔ "ہک ہا۔" میں نے خاموشی سے ایک آہ اپنے اندر گھوٹی۔ مجھے اچانک یاد آ گیا تھا میں کاؤچ پر کیوں بیدار ہوا تھا۔ اور میرے گلے میں گھٹن کیوں جمی تھی۔

***

" اب وہاں کوئی فیوچر ہی نہیں پاپا۔ ایک جھوٹی امید۔۔"

میں عارف پر زور دے رہا تھا کہ وہ واپس آ جائے لیکن اس کو اب ایک نئے ملک کی نیشنیلیٹی لینے کی لگن دوڑا رہی تھی۔ اس کے پاس حالات کا، ڈرون حملوں کا، کمزور انفراسٹرکچر کا بہت مضبوط بہانہ تھا۔

"تم چکر تو لگاؤ۔ پھر بات کرتے ہیں۔" بظاہر میں نے بات ٹال دی لیکن میں جانتا تھا میں اس سے نہیں جیت سکوں گا۔

"میں ضرور چکر لگاؤں گا جلد ہی۔ لیکن بچوں کو نہیں لا پاؤں گا۔ اتنے خطرات میں۔"

"کیسے خطرات۔ نیویارک کے روڈ ایکسیڈنٹس میں اس سے زیادہ لوگ مر جاتے ہیں جتنے پاکستان میں مر رہے ہیں۔ ایسے ہی نا کردہ گناہوں۔۔" میں نے کہیں پڑھی بات اپنے دفاع میں استعمال کرنی چاہی۔

"بات موت کی نہیں ہے پاپا، موت تو بستر پر بھی آجاتی ہے۔ موت برحق ہے۔ لیکن اگر انہیں کچھ ہوا تو مجھے لگے گا میں نے جان بوجھ کر۔۔" وہ خاموش ہوگیا۔۔

"یہ بڑا گلٹ ہوگا پاپا۔۔ مجھ سے سہارا نہیں جائے گا۔۔"

مجھے لگا تھا میرا گلا بھرا رہا تھا۔

"پھر بات کرتے ہیں بیٹا۔ تم کام کرو"۔ میں آہستگی سے بولا تھا۔

رات فون رکھنے کے بعد میں بہت دیر تک سب سوچتا رہا تھا۔ کھلی بند آنکھوں سے بہت دیر تک میں نے سود وزیاں کا حساب کیا تھا اور مجھے لگا تھا کچھ غلط ہورہا تھا۔ کچھ غلط ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے جسم کے دو ٹکڑے کیے تھے اور ایک پردیس میں بو دیا تھا۔ پھل آیا تھا۔ مگر وہ ملکِ غیر تھا۔

***

"نہیں آپ چیک کرلیں۔ مجھے لگتا ہے لیرنجائیٹس ہی ہے۔ پاپا کو ہو جاتا ہے کبھی کبھی سٹریس سے۔" مجھے غیر حاضر سا دیکھ کر صائمی ڈاکٹر سے خود ہی بات چیت میں مصروف ہوگئی۔ ڈاکٹر بھی شاید کوئی نیا ہے اس نے کسوٹی کھیلنے کا ارادہ منسوخ کرکے میرے گلے میں جھانکنا شروع کردیا۔ اور ایک دو جگہ سے دبا کر صائمی کی تشخیص سے اتفاق کیا۔

"یہ مائلڈ سی میڈیسن تو ہے لیکن میں انکو ریفر کردیتا ہوں ہمارا نفسیاتی ڈیپارٹمنٹ اپڈیٹ ہوا ہے وہاں سٹریس کے مسئلوں کو بہت اچھے طریقے سے ہینڈل کررہے ہیں"۔ ڈاکٹر نے شائد ہسپتال کی پروموشن اور ریفرینس کمیشن کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ابھی دیکھ سکتے ہیں۔" مجھے لگتا ہے صائمی کے ذہن پر تانیہ کی برتھ ڈے کا کافی بوجھ ہے ورنہ 'ابھی' کی مصروفیت کی تفصیل تو کافی لمبی تھی۔

***

شعبہ نفسیاتی امراض کشادہ اور خوبصورت ہے۔ اور میں پہلے یہاں آچکا ہوں۔ اسی سٹریس کے سلسلہ میں۔ کسی اور ڈاکٹر کے پاس۔ اس دفعہ کا ڈاکٹر مجھے اچھا لگا۔ ہمیں دیکھ کر وہ احتراماً کھڑا ہوگیا۔ ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے نامعلوم انداز میں اپنے ڈیسک کو ہلکا سا منظم کیا۔ ہلکے ہاتھ سے ڈگریوں والا ٹیگ بھی ہماری سمت سیدھا کردیا۔ روشن آنکھوں والا وہ مطمئن سا لڑکا عارف سے زیادہ بڑا نہیں لگتا۔ لیکن اس کے لہجے میں ایک ٹھہراؤ ہے جو اکثر استاد نما لوگوں کے لہجوں میں ہوتا ہے۔ صائمی مختصر الفاظ میں میری حالت بیان کرکے ڈاکٹر کے کہنے پر باہر چلی گئی۔

"دیکھیں سر۔۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں آپکی تکلیف کی نفسیاتی وجوہات ہیں۔۔ اور ہو سکتا ہیں ہوں۔ لیکن۔۔"۔ اس نے اپنے رٹے ہوئے انداز میں بولنا شروع کیا۔ اپنی وجوہات سے میں بخوبی واقف ہوں اور ان پر بات نہیں کرنا چاہتا لیکن میں ان میں سے کسی سے الجھنا بھی نہیں چاہتا۔ یہاں ایک سیشن کا دورانیہ عموما آدھ گھنٹہ ہوتا ہے۔ پانچ منٹ اس کو سنتے رہنے کے بعد میں نے اپنا نوٹ پیڈ نکال کر اس پر الفاظ گھسیٹے

"آپ نے یہ فارن ڈگریاں کہاں سے لیں ہیں۔۔"

وہ مسکرایا۔ "یو ایس سے"۔

"پھر واپس کیونکر آئے؟ وہاں نوکری کیوں نہیں کی؟"

وہ چند لمحے رکا۔ جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔" میں یہ نہیں کہوں کا وطن کی محبت میں۔۔ کیونکہ تب میں اتنا سوچتا ہی نہیں تھا۔ میں سکالرشپ پر اپنے کالج کی طرف سے گیا تھا۔ جس کی شرط واپسی پر انکے ساتھ کام کرنا تھا۔ تو میں نے سوچا میں نے عہد باندھا ہے۔ پورا کردیتا ہوں۔ اور باہر نوکری تو کبھی بھی مل سکتی ہے اب نہ سہی چار سال بعد سہی۔ بس ایسے واپس آگیا۔۔ پھر یہاں شادی ہوگئی۔ بچے ہیں۔ اب نہیں لگتا۔۔۔ باہر نوکری کرنے کی خواہش نہیں رہی۔" اس کے لہجے میں سے آہستہ آہستہ رٹے فقروں کی بے رنگی ختم ہوگئی۔ جذبہ کی سرخی چھاگئی۔

" کیوں؟؟ بچوں کی خاطر۔۔ ان کے مستقبل کی خاطر۔۔"

میرے لفظوں میں شاید عارف کی زبان بول رہی ہے

"ہاں بچوں ہی کی خاطر۔۔ ان کے پاس رشتے ہیں۔۔ اپنا پن ہے۔ اپنا ملک ہے۔ جب میرے ماں باپ ان کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کی چھوٹی چھوٹی باتیں بار بار بتاتے ہیں۔۔ رونق کی بات کرتے ہیں۔۔ تو مجھے ایک خوشی سی ملتی ہے۔ مجھے لگتا ہے اپنا عہد پورا کرکے میں نے اچھا کیا۔۔" وہ کسی اور زبان میں بات کرنے لگا اور مجھے لگا میرے چشمے میں اس کا چہرہ دھندلا ہوتا جارہا ہے۔ سامنے سے ٹیشو اٹھا کر میں نے چشمہ صاف کیا۔ لیکن دھند ختم نہیں ہوئی۔ میں نے انگلی کی پور خاموشی سے آنکھ کے کنارے پر پھیری۔

بات صاف ہے۔ غلطی عارف کی نہیں میری ہے۔ میں نے ہمیشہ ہی دہشتگردی کی وارداتوں، ٹوٹی سڑکوں، بڑھتی لوڈشیڈنگ، برے سکولوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ میں نے کبھی اس سے واپسی کا کوئی عہد نہیں لیا۔ جس سکالرشپ پر میں نے اسے پڑھنے بھیجا اس کی شرط صرف آگے دیکھنا تھی۔ پیچھے دیکھنے کی کوئی شق میں نے اس میں شامل نہیں کی تھی۔ اور "صائمی کا میکہ قائم رکھنا ہے" جیسا بے معنی سا وعدہ میرے سامنے نہ ہوتا تو میں بھی کہیں نیویارک کی سڑکوں پر ہاتھ میں چھڑی تھامے "ایوننگ واک" کررہا ہوتا۔ حلانکہ مجھے بہت پہلے علم ہوگیا تھا کہ جس روشن مستقبل کی تلاش میں میں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو لگایا تھا وہ نیویارک میں نہیں تھا اور اسکے نامطمئن چہرے نے اس کی تصدیق کی تھی۔ اب تک وہاں اسکا اپنا کچھ بھی نہیں۔ لیکن وہ دو کشتیوں کا مسافر ہے۔ سفر جاری رکھنے کو ایک کشتی سے اسے پیر اٹھانا ہی ہے۔ اور کونسی کشتی۔۔؟؟ یہ فیصلہ آج کا نہیں۔۔ یہ فیصلہ بہت پہلے میں لاشعوری طور پر اس کے شعور میں انمٹ تحریر کرچکا ہوں۔

اور مجھے لگا میں وہ تحریریں مسلسل لکھ رہا ہوں۔ ہر ایک کے ذہن پر۔ گوالے کے کمسن لڑکے سے مہنگائی پر بات کرتے۔ ہاکر سے اخبار لے کر مایوسی سے سر ہلاتے۔ دوستوں کے گھروں میں انکے بچوں سے آئیندہ کے پلان پوچھتے اور باہر اپلائی کرنے کے مشورے دیتے۔ تانو کو عارف ماموں کے نیویارک کے متاثر کن قصے سناتے میں مسلسل "برا، مایوس کن، ناقابل اصلاح" اگل رہا ہوں۔ میں مسلسل "محبت، محنت اور امید" کی نفی میں لگا ہوا ہوں۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی وہ تصویر پینٹ کررہا ہوں جس کو

دیکھ کر میرا بیٹا اپنے گھر لوٹنے سے ڈرنے لگا ہے۔۔۔ مجھے کچھ اور ٹشو پیپرز کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر مسلسل "مثبت سوچیں، مثبت محسوس کریں۔ لوگوں کو دیں، اپنی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ ہمت نہ ہاریں۔۔" والی تقریر ہولے ہولے میرے کانوں میں پھونکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن میں اس کو سن نہیں پا رہا۔۔ میرے اندر بہت شور ہے۔ میرے گلے پر میری اپنی ہی انگلیوں کا دباو بڑھتا جا رہا ہے۔ وقت کے اختتام پر میں اس سے ہاتھ ملا کر باہر آ گیا۔ سامنے ہی میری صائمی کھڑی ہے۔ بہت روز کے بعد اپنے میڈم کے چولے کے پیچھے کھڑی مجھے وہ چھوٹی سی لڑکی نظر آئی جو چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں پانی بھر بھر کر گھر کو لگی آگ بجھانے میں لگی ہو۔ جانتی ہو کچھ کر نہیں پائے گی مگر پیچھے نہ رہنا چاہتی ہو۔

"بیٹا تمہارے ادارے میں میرے لیے کوئی کام ہے۔"۔ میں نے گاڑی میں بیٹھ کر نوٹ پیڈ پر کانپتے ہاتھوں سے لکھا۔

۔۔۔اختتام۔۔۔

انسان کی خواہشات سے اللہ کی دلچسپی نہیں ہے، وہ اس کی تقدیر اپنی مرضی سے بناتا ہے۔ اسے کیا ملنا ہے اور کیا نہیں ملنا اس کا فیصلہ وہ خود کرتا ہے۔ جو چیز آپ کو ملنا ہے آپ اس کی خواہش کریں یا نہ کریں وہ آپ ہی کی ہے وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں جائے گی مگر جو چیز آپ کو نہیں ملنا ہے وہ کسی کے پاس بھی چلی جائے گی مگر آپ کے پاس نہیں آئے گی، انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جانے والی چیز کے ملال میں مبتلا رہتا ہے آنے والی چیز کی خوشی اسے مسرور نہیں کرتی۔

(ایمان، امید اور محبت۔۔۔۔ عمیرہ احمد)

محبت تاریک جنگل کی طرح ہوتی ہے، ایک بار اس کے اندر چلے جاؤ پھر یہ باہر آنے نہیں دیتی۔ باہر آ بھی جاؤ تو آنکھیں جنگل کی تاریکی کی اتنی عادی ہو جاتی ہیں کہ روشنی میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتیں۔۔۔ وہ بھی نہیں جو بالکل صاف، واضح اور روشن ہوتا ہے۔

(ایمان، امید اور محبت از عمیرہ احمد)

مرسلہ: نازیہ

کہا بھی تھا!!!

تحریر: موناسید

تمہیں میں نے کہا بھی تھا
کہ اتنی دور مت جاؤ
جہاں جاتے ابابیلوں کے پر جھڑنے لگیں
خوشبو اڑے تو رستوں کی دھول ہو جائے
کبوتر، وصل کا پیغام دینے کو اڑیں
اور دور جاتی کشتیوں کے بادباں
ان کے پروں کو نوچ لیں!
میں نے کہا بھی تھا۔۔۔!!!

" محبت کیسی ہوتی ہے؟ تم کو پتا ہے گڑیا؟"

گڑیا ابھی گڑیوں سے کھیلنے کی عمر سے باہر نکلی تھی، لفظ محبت اس کے فہم سے کہیں پرے تھا۔

" کیا کہہ رہے ہیں میرو بھائی؟"

" محبت چائے کے پہلے کپ جیسی ہوتی ہے۔۔"

" کپ جیسی۔۔۔۔۔" گڑیا کے ہونٹ بے آواز ہلے۔ وہ بے حد حیران ہوئی۔۔۔ اس کو علم نہیں تھا وہ حیران ہوتی کتنی خوبصورت لگتی ہے۔

" ہاں ہاں! چائے کے پہلے کپ جیسی۔۔۔ گرم کیتلی کا ڈھکن ہٹاؤ تو ایک مہک سی پھیل جاتی ہے، دودھ ملاؤ تو رنگ تبدیل کر لیتی ہے، ذائقہ بڑھانے کے لیے شکر کا استعمال کیا جاتا ہے، ساتھ ہی ایک تلخی ہوتی ہے۔ اور یہ جو چائے کا پہلا کپ ہوتا ہے نا یہ اوروں سے زیادہ ذائقہ دار ہوتا ہے۔" وہ اپنی دھن میں بولے گیا۔

" تم نے کبھی محسوس کیا ہے چائے کا پہلا کپ؟" ۔

گڑیا کے لیے اس کی باتیں انوکھی تھیں۔

وہ کروٹ لیتا اس کے قریب ہوا۔ وہ ابھی اس عمر میں نہیں تھی، قرب محسوس کرتی۔۔۔

" کیا تم چکھنا بھی نہیں چاہتیں۔" وہ جیسے اس کی الجھن سمجھ رہا تھا۔۔

" مگر کیتلی تو ایک ہی ہوتی نا تو چائے کا پہلا کپ۔" گڑیا کے دھیان کے ڈورے کپ میں اٹک کر رہ گئے۔ وہ بحث پہ آمادہ ہوئی

" ہاں، پہلی محبت اور کیتلی سے نکلا چائے کا پہلا کپ دونوں کا ذائقہ ایک جیسا ہوتا ہے۔۔ تم نے بتایا نہیں تم کہ چکھنا چاہو گی چائے کا پہلا کپ۔؟"

اس کے لیے ابھی تک محبت کی تعریف اس کے والدین تھے۔

" سی۔۔۔ اور چائے ایک بار پھر ابل گئی تھی، سارا برنر پھر سے گندا ہو گیا تھا۔ اس نے جھنجلاتے ہوئے کیتلی اٹھا کر ایک طرف پٹخی۔

" کیا کر رہی ہو ایمی! چائے کپ تک بن جائے گی۔۔" اس کی ساس نے آ کر اس سے پوچھا۔ اس کی ساس اس کی مامی بھی ہوتی تھیں۔" پھر ابل گئی۔۔ دھیان کدھر ہے گڑیا۔۔"

" گڑیا۔۔۔؟ یہ کہنے کا حق تو صرف اس کو ہے۔۔" سوچ کے پنچھی نے اڑان بھری۔

" لا رہی ہوں مامی بس ہو گئی۔ اس نے برنر آف کیا۔

***

" کیوں کرتی ہو ایسا؟" اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور قریب لا کر سرخ انگلی دیکھنے لگا۔

" کک۔۔۔۔۔۔کیا؟"

" یہی برنر پہ پلیٹ رکھ کر کھانے کی کیا تک ہے۔" اس کو آبلہ اپنے دل پہ پڑتا محسوس ہوا۔

" سس۔۔۔سالن۔۔۔"

" کوئی بات بھی رکے بغیر کر لیا کرو۔۔" اس کا ہاتھ وہ بدستور تھامے ہوا تھا۔

" کیا بہت جلن ہے؟" اس نے ہاتھ پر پھونک مارتے ہوئے کہا۔

وہ نہ جانے کیوں کپکپانے لگی۔ اس کا دل اس کے ہاتھ میں دھڑکنے لگا۔

" جلن۔۔۔؟" اس نے غور سے اپنی انگلی کی طرف دیکھا جو مزید سرخ ہو گئی تھی۔ " یہ ہاتھ تو نہیں میرا دل دھڑک رہا ہے۔۔ایسا کیوں ہو رہا ہے اس نے اپنی آنکھیں میچیں۔

" چلو دوا لگا دوں۔۔۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے کچن سے باہر جانے لگا۔اس نے اچانک اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔۔

" مم۔۔۔میں۔۔کرلوں گی۔۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔

" واقعی۔۔۔؟ مگر یہ تو بتاتی جاؤ کہ سالن کی پلیٹ برنر پہ کیوں رکھی تھی اور وہ بھی اتنی گرم۔۔"

" وو۔وہ سالن ٹھنڈا ہو جاتا ہے نا۔۔" اس وقت اپنی کیفیت پہ قابو پانا اس کو بے حد مشکل لگ رہا تھا۔۔

اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔۔اور کوئی مرد ہنستے ہوئے اتنا دلکش لگ سکتا ہے،اس کے گمان تک میں یہ بات نہیں تھی۔اس کی زندگی تو ابھی تک اس کے بابا کے گرد ہی گھوم رہی تھی۔وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

" کیا ہوا اب کدھر گم ہو گئی ہو۔اور یہ بات بات پہ تم فریز کیوں ہونے لگی ہو آج کل۔۔" وہ اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ وہ سٹپٹا کر ایک دم پیچھے ہو گئی۔

" میکڈونلڈز چلیں؟" اس نے جان بوجھ کر میکڈونلڈز کا نام لیا۔

" اونہوں میکڈونلڈز نہیں۔۔" اس نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھائی۔ " کے ایف سی یا پھر بوٹ بیسن۔" وہ ناک ایک خاص ادا سے چڑھاتی تھی اور بہت منفرد لگتی تھی اس کو ابھی تک یہ بھی علم نہیں تھا۔اتنی منفرد کہ کوئی اپنا دل ہار جائے۔ میرو نے ایک گہری سانس لی۔

***

میں نے کہا بھی تھا۔۔۔!

کہ اتنی دور مت جاؤ

اگر جانا ضروری ہے

تو موسم کو ذرا کروٹ بدلنے دو

ابھی تو سردیوں کی آتشیں رت ہے

کہ جب دن مختصر، راتیں بہت لمبی، سحر نامہرباں

شامیں بڑی بے کیف ہوتی ہیں

ہوا میں برف کے گالوں کی صورت تیری یادیں

دبے پاؤں دریچے کھول کر کمرے میں آتی ہیں

دہکتے کوئلوں پر کسمساتی راکھ سے سرگوشیاں کرتی ہیں

دیواروں پہ سائے

خواب ہوتے منظروں میں ڈھلنے لگتے ہیں

تو تنہائی بڑی تنہا سی لگتی ہے

محبت ہار ہوتی۔۔۔جیت ہوتی ہے۔۔۔۔یا ساتھ؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔۔اگر ساتھ محبت ہے تو دوری اس احساس کو کم کیوں نہیں کر دیتی۔۔۔اس پر محبت کا رنگ گہرا ہونے لگا۔۔۔ گر ہار ہے تو احساسِ زیاں کیوں نہیں گر جیت ہے تو خلا کیسا ہے جو دن بدن بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔اس کی آنکھیں نہ جانے کیوں گیلی ہوئیں۔

***

" بال کٹوا لو اپنے۔۔" اس نے کیچر کھول دیا۔ میرو چند دنوں کی چھٹیوں پہ آیا ہوا تھا۔اور یہ چند دن اس کے ساتھ جینا چاہتا تھا۔

" اففف کیا کر رہے ہیں۔" وہ جھنجھلائی۔ " مجھے اپنا اسائمنٹ پورا کرنے دیں۔"

" برگنڈی اور کوپر مکس کر کے ڈائی کروانا۔۔۔ تمہاری چو کو گرے آنکھوں کے ساتھ جائے گا۔۔۔اور ہاں اس بار ہیئر کٹ لیئرز میں کروا لینا۔" وہ اس کے بال اپنے ہاتھوں کی مدد سے سیٹ کر کے دیکھ رہا تھا۔

" بے شک یہ تم کو چھوئیں گے مگر اتنا تو میں برداشت کر ہی سکتا ہوں۔۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

اب وہ اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ اس کو محسوس کر سکے جب کہ وہ اس کے احساسات سے بے خبر اس کے بال سیٹ کر کے گال تھپتھپا کے جا چکا تھا۔

کون سا اسائمنٹ؟ کیسا اسائمنٹ؟ پہلی بار اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

گزرے دنوں میں اس کے بال بالکل ویسے ہو گئے جیسا میرو چاہتا تھا۔۔ مگر میرو نے ایک لفظ بھی نہیں کہا وہ اپنے کسی کام میں مصروف رہا اور ایک صبح وہ سو کر اٹھی تو وہ جا چکا تھا۔۔

" میں ہی پاگل ہوں۔۔مگر میں نے ایسا کیوں کیا؟ اور انہوں نے ایک نظر بھی نہیں ڈالی۔۔"آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنے گال کو چھونے لگا جہاں اس کے ہاتھ کی تمازت ابھی بھی موجود تھی۔اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں۔

اس کو خبر نہیں تھی اب ان آنکھوں نے ہمیشہ ایسا ہی گیلا رہنا ہے۔

***

" کیا کر رہی تھیں تم کچن میں۔۔"

" وہ۔۔امی۔۔" اس کی آواز رندھی۔

" ایک تو پھپھو بھی ناں۔۔۔۔ میں کرلوں گا ایسے بھی گزارا۔۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لاتا ہوا بولا۔۔۔اس نے اپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی مگر چھڑا نہیں پائی۔ گرفت بہت مضبوط تھی۔اور وہ ہمیشہ کی طرح نروس۔۔

" آئندہ نہیں دیکھوں تم کو کچن میں۔"

وہ چاہ کر بھی نہیں پوچھ پائی کہ اس کی کہی گئی بات کا مطلب کیا تھا۔

چند دنوں میں مطلب اس کے سامنے آ گیا۔۔جب ماما نے آکر اس کا رشتہ طلب کیا۔ماموں سے زیادہ اس کو مامی چاہتی تھیں، ان کی کوئی بیٹی جو نہیں تھی۔امی متردد ہوئیں۔عمر میں فرق زیادہ لگ رہا تھا۔۔ابو کو دیکھے بھالے لوگ مناسب لگ رہے تھے۔

"جو چاہت سے لے جائیں۔وہ قدر بھی کرتے ہیں؟" ابو نے امانت حقداروں کے حوالے کر دی۔

چاہت کیا ہوتی ہے؟ جو جتائی جائے؟ تم منفرد ہو یہ احساس دلایا جائے؟ جو تمہیں پسند ہو اپنایا جائے؟ یا تم کو ویسا کر لیا جائے جیسے چاہنے والی کی چاہت ہو۔۔ تو جو پہلو میں اٹھتا ہے وہ درد سا کیا ہے؟ اس نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔

اب ایسے اس کی اکثر راتیں کٹتیں تھیں۔۔یادوں کا ہجوم اس کو سونے نہیں دیتا۔۔

" کیا کروں میں؟" وہ یک دم اٹھ بیٹھی۔اس نے سر تھام لیا اپنا۔

***

" اٹھ جاؤ۔۔" وہ کمبل اٹھا کر پھینکتا ہوا بولا۔۔

" مجھے سونے دیں۔ویسے بھی ساری رات نیند نہیں آئی۔" اس کی آنکھوں کے گلابی ڈورے بتا رہے تھے کہ رات بے خواب گزری ہے۔

" کیوں۔۔؟" میرو نے پوچھا۔۔اس نے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں۔وہ اس کی مشکل سمجھ گیا دانستہ موضوع تبدیل کر دیا۔

" نہستی چھوڑو۔۔" اس کے نہستی کہنے پہ اس کو ہنسی آ گئی۔

اس کی انگریزی لب و لہجے والی اردو اکثر اس کو ہنسنے پہ مجبور کر دیا کرتی تھی، ابھی بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ جو شرم محسوس کر رہی تھی ایک دم نارمل ہو گئی۔

" اٹھو نا۔ چینج کرو۔۔اس سے پہلے مما! لال یا میرون رنگ لے آئیں منگنی کے جوڑے کا۔ ہمیں شاپنگ کرنا ہی ہو گی۔"

" مم۔ میں نہیں جا رہی۔۔ جو آپ کا دل چاہے لے آئیں۔۔"

اس نے بہانا تراشا۔

" گڑیا!" اس نے ٹھوڑی چھو کر اس کا سر اٹھایا۔

" چل رہی ہو یا اٹھا کر لے جاؤں۔" یہ سنتے ہی اس کی جھجک اڑنچھو ہو گئی اور وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا پتا یہ بھی کر ڈالے۔"

" وہ ویسا ہی تو تھا۔بس میرے احساسات تبدیل ہوئے ہیں۔"

شاپنگ کیسے کرنی ہے اور کہاں کرنی ہے وہ نہیں جانتی تھیں۔ یہ کام امی خود کرتی تھیں اور اب یہ ذمہ میرو نے اپنے سر لے لیا تھا۔

" نہیں۔ میں یہ ڈریس نہیں لے سکتی۔ امی جان سے مار دیں گی۔"

" کیوں؟ اس میں کیا خرابی ہے؟" انگوری رنگ کی فراک جس پہ نفیس سا سلور کام بنا ہوا تھا۔ پاجامہ بھی دھاری دار سلور ہی کلر میں تھا۔

" کیا رنگ اچھا نہیں لگا۔" اس نے ڈریس کو بغور دیکھا۔

" رنگ تو اچھا ہے مگر آستین۔؟ اور گلا بھی؟" اس سے زیادہ اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

اس نے تقریباً دو انچ کی آستین اور لو بیک گلے پہ غور کیا اور ہنس دیا۔

" کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ پھر دوپٹہ بھی آ جائے گا۔"

" میں عادی نہیں ہوں۔۔"

" میرے لیے بھی نہیں پہنو گی؟"

" پلیز ایک بار سوچ لیں۔آکورڈ لگے گا۔" وہ پریشانی سی ہوئی۔

" میں دیکھنا چاہتا ہوں، جب تم میرے لیے تیار ہوتی ہو تو کیسی لگتی ہو۔" اس نے سرگوشی کی۔ اور ایسے ہی مزید سرگوشیاں کرتا جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔اس کو اپنے ساتھ ایک ایک سیڑھی چڑھاتا اوپر لیتا چلا گیا۔

اس کو بہت بعد میں احساس ہونا تھا کہ وہ ایسے ہی اپنی مرضی کی سیڑھیاں اس کو چڑھا رہا تھا جس کو وہ محبت کے نام پہ چڑھے جا رہی تھی۔ شاید سب عورتوں کا یہی مسئلہ ہوتا ہے۔ جب ان کا پسندیدہ مرد ان کا ہاتھ تھامتا ہے تو ان کو اپنی آنکھوں سے دکھنا بند ہو جاتا ہے اور وہ اس کی مرضی کی سیڑھیاں چڑھتی چلی جاتی ہیں۔

***

" تم یونیورسٹی میں داخلہ کیوں نہیں لے لیتیں؟"

" مگر بیٹا! پھپھو بولیں۔" اب شادی ہو جاتی تو بہتر ہے۔"

" شادی تو میں اسی سے کروں گا۔ مگر میں چاہتا ہوں یہ اپنی زندگی جیے۔ پلیز پھپھو!"

ایمل پھپھو بھتیجے کے درمیاں بیٹھی بحث کا مظاہرہ دیکھ رہی تھی۔

" میں اور نفیسہ چاہتے ہیں۔اب شادی ہو جائے۔ ویسے بھی اس کا انٹر تو ہو ہی چکا ہے۔ اور تمہاری بھی جاب ماشاءاللہ سے اچھی لگ گئی ہے۔"

" آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ پھر بھی گڑیا جو چاہے گی ہو گا وہی۔" اس نے ایمل کی سمت دیکھا۔

وہ دل سے وہی چاہتی تھی جو امی چاہتی تھیں، مگر اس نے کہا وہی جو میرو کی چاہت تھی۔

بہت عرصہ قبل اس نے خود سے اپنے لیے کچھ بھی سوچنا چھوڑ دیا تھا، اب وہ وہی کہتی تھی جو میرو کہتا تھا، وہی سنتی تھی جو میرو سناتا تھا وہی دیکھتی تھی جو میرو دکھاتا تھا۔ اسی لیے اس کو امی کی خونخوار نظریں بھی نظر نہیں آئیں۔ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ میرو،

ایمل کے کہنے کی وجہ سے اس کو یونیورسٹی میں داخلہ دلوا رہا ہے۔

***

" تمہارے یونیورسٹی میں کتنے فرینڈز ہیں؟" اس بار وہ بہت جلدی آ گیا تھا۔" کوئی لڑکے وڑکے بھی ہیں۔"

" وو۔ وہ پروجیکٹ کے لیے گروپ بنوایا تھا ٹیچر نے۔۔ تو۔۔۔" اس نے اٹک کر اپنی بات مکمل کی۔

" تو یوں کہو نا۔ ہیں۔ اچھا تو ایسا کرو۔ ان سب کو انوائیٹ کر لو ڈنر کے لیے، چاہو تو اپنے فیوریٹ میکڈونلڈز میں۔" اس نے ایمل کو چڑایا۔

اس کے گروپ فیلوز کو علم ہوا کہ اس کا منگیتر آیا ہوا ہے انہوں نے خود ہی ایک دعوت کا اہتمام کر لیا۔

سمندر کنارے بنا پر سکون ماحول والا "دی ویلیج"۔ سب بہت ایکسائیٹڈ تھے۔ ایمل بہت خوبصورت تھی۔۔ تجسس معمول سے زیادہ تھا کہ ایمل کا "وہ" کیسا ہے؟

اب اس کا منگیتر۔۔۔ وہ نہایت عام سی شکل کا فرد تھا۔۔ اس کا قد ایمل کے برابر آتا تھا۔۔ اور اس کا ڈریسنگ سینس بھی نہایت عام سا تھا۔۔۔ ہاں وہ بات بہت خوبصورت لہجے میں کرتا تھا۔

ابتدائی شاک کے بعد وہ سب کو اچھا لگنے لگ گیا اور تھوڑی دیر گزارنے کے بعد بہت اچھا۔ سب کو اطمینان ہو گیا کہ بظاہر عام سا شخص ایمل کے لیے بہت خاص ہے۔

" جس کی آنکھیں بھوری ہیں۔ وہ صرف تم کو دیکھتا ہے گڑیا۔" واپسی میں اس نے اپنا بازو اس کے شانوں کے گرد دراز کیا۔ وہ اچھل پڑی۔

" نہیں، نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ جو میں نے نوٹ کیا وہ بتا رہا ہوں۔۔۔ اور ہاں اب ہم جلدی شادی کر لیں گے۔" وہ اس کی ناک مروڑتے ہوئے بولا۔۔ اب وہ اس کے قرب سے گھبراتی نہیں تھی اس کے التفات کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ ابھی تو اس نے اس پہ اعتماد جتا کر اس کا بھروسہ ہمیشہ کے لیے جیت لیا تھا۔

آنے والے وقت نے بتانا تھا جیتا تھا یا ہار کی شروعات ہوئی تھی۔

اس کے بھروسہ ہارنے کی شروعات۔

***

تمہیں میں نے کہا بھی تھا۔۔!

کہ اتنی دور مت جاؤ

مگر تم کو نہ جانے کیا جنوں تھا

کون سی دھن تھی

تمہیں شاید سمندر کی ہوائیں

ساحلوں کی ریت

یا شاید جزیروں پہ مہکتی چاندنی

یا روشنی کے شہر کی آشفتگی آواز دیتی تھی

مگر یوں تو نہیں!

میں نے شاید تمہیں بتایا تھا

کہ میں ماحول کی یکسانیت سے تھک سی گئی ہوں

اک نئی دنیا، نئے چہروں

نئے ماحول کی آسودگی مجھ کو بلاتی ہے

مگر یہ تم نے کیا لکھا

کہ ڈھلتی رات کے پچھلے پہر کی

مضمحل سی، نیم آسودہ سی گھڑیوں میں

دبے پاؤں حریم خواب میں آتا ہوں

اور اک بے کلی سی چھوڑ جاتا ہوں

یہ سب کیا ہے؟

ٹیرس پہ وہ اکیلی تھی، ہوا معمول سے زیادہ تیز تھی، سمندر کی نم مہک لیے، عموماً لوگوں کو سمندر کی مہک پسند نہیں ہوتی۔ مگر اس کو تھی، اس نے ایک گہرا سانس لے کر اس مہک کو اپنے اندر اتارا۔۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا، آٹھ یا نو تاریخ کا چاند تھا، ہوا اتنی تیز تھی کہ بادل اڑا کر چاند تک لے جاتی، وہ چاند کو ڈھانپ لیتے، شریر بادل تھے یا ہوا وہ اندازہ نہیں لگا پائی۔ ٹیرس سے بالکل سامنے لان میں موجود املی کا نوخیز پیڑ جھوم رہا تھا، جھومے جا رہا تھا، اتنی تیز ہوا ہے یہ کیسے خود کو برقرار رکھے ہوئے ہے، جدھر کی ہوا ہو اس سمت جھک جانا بقا کی علامت ہے۔ اس نے نفی میں سر جھٹکا۔

" یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے، کیوں اتنی قنوطی ہو رہی ہوں؟"

ٹیرس کا یہ حصہ اس کے گھر کا پسندیدہ حصہ تھا۔ ہوا میں یک لخت مزید تیزی آئی، اب کھڑے ہونا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے کھلے بال سمیٹے جو ہوا کی تندی برداشت نہیں کر پا رہے تھے اور بار بار اس کے چہرے پہ چھا جاتے۔

اس کو اپنی شادی کی پہلی صبح یاد آئی۔۔ وہ میرو کا انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی۔ جب آنکھ کھلی تو وہ اس کے چہرے پہ چھایا ہوا تھا۔۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، کچھ شرم اور کچھ ہچکچاہٹ، اس کی نظر نہیں اٹھی۔

" ریلیکس گڑیا۔"

" آپ؟ آپ کب آئے؟ مجھے اٹھا دیتے۔"

" وہی تو کر رہا تھا۔ جلدی سے اٹھ جاؤ، چینج کر لو۔ رات کو دوستوں میں دیر ہو گئی۔ جب آیا تو تم سو رہی تھیں۔ اور بہت پیاری بھی لگ رہی تھیں۔ تم پہ ترس کھا لیا۔ روز روز یہ نہیں چلے گا۔" اس نے شرارت کے ساتھ کہا۔

وہ جاتے جاتے رکا۔

" پلیز! مما کو یہ مت بتانا کہ میں ساری رات باہر تھا۔"

اس کے باہر جاتے ہی اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنے لبوں پہ جا ٹھہرا۔۔ وہ یہ محسوس نہیں کر پائی کہ اس کے پیار کا پہلا اظہار کتنا سرد تھا۔

اس نے جھرجھری لی۔ جو بات اب سمجھ آ رہی ہے پہلے کیوں نہیں آئی۔

اور ویسے والی رات اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ نہیں سوئے گی، وہ میرو کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی، وہ یہ بھی بتانا

چاہتی تھی کہ اس کی گڑیا اس سے بہت پیار کرنے لگی ہے۔

مگر ہوا کیا؟

اس کو خوب اچھی طرح سے یاد آیا۔

میرو آیا بھی۔اس کے قریب بھی ہوا،اس کی گردن سے نیچے تل کو چھوا بھی۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اس کے دوست کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا۔وہ مسوس کر کے رہ گئی۔ جو بھی ہوا تھا وہ میرو سے بہت پیار کرتی تھی۔

جب فون کی گھنٹی بجی تو اس کے دل کی گھنٹی کیوں نہیں بجی؟ اس نے گہرا سانس لے کر سوچا۔۔

" نہیں نہیں میں غلط سوچ رہی ہوں۔۔"

***

پانچ سال ہو گئے ہیں شادی کو۔"

" تم نے چیک اپ کروایا؟"

" کیا وجہ ہے، کیا تم لوگ خود نہیں چاہتے؟"

" وہ وہاں، تم یہاں؟ سب خیریت تو ہے نا۔"

یہ وقتاً فوقتاً اس سے پوچھا جانے لگا۔

وہ کیا بتاتی، بتانے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔

میرو کو گئے پانچ سال ہو رہے تھے۔ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کو بلا نہیں سکتا تھا۔ ابو کے انتقال کے بعد اس نے کہا تھا" تم یہی رہو ابھی پھپھو کو تمہاری ضرورت ہے۔"

ایک اور احسان۔۔وہ کیوں سر تسلیم خم نہیں کرتی۔

پھر ایک دن مامی آدھمکیں۔

" ایمل اب بس بہت ہو گیا۔ تم لوگوں نے آخر سوچ کیا رکھا ہے؟ کتنا ویران ہے یہ گھر؟ اس کو بچوں کی ضرورت ہے۔ تم نے بات کی میرو سے۔"

اس نے بے بسی سے مامی کی طرف دیکھا۔

گھر ہو یا باہر۔رشتے نبھانے ہوں، کچھ سنبھالنا ہو، ہمیشہ عورت کو ہی جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔

اس نے میرو سے بات کرنے کی ٹھانی۔

اس سے پہلے وہ میرو سے بات کرتی اس کا فون خود آ گیا۔

" گڑیا!" اس کا لہجہ غیر معمولی تھا۔

" مجھے معاف کر دو گڑیا۔" اب کے لڑکھڑاہٹ بھی تھی۔

" مما کا فون آیا تھا۔۔"

ایمل نے سکون کا سانس لیا، جو بات کرتے وہ جھجک رہی تھی مامی نے کر کے اس کی مشکل آسان کر دی۔

" میرو! مم میں بھی یہی۔۔" وہ جھجکی۔

" تم اب بھی کتنا اٹکتی ہو مجھ سے بات کرتے وہ ہنسا۔" مگر اس کی آواز۔ ایمل کو کچھ انہونا ہوتا محسوس ہوا۔ دل کی رفتار دگنی ہوئی۔

" آپ ٹھیک تو ہیں؟ آپ کی آواز۔ آپ کی طبعیت تو ٹھیک ہے نا؟"

" میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں گڑیا۔ تم جانتی ہو نا؟" وہ جیسے کچھ یقین کرنا چاہ رہا تھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا، جیسے وہ اس کو دیکھ ہی تو رہا ہو۔

" اچھا! وہ بھوری آنکھوں والا کیا ابھی بھی تم کو؟"

" میرو! وہ اتنے زور سے چیخی اس کی آواز میں خراش آ گئی۔

" مجھے معاف کر دو گڑیا۔ مگر اب کہنا ضروری ہو گیا ہے۔"

" کیا دوسری شادی؟" نہیں نہیں۔اس نے اپنا سر جھٹکا۔

میرو اپنی کہے جا رہا تھا۔

" یہ سب کہنے سے پہلے، تمہارا سامنا کرنے سے پہلے۔۔" اب وہ رو رہا تھا۔۔" میں نے ٹرین کے سامنے آنے کی بھی کوشش کی، مگر میں تم سے زیادہ اپنی زندگی سے پیار کرتا ہوں میں یہ نہیں کر سکا۔ تم سے یہ سب کہنے کے لیے میں نے شراب پی ہے۔۔ ہاں زندگی میں پہلی بار میں نے پی ہے۔۔تاکہ تم سے بات کرنے کی ہمت جوڑ سکوں۔ تمہارا سامنا کر سکوں۔"

وہ کچھ نہیں سننا چاہتی تھی، اس کو وجدان ہو گیا تھا جو وہ سنے گی ایسا ہر گز نہیں ہو گا جسے وہ سہار پائے۔

" تم نا۔" اس کا رونا تیز ہوا۔" اس بھوری آنکھوں والے کا ہاتھ تھام لینا۔۔۔ہاں اگر تم سچ سننے کے بعد بھی مجھ سے محبت کرتی رہیں تو ہم ساتھ رہ سکتے ہیں۔ تم میرے ساتھ رہو گی نا۔۔ میرا ساتھ دو گی نا۔۔"

" میرو! آپ مجھے پہلے پوری بات تو بتائیں۔ ہوا کیا ہے؟ آپ کیوں اتنے پریشان ہیں۔" کچھ غیر معمولی ہونے کے احساس نے اس کو مضبوط کر دیا۔

" اب مجھ سے اور نہیں سہا جا رہا ہے گڑیا۔" اس کی آواز میں امید ابھری۔" کیا تم مجھ کو معاف کر دو گی۔۔۔ کر دو گی نا!!! محبت تو ہر چیز سے ماورا ہے نا؟ اس کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں نا۔" اب وہ ہچکیوں سے رو رہا تھا۔

ایمل نے اتنی زور سے اپنے لب بھینچے کہ خون نکل آیا۔

" میرو آپ بتائیں تو سہی۔"

" نہیں۔ پہلے تم وعدہ کرو۔ تم میرا ساتھ دو گی۔ مجھے معاف کر دو گی۔۔" وہ پھر سے وہی میرو لگ رہا تھا جو اس سے اپنی ہر بات منوالیا کرتا تھا۔

" مگر وہ ہر بار کی طرح "ہاں" نہیں کہہ سکی۔" وہ اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھا۔

وہ اب تیار تھی ہر قسم کے طوفان کے لیے۔اس کا وجدان اس کو کہہ رہا تھا اب سب کچھ صفحہ ہستی سے مٹنے کو ہے۔

" میں نے ہر جگہ اپنا چیک اپ کروایا۔" اس کا خدشہ شک سے یقین کی ایک اور سیڑھی چڑھ گیا۔

" تمہیں تو پتا ہے یہاں بیسٹ ڈاکٹرز ہوتے ہیں۔۔"

ایمل کا ہاتھ اپنے دل پہ جا ٹھہرا۔ جو ایک ناسور کی طرح اب دکھنے لگا تھا۔

" میرا کہیں علاج نہیں گڑیا۔۔۔ یہ سالے سب بکواس کرتے ہیں، اتنی سائنسی ترقی کے باوجود۔۔۔ میرا کہیں کوئی علاج نہیں۔۔۔"

" میں ادھورا ہوں۔"

اس کو یقین تھا جب وہ اپنے دل سے ہاتھ اٹھائے گی تو خون سے بھرا ہوگا، اس کے یقین کا خون، اس کے ارمانوں کا خون۔ وہ کانپنے لگی۔

" محبت ہو تو ہر طرح گزارا ہو جاتا ہے، ہم یوں بھی تو رہ سکتے ہیں نا گڑیا۔"

وہ یک دم نیچے بیٹھ گئی۔۔ اس کے گزرے دس سال اس کی نظروں میں پھرنے لگے۔ اس نے اس کو گڑیا کہا ہی نہیں ٹریٹ بھی گڑیا کی طرح کیا، سجایا، سنوارا، نکھارا، اپنے بستر تک لے گیا مگر محروم رکھا۔ اور یہ سب جان بوجھ کر کیا گیا۔

اگر وہ اس سے کہتا۔ اس پہ اعتماد کرتا تو شاید وہ اس کا ساتھ دیتی۔ مگر اس نے تو اس کا ایسا استعمال کیا۔۔

کبھی پڑھا اس کو یاد آیا۔

Pain is inevitable, suffering is optional.

درد وہ ہوتا ہے جو دنیا آپ کو دیتی ہے اس کو برداشت کرنا خود اذیتی ہے۔

اس نے زندگی میں پہلی بار خود کوئی فیصلہ لیا۔ درد سے نجات کا۔

" مجھے طلاق چاہیے۔"

---اختتام---

کتابوں کے بند باب

تحریر: مہوش جاوید

"کہاں گئی تھی مہرو۔۔۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"
مہرو کے واپس آتے ہی آفرین نے پوچھا۔

"کام سے گئی تھی بھئی۔" مہرو نے اطمینان سے کہا اور آفرین کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔ آفرین اس کی مسکراہٹ کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے ہی کام سے گئی تھی بے چین روح۔" اس نے کہا اور اپنے پرس میں سے کاغذی لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ تمہاری وہ تصویریں اور ساتھ لیب والوں کی رپورٹ ہے جو اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ تصویریں اصل نہیں بلکہ کسی ٹیکنکل فنکار کی کاری گری ہیں۔" مہرو کے کہنے پر آفرین نے لفافہ کھول کر رپورٹ پڑھی۔۔ دل کے کسی کونے میں مبہم سے اطمینان نے سر اٹھایا تھا۔ آفرین تشکر آمیز نظروں سے مہرو کی طرف دیکھنے لگی جیسے اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے لفظ جوڑ رہی ہو۔ ہونٹ کچھ کہنے کو ہلے ہی تھے کہ مہرو اس کی کیفیت بھانپ کر بول اٹھی۔۔

"اب جلدی سے اسے کسی محفوظ جگہ پر رکھ دو۔ یہ صرف اس وقت کے لیے ہے جب تمہیں اس کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے۔" اس کا اشارہ آذر کی طرف تھا۔ آفرین نے اس کی بات سمجھتے ہوئے ہاں میں گردن ہلائی اور اٹھ کر لفافہ الماری میں کسی محفوظ کونے میں چھپانے لگی۔

***

اگرچہ آذر نے زوبی کی باتوں پر یقین تو نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی شک کا بیج اگنا شروع ہو چکا تھا۔ آفرین کے زندگی کے شب وروز نہ سہی لیکن اس کا وسیع حصہ آذر کی آنکھوں کے سامنے ہی گزرا تھا۔۔ وہ اس کی عادات واطوار سے بھی بخوبی واقف تھا، شاید یہی سب وجوہات تھیں جو اسے اب تک آفرین کو مکمل طور پر مجرم ماننے سے باز رکھے ہوئے تھیں۔۔ لیکن آخر کب تک۔۔؟

اس نے آفرین سے مل کر اس معاملہ کو کلیئر کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جو منظر اس نے سڑک پر دیکھا وہ اس کی اس کچے پکے یقین کو مزید کمزور کیے دے رہا تھا۔ اگر آفرین وہ لفافہ نہ تھامتی، یا اس لڑکے کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارتی تو شاید صورتِ حال مختلف ہوتی۔۔ لیکن آذر کی نظروں کے سامنے اس نے وہ لفافہ ہاتھ میں تھامے رکھا تھا۔۔

"کیا ہو سکتا ہے اس لفافے میں۔۔ کیا کوئی محبت نامہ۔۔؟ وہ خود سے سوال کرتا اور من گھڑت جواب سے اپنی تسلی کرنے کی کوشش کرتا۔۔۔

کئی برس لگتے ہیں مرد کو یقین کا ایک نازک سا ربط قائم کرنے میں اور ایک پل نہیں لگتا اس رابطے کو بے یقینی کی دھند میں کھوتے ہوئے۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا آفرین احمد۔" اس نے موبائل پر یہ میسج ٹائپ کیا اور کتنی دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد بالآخر آفرین کے نمبر پر سینڈ کر دیا۔

دوسری طرف آفرین جو قسمت کی اس ستم ظریفی کو سمجھنے کی تگ و دو میں ابھی تک جاگ رہی تھی موبائل کی میسج ٹون بجنے پر ایک دم خیالات کی دنیا سے لوٹی۔ موبائل پر ریسیو کیا جانے والا میسج پڑھ کر تو جیسے اس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ آذر کا اس کی طرف سے یوں بے یقین اور بدل ہو جانا اُسے جیسے مار ہی گیا۔۔ اس نے بے یقینی سے اس میسج کو کئی بار پڑھا اور جب اس کے حواس ٹھکانے آئے تو وہ کانپتے ہاتھوں اور نمناک آنکھوں

کے ساتھ آذر کا نمبر ملانے لگی۔۔۔ کچھ تامل کے بعد دوسری طرف سے بھی کال ریسیو کرلی گئی تھی۔۔۔

'' بولو۔۔'' دوسری طرف سے سرد لہجے میں کہا گیا۔ بے یقینی کا سفر بھی انسان کو تھکا دیتا ہے۔ آذر بھی شاید اس وقت اسی تھکن سے دوچار تھا جس کی جھلک اس کے ہارے ہوئے لہجے میں بخوبی محسوس کی جاسکتی تھی، لیکن اس وقت آفرین کو اتنا ہوش ہی کہاں تھا جو وہ آذر کے لہجے کے اتار چڑھاؤ کو محسوس کر پاتی۔

'' آذر، آذر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے جیسا آپ نے دیکھا۔ آپ پلیز میری پوری بات سُن لیں ایک بار تسلی سے۔ مجھے یقین ہے آپ کی ساری غلط فہمی دور ہو جائے گی۔۔۔ میرا یقین کریں آذر۔۔۔'' وہ ابھی بول ہی رہی تھی کہ دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی گئی۔

'' کون سا یقین آفرین احمد،، میرے یقین کو تو تم اپنی تفریحات کے دوران کہیں گنوا آئی ہو۔۔''

'' ں میں آذر۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ تو جانتے ہیں نا مجھے؟ میں نے پہلے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا، اب تو یوں بھی آپ کے ہوتے مجھے کسی کو دیکھنے، کسی کو سوچنے تک کی ضرورت نہیں، تو اب میں کیسے بہک سکتی ہوں؟ وہ بھی تب جب میں پوری شدت اور سچائی سے صرف آپ کو چاہتی ہوں۔'' اس نے پہلے کبھی کھل کر آذر سے اپنے جذبوں کا اظہار نہ کیا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔۔ اُس کی آنکھیں، چہرہ اور سب سے بڑھ کر آذر کا خیال رکھنا ہی اس کے جذبات کی عکاسی کرتا اور اس کے اس انداز کو ہی آذر نے بھی محترم رکھا تھا۔

اور اب اُس کے اقرار نے تو جیسے آذر کے دل پر پڑی شک اور کٹھور پن کی گرد کو ہٹا ہی دیا تھا۔

'' کل تو اتوار ہے، سب گھر پر ہی ہوں گے۔۔ پرسوں شام میں چکر لگاؤں گا تمہاری طرف۔'' اُس نے بظاہر ویسے ہی سرد لہجے میں کہا تھا لیکن اب بے یقینی کی گرد چھٹتی واضح محسوس کی جاسکتی تھی۔ آذر نے کہہ کر فون بند کر دیا تو آفرین نے بھی کچھ سکون کا سانس لیا۔

وہ جانتی تھی کہ آذر اس سے نہ صرف محبت کرتا ہے بلکہ اس کے کردار اور پارسائی کا معترف بھی ہے۔۔ اس کی بے داغ زندگی اپنے آپ میں ہی ایک واضح ثبوت تھی کہ وہ برے کردار کی لڑکی نہیں، اور اسی لیے اسے یقین بھی تھا کہ وہ آذر کو منا لے گی اور وہ بھی اس کا یقین کرے گا۔ وہ اور وقت دونوں ہی اپنے اپنے پتے بچھا رہے تھے۔۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ بالآخر جیت کس کی ہوتی ہے۔۔

***

'' ہیلو آذر کیسے ہو بھئی اور کہاں غائب ہو اُس دن سے؟'' زوبی جو دو دن سے اُس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی فُون پر رابطہ ہوتے ہی شکوہ کیا۔

'' وہ بس کچھ مصروف۔۔'' آذر کی ان سُنی کر کے وہ مزید گویا ہوئی۔

'' مانا جناب کہ آپ کے اور بھی بہت ضروری کام ہیں جو آپ کی توجہ حاصل کیے رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی کچھ توجہ اُن کے حصے میں بھی ڈال دینی چاہیے جو آپ کی پرواہ کرتے ہوں۔'' اُس نے مزید کہا تو آذر اپنے اُس دن کے سلوک پر کچھ شرمندہ سا ہوا۔

'' میں بہت شرمندہ ہوں زُوبی۔ اُس دن بس مجھے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔۔ بعد میں احساس ہوا کہ میں نے تمہیں وہاں اکیلا چھوڑ کر کتنا بُرا کیا۔'' آذر شرمندگی میں ڈوبے لہجے سے بولا۔

'' نہیں بھئی اس طرح تو معافی نہیں ملے گی۔'' زوبی نے اُس کا موڈ بہتر ہوتا دیکھ کر کہا۔

'' کیا مطلب۔''

'' مطلب یہ کہ تمہیں مجھے ایک اچھی سی کافی پلانی پڑے گی۔ آج اور ابھی۔۔'' زوبی نے اصرار کرتے ہوئے تو آذر نے بھی انکار نہیں کیا۔ وہ پہلے ہی اُس دن کی حرکت پر کافی شرمندہ تھا اور اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا تھا لہذا راضی ہو گیا۔

دونوں نے شام میں ملنے کے لیے جگہ اور وقت طے کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔۔ زوبی کو آذر کا یہ پُرسکون لہجہ کھٹک رہا تھا کیونکہ اُس کے حساب سے تو اس وقت آذر کو شدید دُکھ اور صدمے کی حالت میں ہونا چاہیے تھا، اسی لیے اُس نے فوراً'' سے پہلے اُسے ملنے کی خواہش کا اظہار کر ڈالا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب وہ اُس سے ملے گا تو اپنے دل کی بات ضرور ڈسکس کرے گا۔

***

'' میرا دل تو پہلے ہی نہیں مان رہا تھا زوبی کہ آفرین ایسا ویسا کچھ بھی کر سکتی ہے لیکن اُس سے بات کرنے کے بعد تو دل کو جیسے سکون مل گیا۔ مجھے یقین ہے کہ پسِ پردہ معاملہ کچھ اور ہی ہو گا۔۔ کبھی کبھی ہم جو دیکھتے ہیں، ضروری تو نہیں نا کہ وہ سچ ہی ہو؟'' اُس نے کہا تو زوبی نے اُسی کی کہی ہوئی بات کو دہرایا۔

'' بالکل۔۔ ضروری نہیں کہ ہم جیسا دیکھ رہے ہیں وہ واقعی ویسا ہو۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے آذر کو اپنی سوچ کے برعکس سوچ کی طرف ایک بار پھر سے دھکیلا تھا۔ زوبی نے فوراً'' اپنی بات کا رُخ بدلتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

'' تم ملے ہو کیا اُس سے۔'' اس نے پوچھا۔

'' نہیں ابھی تو صرف فون پر ہی بات ہوئی ہے۔ کل ان شاء اللہ آفس سے کچھ دیر پہلے نکل کر اُس کے گھر جاؤں گا ملنے۔'' اس نے وضاحت دی۔

'' ہمم اچھی بات ہے۔ ضرور ملنا چاہیے۔ مل بیٹھ کر یوں بھی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔'' زوبی نے اس کے خیال کی تائید کی اور پھر ساتھ لگے کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں آنے والے خطرے کے اندیشوں میں گھری ہوئی تھیں۔ اسے اپنا بنا بنایا کھیل بگڑتا نظر آرہا تھا۔ آفرین جیسی لڑکی سے ہار جانا اس کی نام نہاد انا کو روندرہا تھا جو اسے ہرگز منظور نہیں تھا۔

اس کے بعد ان دونوں نے اس معاملے پر مزید کوئی بات نہیں کی اور کچھ دیر بعد ہی زوبی نے آذر سے اسے گھر ڈراپ کرنے کا کہا۔

گھر آتے ہی سب سے پہلے اُس نے زوہیب کو فُون کیا

تاکہ اُسے اُس کی ناکام کوشش پر شرمندہ کر سکے۔۔ہار صرف زوبی کی ہی نہیں، زوہیب کی بھی ہوئی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایک مرد ہو کر بھی تم ایسا کچھ نہیں کر سکتے جس سے ایک دوسرا مرد ایک لڑکی سے بد دل ہو سکے۔" اس نے کال اٹینڈ ہوتے ہی آتش فشاں لہجے میں کہا۔

"ارے ایسی بھی کیا افتاد آن پڑی کہ زوبار یہ میڈم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا؟" اُس نے بے فکری سے کہا۔

"ہاں تمہیں کیا فرق پڑتا ہے، کام تو میرا تھا نا جو تم کر نہ سکے۔۔ اس قدر ناکام مرد ہو گے تم زوہیب، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" زوبی کا غصہ اپنے عروج پر تھا۔

"اتنا غصہ کرنے کی بجائے اگر تم مجھے ٹھیک طرح یہ بتادو کہ بات کیا ہوئی تو شاید میں اس کا کوئی حل بھی نکال سکوں۔" زوہیب پر اُس کی غصے اور پھٹکار کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اُسی پر سکون لہجے میں اُس سے بات کر رہا تھا۔

زوبی کا غصہ بھی کچھ کم ہوا تو وہ اسے اپنی اور آذر کے بیچ ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگی۔۔

"لو بس اتنی سی بات پر تم اتنا مایوس ہو رہی ہو۔" تمام تفصیلات سُننے کے بعد زوہیب نے کہا۔ "مائی ڈیئر۔۔ سکون اور اطمینان سے سو جاؤ جا کر، اور زوہیب پر یقین رکھو کہ وہ کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا کرتا، اور وہ بھی اپنی اتنی اچھی دوست کا۔۔؟" اُس نے ایک بار پھر زوبی کو تسلی دی۔

"کیسے یقین کر لوں، میں جانتی ہوں اُس کا دل تو پہلے ہی نہیں مان رہا کہ آفرین ایسی ہو سکتی ہے، اور کل اُس سے مل کر رہی سہی غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی۔" زوبی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اوہو بھئی ایک تو تم لڑکیاں بھی نا ذرا ذرا سی باتوں پر ہمت ہار جاتی ہو۔ کہہ رہا ہوں نا کہ بھئی بے فکر ہو کر آرام کرو۔ باقی بات اب کل کے بعد ہی ہو گی۔" زوہیب نے اسے تسلی دے کر فون بند کر دیا۔۔

زوبی کے فون نے اسے کسی حد تک پریشان ضرور کیا تھا لیکن وہ پریشانی میں بوکھلانے کی بجائے عقل سے کام لینا جانتا تھا۔۔۔ اور اس وقت بھی وہ یہی کر رہا تھا۔ ابھی بھی سب نہیں بگڑا تھا۔۔ تدبیر اب بھی اُس کے بگڑے کام سنوار سکتی ہے، یہ اُسے یقین تھا۔ اُس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنا موبائل اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔

***

کچھ صُبحیں طلوع تو ہو جاتی ہیں لیکن پچھلی رات کی تاریکی اس قدر سیاہ ہوتی ہے کہ وہ آنے والی صبح کے اُجالوں کو بھی کھا جاتی ہے۔ اُس دن بھی ایک ایسی ہی صبح طلوع ہوئی تھی جس میں سیاہ گھنے بادلوں نے روشن اُجالوں کو اپنے وجود میں چُھپا لیا تھا۔۔ وقفوں وقفوں سے ہونے والی گرج جیسے اپنے اندر کوئی تنبیہہ لیے ہوئے تھی۔۔ زندگی میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قدرت بذاتِ خود ہم سے ہمکلام ہوتی ہے لیکن انسان اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر رہتا ہے کہ اس میں کیا پیغام پوشیدہ ہے۔۔۔

"بیٹا، تیار ہو کر کہاں جا رہی ہو۔۔ باہر موسم تو دیکھو۔" شمسہ بیگم نے آفرین کو تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلتے دیکھ کر کہا۔

"بس امی جی آج جانا ضروری ہے ایک ضروری ٹیسٹ ہے جو مس نہیں کر سکتی ورنہ میرا تو خود جانے کا دل نہیں۔۔" اُس نے یاسیت سے کہا تو شمسہ بیگم بھی خاموش ہو گئیں۔

"اچھا بیٹا دھیان سے جانا پھر۔ اللہ کی حفظ و امان میں رہو۔" انہوں نے اس کو بھیجتے ہوئے نصیحت کے ساتھ ساتھ دُعا دی۔۔

آفرین نے گھر سے باہر قدم رکھا تو موسم دیکھ کر ایک بار اس کا بھی دل کیا کہ واپس ہو لے، لیکن قدم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔ جن جگہوں اور مقامات پر پہنچنا لکھ دیا جاتا ہے وہاں جانے سے پھر کوئی چیز انسان کو روک نہیں پاتی۔ اُس کا بھی آج گھر سے نکلنا طے تھا سو وہ اس وقت سڑک پر تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے مطلوبہ بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی، لیکن آج اُس کی منزل کوئی اور ہی تھی۔

وہ اپنی سوچوں میں غرق تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی کہ اُس غیر گنجان سڑک پر اُس کے بالکل سامنے چرچراتے پہیوں کے ساتھ رُکنے والی گاڑی نے اُس کے قدم بھی روک دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی میں سے سرعت سے دو آدمی نکل کر آفرین کی طرف لپکے اور اس سے پہلے کہ وہ صورتِ حال کو سمجھ کر کوئی تدبیر کر پاتی، انہوں نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔ گاڑی جس سرعت سے وہاں آئی تھی اُسی تیزی کے ساتھ غائب بھی ہو گئی۔ اسلام آباد کی گہرے سبزے سے ڈھکی ان خاموش اور خوبصورت سڑکوں نے اس منظر کو دیکھا ضرور تھا لیکن ان کے پاس اس ہونی کو روکنے کا اختیار نہ تھا۔۔

ٹِپ۔۔۔ تبھی اس منظر نے آسمان سے پانی کے پہلے قطرے کے ٹپکنے کی آواز سُنی تھی۔۔ اور اُس کے بعد بادل کھل کر برسے تھے، لیکن آج یہ برسات اپنے اندر اُداسی اور دُکھ کا تاثر لیے ہوئی تھی جس میں سارا شہر بھیگا تھا۔

***

آذر کو شمسہ بیگم کے پاس بیٹھے گھنٹے سے زیادہ بیت چُکا تھا۔۔ احمد صاحب ابھی دفتر سے گھر نہ آئے تھے۔۔ مہرو بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی اور یہ تینوں بے صبری سے آفرین کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے جو اپنی واپسی کے معمول کے وقت سے دو گھنٹے لیٹ تھی اور اب تک اس کے آنے کے کوئی آثار نہ تھے۔ بارش بھی صُبح سے برس برس کر اب تھم چکی تھی، جیسے مزید برسنے کی سکت ختم ہو گئی ہو لیکن پھر بھی جانے کیا غم تھا کہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ قطرے ٹپک ہی پڑتے۔۔

مہرو نے ایک بار پھر اپنے موبائل سے آفرین کا نمبر ڈائل کیا جو پچھلے دو گھنٹوں سے بند جا رہا تھا۔۔۔ مہرو اور آذر نے اس ایک گھنٹے میں کوئی ایک سو بار اُس کا نمبر ڈائل کیا ہو گا لیکن نمبر بدستور بند ہی تھا۔

آذر نے آفرین کو نمبر ملاتے دیکھا اور پھر اس کا مایوس ہو کر کال ڈسکنیکٹ کرنا اُسے بتا گیا کہ نمبر ابھی بھی بند ہے۔

"یا اللہ میری بچی کی حفاظت کرنا۔۔" شمسہ بیگم نے بھیگے لہجے اور کانپتی آواز سے دعا کی۔

مہرو کا دل بھی آفرین کی خیریت اور سلامتی کے لیے دعا گو تھا جبکہ آذر یہاں موجود لوگوں میں سے وہ واحد شخص تھا جسے اُس کے گھر نہ پہنچنے پر فکر کی بجائے شک تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ کہیں چلی گئی ہے۔ پچھلے دو دن، تمام ثبوت اور حالات آفرین کے خلاف ہونے کے باوجود اس نے بڑی مشکل سے اپنے دل کو راضی کیا تھا کہ آفرین غلط نہیں ہو سکتی، لیکن اب اُسے یہ بات کھٹک رہی تھی کہ آفرین جانتی تھی کہ آج آذر نے اُس سے ملنے آنا تھا، پھر بھی اتنے خراب موسم میں وہ گھر سے کیوں نکلی۔۔ اس پر مزید آفرین کی سہیلی ربیعہ کے بیان پر، کہ آج آفرین کالج ہی نہیں آئی، نے آذر کے شک کو پختہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں چلی گئی ہے۔۔۔ وہ تب سے خاموش بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا لیکن اس خاموش وجود کے دل میں بدگمانی کا ایسا لاوا پک رہا تھا جس سے باقی دونوں نفوس بے خبر تھے۔

"اچھا چچی جان۔۔ میں اب چلتا ہوں۔ اُس نے واپس آنا ہوتا تو اب تک آ چکی ہوتی۔" وہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو شمسہ بیگم اور مہرو دونوں بے یقینی سے اُسے دیکھنے لگ گئیں۔ اس مشکل وقت میں جسے وہ اپنا سہارا سمجھ بیٹھیں تھیں وہ تو اپنا دامن بچا رہا تھا۔۔ اور جاتے جاتے وہ یہ کیا کہہ رہا تھا؟

"میں تو یہاں آفرین سے بات کر کے پیش آنے والے مسائل کا حل نکالنے آیا تھا، لیکن اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ کہہ رہا تھا اور شمسہ بیگم حیرانی اور ناسمجھی سے اُس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ وہ آذر کے الفاظ کے مفہوم سے بالکل بے خبر تھیں جبکہ مہرو جانتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔ اُسے آذر سے کچھ زیادہ توقع بھی نہیں تھی،، لیکن پھر بھی آذر کا یوں بے یقینی کی انتہا کو چھونا اُسے اندر تک جھلسا گیا۔

"یہ وہ شخص ہے آفرین احمد جسے تم خود سے زیادہ چاہتی اور بھروسہ کرتی ہو۔" اس نے نخوت سے دل میں سوچا لیکن خاموش رہی۔

"کیا کہہ رہے ہو آذر بیٹا کن معاملات کو سُلجھانے آئے تھے؟" شمسہ بیگم نے سمجھ نہ آنے پر اُس سے پوچھا۔

"یہ آپ اُسی سے پوچھ لیجیئے گا چچی جان۔۔ میری طرف سے یہ معاملہ آج یہیں ختم ہوا۔" اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ شمسہ بیگم اسے آواز دیتی ہوئیں اس کے پیچھے جانے کے لیے اٹھیں کہ مہرو نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر واپس بٹھا لیا۔

"جانے دیں امی اُسے۔ اُس نے تو جانا ہی تھا۔۔ اور اسی میں سب کی بہتری ہے۔" اس نے شمسہ بیگم کو واپس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ یہ کیا کہہ گیا بیٹی؟" انہوں نے مہرو سے سوال کیا۔۔ اور وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد شمسہ بیگم کو وہ سب واقعات جو مری کے ٹرپ سے لے کر اب تک آفرین کے ساتھ پیش آئے تھے شمسہ بیگم کو بتانے لگی۔۔۔

***

اُس کی آنکھیں کُھلی تو سامنے پھیلی تاریکی نے اُسے یہ سمجھنے سے قاصر رکھا کہ اُس کی آنکھیں واقعی کھل گئی ہیں۔ اُس کے دماغ نے بھی آہستہ آہستہ بیدار ہونا شروع کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ کچھ بھی دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھوں کو ملنا چاہا لیکن کوشش کے باوجود وہ اپنے ہاتھوں کو حرکت نہ دے سکی۔ اُسے لگا اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔۔ وہ نیم بیہوشی کی حالت میں اس تاریک کوٹھری میں پڑی ہوش کی دنیا میں آنے کے لیے کوشش کر رہی تھی لیکن ابھی اس کا جسم اور دماغ اتنی ہمت مجتمع نہ کر پائے کہ اسے ہوش اور شعور کی دنیا میں لے آتے۔۔ ویسے بھی جب حالات اور واقعات انسان کے بس سے باہر ہو جائیں تو ایسے وقت میں کسی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔۔

اُس کا دماغ جو تھوڑا تھوڑا بیدار ہونے لگا تھا، اب واپس نیند میں ڈوبنے لگا اور وہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر پائی۔

***

"سچ کہہ رہی ہوں امی میں آپ کی وجہ سے چُپ کر جاتی ہوں ورنہ کیا ضرورت ہے ان تماش بینوں کی اتنی جلی کٹی سُننے کی۔۔ یہ تو اپنے مزے کے لیے اکٹھی ہو کر آ جاتی ہیں تماشہ دیکھنے۔ ان میں سے ایک کو بھی ہمارے کسی دکھ پہ ذرا کوئی افسوس نہیں۔" مہرو نے روز گروہ در گروہ آ دھمکنے والی محلے کی عورتوں کے جانے کے بعد کہا۔ آج اُس کی صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ آج تیسرا دن تھا کہ یہ تماشا روز ہونے لگا تھا۔۔ آفرین کی گمشدگی کو پانچ دن ہو چلے تھے، اور دوسرے ہی دن جانے کیسے محلے والوں کو اس واقعہ کی خبر ہو چکی تھی۔۔۔ اس کے بعد تو جیسے ایک سلسلہ ہی جُڑ گیا تھا، آئے روز کوئی نہ کوئی خواتین آ کر بیٹھ جاتیں اور پھر شمسہ بیگم سے اُن کی بیٹی کے بارے میں ایسے ایسے سوالات کیے جاتے کہ ان کا دکھ کم کیا ہوتا۔۔ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا اور اب یہ سب مہرو کی برداشت سے باہر تھا۔

"ہمارے اپنے دُکھ کیا کم ہیں جو ان کے لفظوں اور سوالوں کے نشتر بھی سہنا واجب ہے ہم پر؟" اس نے مزید کہا، لیکن شمسہ بیگم کی خاموشی بدستور قائم تھی۔ اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

وہ خاموشی سے اُس کے سرہانے بیٹھ کر ان کا سر دبانے لگی۔

پچھلے پانچ دنوں سے اس گھر پر کیسی قیامت گزر رہی تھی۔ کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ شمسہ بیگم تو پھر رو لیتیں، آنسو بہا لیتیں لیکن احمد صاحب تو اُس دن سے بالکل ہی گُم صُم ہو گئے تھے۔۔۔ دکھ تو اپنی جگہ تھا ہی لیکن باہر کی اس دُنیا کو فیس کرنے میں روز انہیں کون سی مشکلات پیش آتیں، مہرو کو اس کا اچھی طرح اندازہ تھا۔۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے والدین اور بہن کے لیے کچھ نہیں کر پا رہی تھی۔ سب سے زیادہ بے بسی کا احساس اسے تب ہوا تھا جب آفرین کی گمشدگی کے چوبیس گھنٹوں بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب اس معاملے کو پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اُس کا باپ جیسے ایک دم ہی بُوڑھا ہو گیا تھا۔۔ صرف چند گھنٹوں میں ہی اس پر ایسا بڑھاپا عود آیا تھا جس کو کسی مضبوط سہارے اور ساتھ کی ضرورت تھی۔۔ ایسا ساتھ جو اس وقت اُن کا حوصلہ بنتا جب وہ اس دنیا کا سامنا کرنے نکلتے ہیں، اور مہرو لاکھ بہادر سہی۔ اپنے والد کے ساتھ باہر نکل کر تھانے میں خوار نہیں ہو سکتی تھی۔۔ وہ چاہتی تب بھی کوئی باپ کبھی اپنی بیٹی کا سہارا لے کر ایسی جگہ پر نہیں جاتا۔

ایسے وقت میں ایک ریحان تھا جس نے اس کمی کو کافی حد تک پورا کر دیا تھا۔۔اس دن امید کا سورج طلوع ہوتے ہی مہرو ریحان اور فرزانہ باجی کو بُلا لائی تھی۔وہ واحد ایسے لوگ تھے جو اُن کے دُکھ میں برابر کے شریک ہونے کے ساتھ ساتھ قدم قدم پر اُن کا ساتھ بھی دے رہے تھے۔۔وہ رات کس قدر بھاری تھی اس خاندان پر، تمام نظریں دروازے پر ٹکی تھیں اور ساعت کسی کی آہٹ کے منتظر تھے لیکن جس کا انتظار تھا وہ آ کے نہیں دے رہا تھا۔۔اس سیاہ رات نے اُن کے نصیبوں پر بھی سیاہی مل ڈالی تھی۔ریحان کا اپنا دل اس سب سے کس قدر رنجور تھا، لیکن اس کی بے بسی کہ وہ اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔۔بظاہر اُس کا آفرین سے ایسا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن دلوں کے معاملوں کو بھلا کسی رشتے کی ضرورت کب ہوا کرتی ہے۔۔اگلے دن وہ احمد صاحب کو لے کر تھانے گیا تھا، آفرین کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے۔۔۔دنیا اس قصے کو کسی بھی طرح دیکھتی لیکن اس کا دل جانتا تھا کہ آفرین احمد خالص ہے، پاک ہے۔۔۔

۔۔۔جاری ہے۔۔۔

میرے وطن میں تو عورت کے ساتھ مرد بھی مظلوم ہے کہ سارے ملک کی ستاسی فیصد زمین پر صرف تیرہ فیصد لوگوں کا، وڈیروں کے نام پر قبضہ ہے۔میرے ملک کے اناج اگانے والے، سارا زرمبادلہ لانے والے تو چار صدیوں پرانے ماحول میں سڑتے ہیں اور ان کے مفادات کا سودا کرنے والے اسمبلیوں اور ایئر کنڈیشنڈ گھروں میں آسائشیں لوٹتے ہیں۔میرے ملک میں عورت کا کوئی نام نہیں ہے۔وہ تو خود سے وابستہ رشتوں کے ذریعہ شناخت پاتی ہے۔وہ بہن ہے، ماں ہے، بیٹی ہے، مگر کیا وہ خود بھی کچھ ہے!

بری عورت کی کتھا از کشور ناہید سے اقتباس

مرسلہ: سمارا

دل کبھی خواب کے پیچھے کبھی دنیا کی طرف

ایڈیٹرز چوائس

تحریر: مہر فاطمہ

آج پھر عبداللہ خاموش اور اُداس تھا۔نہ کوئی ہنسی مذاق کیا، نہ ہی پورے دن کی روداد سنائی، بس کھانا کھاتے ہی کمرے میں چلا گیا اور میں تب سے یہیں کھانے کی میز پر بیٹھی ہوں۔ دل کا اضطراب سب کاموں پر حاوی ہو چکا ہے۔عبداللہ کی خاموشی سے ہر سمت ویرانی چھا گئی ہے۔یوں بھی میری دنیا میں اسکی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز ہے بھی تو نہیں، لیکن اگر ہوتی بھی تو کیا میرے کانوں تک پہنچ پاتی؟

پچھلے بائیس سالوں میں مجھے کبھی ایسی کسی صورتحال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔اُس نے کبھی مجھ سے کچھ چھپایا بھی تو نہیں تھا۔وہ اگر باہر سے پانی کا ایک گھونٹ بھی زیادہ پی لیتا تو اس بارے میں بھی مجھے بتایا کرتا تھا۔ پھر اب ایسی کون سی الجھن، کیا مشکل درپیش ہے جو وہ مجھے نہیں بتا پا رہا۔کہیں کسی لڑکی کا چکر نہ ہو۔۔۔نہیں نہیں اگر یہ بات ہوتی تو وہ سب سے پہلے مجھے بتاتا۔ ہو سکتا ہے پڑھائی میں کوئی مشکل درپیش ہو۔۔۔ مگر نہیں اسکا شمار ہمیشہ پوزیشن لینے والے بچوں میں رہا ہے۔پھر کسی استاد سے تکرار ہی نا ہو گئی ہو۔۔۔لیکن نہیں عبداللہ تو اساتذہ کا اتنا احترام کرتا ہے کہ ان کی طرف پیٹھ کر کے نہیں چلتا، ان سے تکرار کیسے کر سکتا ہے۔کیا خبر کسی طلبہ تنظیم والوں سے جھگڑ پڑا ہو۔۔۔پر جھگڑنا اس کا مزاج بھی تو نہیں۔

کبھی کوئی قیاس ذہن کے نہاں خانوں سے ابھر کر دل کی بے کلی میں اضافہ کرتا ہے اور کبھی کوئی۔کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا۔ہم میں اتنا فاصلہ تو کبھی نہیں تھا۔اس کے اندر اٹھنے والی خیال کی لہر میرے دل کی سرزمین پر وحی کی صورت اُتر آیا کرتی تھی اور وہ۔۔۔وہ بھی تو۔۔۔وہ بھی تو میری ہر الجھن بن کہے جان جایا کرتا تھا پھر اب کیوں نہیں سمجھ پا رہا۔کیوں مجھے پریشان کر رہا ہے۔

***

خالد کی شہادت کے بعد میری دنیا، میری زندگی اور میرے جینے کا مقصد عبداللہ ہی تو تھا۔بہت بار لوگوں کو کہتے سُنا کہ جانے والوں کو پہلے ہی خبر مل جاتی ہے کہ اگلے موڑ پر انکا سٹیشن بس آیا ہی چاہتا ہے اور انہیں اس دنیا کی ریل گاڑی سے اُتر کر اپنی ابدی منزل کی طرف روانہ ہونا ہے۔تب تو نہیں لیکن اب مجھے لگنے لگا ہے کہ لوگ سچ ہی کہتے ہیں ورنہ اس دن خالد ایسی باتیں کیوں کرتے بھلا۔

بسا اوقات خالد کے بار بار کے تبادلوں سے تنگ آ کر میں اُن سے پوچھا کرتی کہ آخر مقابلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد بدنام زمانہ محکمہء پولیس میں شمولیت کا مشورہ انہیں کس بے وقوف نے دیا تھا۔ کبھی وہ میری بات کو مذاق میں ٹالتے ہوئے ہنس کر، مجھے تنگ کرنے کو کہتے۔ "ارے ارے آپ ہمارے چچا حضور یعنی اپنے والد بزرگوار کے بارے میں کیسی باتیں کر رہی ہیں۔" لیکن کبھی بڑی سنجیدگی سے مجھے سمجھاتے۔

"دادا میاں کہا کرتے تھے کہ بیٹا پھول تو سبھی اچھے ہوتے ہیں، پاکیزہ ہوتے ہیں لیکن تم نے کبھی سوچا کہ کنول کی پاکیزگی سب سے جدا، سب سے الگ کیوں دکھتی ہے۔ ہمہ وقت اپنی طرف متوجہ کیوں کئے رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی پاکیزگی اسکا اختیاری عمل ہے۔نیکی اور اچھائی صرف وہی ہے بیٹا جو اختیاری ہے مجبوری نہیں۔میری خواہش اور دعا ہے کہ تم بھی کنول کی

"دیکھیں جی ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ ہمیں تیسری قسم کے لوگ بالکل پسند نہیں، خالد کے ساتھ تو گزارا کر ہی لیں گے رو دھو کر مگر کنول نما خالد کو برداشت کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔"۔

خبر نہیں آج میرا ذہن اسقدر منتشر کیوں ہوئے جا رہا ہے، مشرق کی بات سوچتے سوچتے اچانک مغرب میں پہنچ جاتی ہوں۔

میں شاید اس دن کے بارے میں سوچ رہی تھی، وہ دن جس نے میری دنیا کو مکمل طور پر تبدیل دیا۔ مجھے ایک شوخ و شنگ، تھوڑی تھوڑی کاہل اور لاپرواہ لڑکی سے ایک ذمہ دار، حساس، سنجیدہ اور انتہائی محنتی ماں بنا دیا تھا۔ میری متلون مزاجی کو ٹھہراؤ میں بدل دیا تھا۔ حالات کی ایسی آندھی جو ایک لمحے میں سب کچھ بدل کر رکھ دے بہت تکلیف دہ ہوتی ہے، دل کو لہو کر جاتی ہے اور کبھی کبھار تو بقایا ساری زندگی اِس لہو لہو دل کے ساتھ ہی گزارنی پڑتی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میرے لئے مرہم موجود تھا اور پھر جاتے جاتے خالد مجھے کام بھی تو دے گئے تھے۔ جانتے جو تھے کہ فراغت میں کیسی کیسی الٹی سیدھی سوچیں مجھے تنگ کرنے پہنچ جاتی ہیں۔

اس صبح جب انہوں نے رخصت ہونے سے پہلے مجھے کہا۔ "تمہیں یاد ہے نا کہ میں عبداللہ کو کیسا انسان دیکھنا چاہتا ہوں۔" تب میرے جواب میں کس قدر غیر سنجیدگی تھی۔ "جی جی سرتاج۔۔۔ صرف یاد۔۔۔ ہمیں تو جی حفظ ہو چکیں ہیں وہ ساری خوبیاں اور اچھائیاں جو آپ عبداللہ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ویسے بھی اگر ایک ہی بات کسی کوڑھ مغز سے کوڑھ مغز انسان کے کانوں میں بھی صبح شام پڑتی رہے گی تو اُسے بھی یاد ہو جائے گی کجا کہ ہم جو اپنے تیئں خود کو آپ سے بھی کہیں زیادہ عقلمند اور ذہین فطین سمجھتے ہیں۔"۔

لیکن جس وقت ان کی میت سبز ہلالی پرچم میں لپٹی ہوئی ہمارے گھر کے آنگن میں پڑی تھی تو میرے ارد گرد موجود سارے لوگ میری نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے، ساری آوازیں معدوم ہو چکیں تھیں، میرے چاروں اور صرف ایک ہی آواز کی گونج تھی جس کی لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی بازگشت میری زندگی کا مقصد متعین کر رہی تھی۔ "تمہیں یاد ہے نا کہ میں عبداللہ کو کیسا انسان دیکھنا چاہتا ہوں۔"۔

اس دن کے بعد مجھے اس ایک بات کے علاوہ باقی کچھ یاد نہ رہا۔ میں، میری ذات، میری دلچسپیاں، میری نیندیں، میری سوچیں سب کچھ ختم ہو گیا تھا، اگر کچھ باقی بچا تھا تو صرف ایک ماں۔

میں نے عبداللہ کی پرورش کے دوران اس کی شخصیت میں خالد کے سارے خوابوں کو ایسی احتیاط سے اور اتنا سہج سہج کر ٹانکا تھا کہ اس کوشش میں میری انگلیاں کتنی ہی فگار کیوں نہ ہو گئی ہوں مگر اس کی ذات میں حالات کی سوئی کہیں کوئی سوراخ نہ کر سکی۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ میرا بیٹا فرشتہ صفت انسان ہے مگر الحمدللہ مجھے یہ یقین ضرور ہے کہ وہ انسانیت، شرافت اور تہذیب کے دامن پر کبھی بدنما داغ بھی نہیں ہو گا۔ جب صوبے بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر اسے لمز یونیورسٹی کی طرف سے وظیفہ ملا تو ہم دونوں اس قدر خوش تھے گویا ہفت اقلیم کی بادشاہی نصیب ہو گئی ہو۔ سالوں بعد میں نے عبداللہ کے پُرزور اصرار پر لپ اسٹک سے اپنے ہونٹ رنگے تھے۔ وہ دن خالد کے ساتھ گزارے گئے چند سالوں کو چھوڑ کر میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن تھا۔ سارا دن ہم ماں بیٹا چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہنستے رہے۔ عبداللہ کی شخصیت بھی خالد کی طرح شرارت اور حساسیت، بذلہ سنجی اور سنجیدگی کا بہت خوبصورت امتزاج تھی۔ لیکن جانے کیوں جامعہ میں داخلے کے بعد آہستہ آہستہ عبداللہ میں شگفتگی مفقود ہوتی جا رہی تھی اور پچھلے چند دنوں سے تو وہ مکمل سنجیدگی کے حصار میں ہے۔

***

"ماں جی آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں۔" عبداللہ کی آواز مجھے سوچوں کے گرداب سے کھینچ لائی۔ رات دریچوں اور درزوں کے راستے اندر داخل ہو چکی تھی۔ اور وہ سر پر ٹوپی رکھے شائد عشاء کی نماز ادا کرنے جا رہا تھا۔ کہیں ایسی ہی کوئی سیاہ رات چور دریچوں اور درزوں سے ہماری زندگیوں میں بھی تو نہیں گھس رہی۔

"بیٹا جی آپ نہیں جانتے کیا کہ آپ کی ماں جی آپ کی ہنسی اور آپ کی آواز کے سہارے ہی زندہ ہیں۔" میرے اندر کے ہیجان نے مجھے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھانے پر مجبور کر دیا۔ "آپ کا تو کہنا تھا کہ ماں جی اس دنیا میں میری بہترین دوست ہیں پھر اب ایسی کیا بات ہو گئی ہے جو آپ نے اپنی بہترین دوست سے بھی خود کو چھپانا شروع کر دیا ہے۔"

"آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا ماں جی، آپ نے میری تربیت صحیح نہیں کی۔" اس کی آواز نے میرے پورے جسم کو برف کے ایک تودے میں تبدیل کر دیا۔

"آپ نے میری تربیت صحیح نہیں کی ماں جی۔ آپ نے اکیسویں صدی میں مجھے اُنیس سو ڈیڑھ کا آدمی بنا ڈالا ہے۔ یہ دنیا خالص چیزوں کی دنیا نہیں رہی ماں جی۔ یہ ملاوٹ کی، آمیزش کی، ری مکس کی دنیا بن گئی ہے۔ ری مکس۔۔۔ انسانوں کا، تہذیبوں کا، زبانوں کا۔ اب اگر آپ "ونڈو لاک کر دو" کی بجائے "کھڑکی پر چٹخنی چڑھا دو" کہیں گے تو لوگ آپ پر ہنسیں گے۔ یہاں مور پنکھ لگا کر ہنس کی چال چلنے والوں پر فخر کیا جاتا ہے۔

یہ لُکس کی دنیا ہے ماں جی، اسٹائل کی، طرزِ ادا کی دنیا ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہتا کہ "دل کالے نالوں منہ کالا چنگا۔" یہاں کسی کو دل سے سروکار نہیں ہے۔ دل کالا ہو تو ہو منہ کالا نہیں برداشت ہوتا لوگوں سے۔ اب کتاب اس کا متن دیکھ کر نہیں خریدی جاتی۔ سرورق متن سے زیادہ اہم ہو چکا ہے۔

آج کل خواتین کو دیکھ کر آنکھیں جھکانا شرافت کی نہیں بزدلی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ آپ اگر لڑکیوں کو بیٹھا دیکھ کر ایک سیٹ چھوڑ کر بیٹھیں گے تو اس سے انہیں عزت کا نہیں بے عزتی کا، انسلٹ کا احساس ہو گا۔

یہ دنیا کام کی نہیں کلام کی، اذکار گفتار اور بیان کلیان کی دنیا ہے، یہ بحث اور دلیل کا زمانہ ہے۔ سمندر کا سکوت لوگوں کو ظرف نہیں اسکی بے وقوفی نظر آتا ہے۔ یہ ہمہ وقت کائیں کائیں کرتے رہنے والے کووں کی دنیا ہے ماں جی اور لوگ ان کی کائیں کائیں کے

اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ انہیں کوئل کی کُوک سُریلی نہیں لگتی۔

انسان کی عزت اسکے انسان ہونے کی بنا پر کرنے کا زمانہ نہیں رہا ماں جی۔ انسانوں کو کلاسوں میں، خانوں میں باٹنے کا زمانہ ہے۔ دولت والے، حکومت والے، شہرت والے، مڈل کلاس، اپر کلاس، لوئر کلاس اور پھر اس سے بھی آگے لوئر مڈل کلاس، اپر مڈل کلاس

محبت کی باتیں، عظمتِ انسان کی داستانیں، کیچڑ میں کھلتے کنول کے قصّے لوگوں کے کانوں میں رس نہیں گھولتے، انہیں بیزار کر دیتے ہیں۔ اب اوپر جانے کی سیڑھی اور آگے بڑھنے کی سڑک "نفرت" ہے۔ کافروں کو مسلمان کرنے سے عزت نہیں ملتی یہاں۔ مسلمانوں کو کافر قرار دینے سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ وہ وقت نہیں رہا ماں جی جب فقہء جعفریہ کے عزاداروں کا جلوس نکلتا تھا تو فقہء حنفیہ والے راستے میں ان کے لئے پانی اور شربت کی سبیلیں لگا کر بیٹھے ہوتے تھے۔

وقت بہت بدل گیا ہے ماں جی، اور اس بدلتے ہوئے وقت میں مجھے کھڑی چٹان سا ساکت بنا کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ نے میرے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا۔ آپ نے مجھے اس دنیا میں رہنے کے قابل نہیں چھوڑا ماں جی۔۔۔!"

اس کی گہر بار آنکھوں اور نمناک گالوں نے میرے بدن کو نیلا کر دیا تھا۔ شائد موت کی اذیت بھی اس اذیت سے کم ہوتی ہو جو آپ کو تب ہوتی ہے جب آپ بڑے فخر سے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ رہے ہوں اور اچانک آپ کے خوابوں کا پورا ملبہ آپ کے اپنے اوپر ہی آن گرے۔

اپنے اور خالد کے مشترکہ خوابوں کے ملبے تلے سسکتے ہوئے نجانے کیسے میرے منہ سے یہ الفاظ پھسل گئے۔

"ہاں بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ تمہاری تربیت میں مجھ سے واقعی کوتاہی رہ گئی۔۔۔ میں نے تمہیں سب کچھ سکھایا۔۔۔ میں نے تمہاری شخصیت کی تعمیر کے دوران ایک ایک ٹانکا بڑی محبت اور احتیاط سے لگایا تھا لیکن یہ سارے ٹانکے ایک ہی جھٹکے میں کھل گئے۔ اس لئے کہ میں آخر میں گرہ لگانا بھول گئی۔ میں تمہیں یہ سکھانا بھول گئی۔۔۔ کہ سچ کی خاطر، حق کی خاطر سنگ باری سہتے ہوئے بھی، طائف میں سر سے پاؤں تک لہولہان ہوتے ہوئے بھی، کیسے حق پہ ڈٹے بھی رہنا ہے اور دعائیں بھی دیئے جانا ہے۔۔۔ مجھ سے واقعی بہت بڑی بھول ہو گئی۔۔۔!"

یہ سُننا تھا کہ شدتِ گریہ سے ہچکولوں کی زد میں آئے عبداللہ کا وجود ساکت ہو گیا۔

---اختتام---

تین مصنف تین کہانیاں

انتخاب: مہوش جاوید

کُکڑ کہانی

تحریر: مہوش جاوید

آج پھر سورج ڈھلنے کے اوقات میں جب میں کاغذ اور قلم لے کر بیٹھی تو دو دن سے میرے ذہن میں مچلتی ایک مختصر سی کہانی عود آئی اور کسی ضدی بچے کی طرح اصرار کرنے لگی کہ مجھے تحریر کرو۔۔ اس کی اس بے جا ضد کو دو دن تک نظر انداز کرنے کے بعد آج میں نے اس سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔۔ اور اس کی ضد کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے بعد اب جب میں نے اس کا چہرہ دیکھا تو اُس پر ایک معصوم سی فاتحانہ مسکراہٹ ہے۔۔ میں بھی اسے دیکھ کر مسکرا دی اور پھر سر جھٹک کر تحریر کرنے لگی۔۔

ہوا کچھ یوں کہ کچھ دنوں سے اپنے دوستوں کی بزم میں کبھی 'کاگا' کہانی سننے کو ملی تو کبھی 'ککڑ'۔۔ ان کہانیوں نے تفریح کا سامان جو کیا سو کیا۔۔ لیکن پھر ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں ہمارے ماضی میں لے گئیں۔۔ جہاں ہماری زندگی میں آنے والے ایک 'ککڑ' نے ایک مختصر سے کہانی درج کر رکھی تھی۔

یہ آج سے کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے۔ اسلام آباد میں ایف سِکس سیکٹر میں ایک طویل کشادہ سڑک کے بائیں جانب قطار در قطار کھڑے تقریباً'' ہم شکل مکانات، جنھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔۔ انہی میں سے دو مکان ایسے تھے جس میں یہ ککڑ کہانی پنپ رہی تھی۔۔

آج وہ اسکول سے واپسی پر روتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو اس کے لیے کھانا پکائے انتظار میں بیٹھی اس کی ماں کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔۔ کتنے گھنٹوں بعد تو وہ اس کو دیکھ رہی تھی اور وہ بھی روتا ہوا؟ اس کو پیار کرتے ہوئے چُپ کرواتے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو پتہ چلا آج ساتھ والوں کے ککڑ نے حد ہی کر دی۔۔ پہلے تو وہ صرف پیروں یا ٹانگوں پر ہی اپنی چونچ کا ہنر آزماتا تھا لیکن آج اس نے معصوم پانچ سالہ بچی کے آدھی آستینوں سے جھانکتے بازو پر اپنی کاری گری آزمالی۔۔ ننھے ننھے بازو پر سُرخ سُرخ نشان دیکھ کر ماں کا دل بے تاب ہوا لیکن اس نے حوصلے اور صبر سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"پاپا کو آنے دو۔ وہ اُس مرغے کی خبر لے کر آئیں گے۔" ماں نے اپنی لختِ جگر کو دلاسا دیا۔ کیونکہ وہ بدلے لینے میں خود کفیل نہ تھی سو انتظار کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا۔

شام کو والد صاحب کے آنے پر انہیں بتایا گیا کہ ساتھ والوں کے ککڑ کی کاروائیاں روز بروز شدید ہوتی جا رہی ہیں۔۔ اب اس کی روک تھام کے لیے اقدامات کرنے ہی ہوں گے۔۔ بیٹی کی چوٹ اور بیوی کے اصرار نے والد صاحب کو ہمسایوں کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور کر دیا۔ ساتھ والے صاحب نیک دل انسان تھے، لیکن افسوس ان کا ککڑ ان پر نہ جا سکا۔۔ وجہ یہ بھی تھی کہ ککڑ کی صحبت وہ صاحب نہیں بلکہ ان صاحب کی شریر اولاد تھی۔۔ جس نے اس ککڑ کو بے جا لاڈ پیار کے ساتھ ساتھ انسانی خوراک کا عادی بنا کر اس کو بگاڑ رکھا تھا۔۔

سُنہری بالوں والے بارہ سالہ یاسر کا ککڑ بھی کچھ سُنہری رنگ کا ہی تھا۔ اسے اپنے ککڑ سے اس درجہ محبت تھی کہ کھیل کود میں اسے اپنے ساتھ رکھنے کے علاوہ کھاتے وقت بھی وہ اس کا خاص خیال رکھتا تھا۔۔ خاص طور پر جس روز گھر میں گوشت پکتا وہ ایک بوٹی کے ریشے علیحدہ علیحدہ کر کے اپنے ساتھی کو پیش کرتا جسے وہ مزے سے ہڑپ بھی کر جاتا۔۔ اس خوراک نے اسے تگڑا جوان تو جو کیا سو کیا، لیکن گوشت خور بھی بنا دیا۔۔

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔۔۔

کچھ ایسا ہی حال اس مرغے کا بھی تھا۔۔ اسے گوشت کی ایسی لت لگ گئی جو روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس نے آس پڑوس کے ننھے ننھے بچوں کا شکار کرنا شروع کر دیا تھا۔۔ اس کھیل سے یاسر اور اس کی بہن کافی محظوظ بھی ہوتے لیکن باقی بچوں کی جان پر بنی ہوتی۔۔ اور ہم تو ٹھہرے سدا کے ڈرپوک جو چوزے کے پاس سے گزرنے پر بھی دھک سے رہ جائیں، ہم کہاں اس آدم خور ککڑ کو سہار سکتے تھے۔۔

بس جی اس دن خدا جانے ہماری شامت آئی تھی یا اس ککڑ کی۔۔ ہم اپنے والد صاحب کے ہمراہ ہمسایوں کی بیٹھک میں موجود تھے اور ہمارے والد صاحب ہمارا ننھا بازو آگے کیے ان نیک دل صاحب کے آگے فریاد کناں تھے۔۔ وہ صاحب تو شرمندہ ہوئے جا رہے تھے جب کے ان کے بچے آنکھوں میں غصہ اور ایک خاموش دھمکی لیے ہمیں گھورے جا رہے تھے۔۔۔ خیر اس ککڑ کا ریکارڈ کیونکہ پہلے ہی کافی خراب تھا، مزید ہم پر کیا اس کا یہ وار کافی جان لیوا ثابت ہوا اور اگلے چند دنوں بعد ہمیں خبر ملی کہ وہ پیارا سُنہری آدم خور ککڑ اب اُسی ابنِ آدم کا نوالہ بن چکا ہے۔۔

جان بچی سی لاکھوں پائے۔۔

ککڑ چونکہ حلال ہو چکا تھا لہذا ہم نے اپنی جان کے چھٹنے پر سکون

کا اظہار کیا لیکن یہ بھی وقتی ثابت ہوا۔ گُگڑ کا دل شاید اس کا وہ بارہ سالہ مالک کھا گیا تھا، جبھی اس کے اندر بھی ویسے ہی ایک گُگڑ نے جنم لے لیا جو ہمیں دیکھ کر غصے سے ہم پر لپکنے کو تیار ہوتا کہ ہماری وجہ سے اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔۔ لیکن خیر اب وہ صرف غصہ ہی کھا سکتا تھا، ہمارا گوشت نہیں۔۔

اور ہمارے لیے یہ بھی کافی تھا۔۔

ہم انسان سوچیں تو ہمارے اندر بھی کہیں نہ کہیں ایک ایسا ہی گُگڑ چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔۔ ایک بُھوکا گُگڑ۔۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم اس کی کیسی پرورش کرتے اور اس کی بھوک کو کتنا بڑھاتے یا گھٹاتے ہیں۔۔ خواہشوں کے اس گُگڑ کو اگر ہم اس کا مطلوبہ دانہ ڈالتے رہیں گے تو وہ بھی ہمہ وقت منہ کھولے، طلب آمیز نظروں سے آپ کو دیکھتا رہے گا۔۔ اور اس کی یہ بُھوک مٹنے کی بجائے بڑھتی جائے گی۔ اس کے برعکس اگر ہم اسے قناعت، صبر اور برداشت کے دانے ڈالیں گے تو دھیرے دھیرے اس کی بُھوک بھی مٹنے لگے گی اور اس کے اندر قناعت اور شکر گزاری بھی در آئے گی۔۔

نفس کے اس بُھوکے گُگڑ کو قابو کرنا ہی ہماری زندگی کا سب سے مشکل کام ہے، لیکن اگر ہم ایسا کر لیں تو اس کے بعد سب آسان، سب اچھا ہے۔۔۔

***

آہستہ چلیے، یہاں گدھے رہتے ہیں

تحریر: آمنہ احمد

جاب سے واپسی پر روز مجھے بیٹی کو لینا ہوتا ہے۔۔۔ اس کے ساتھ اس کی ایک فرینڈ بھی ہوتی ہے جسے واپسی پر گھر چھوڑنا میں نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے۔۔۔ یہ ایرانی ماں اور عراقی باپ کی بیٹی ہے اور میری بیٹی کی بہت عزیز دوست ہے۔۔۔۔ اس کی ماں کا خاندان شاہ ایران کے زوال کے بعد وہاں سے چھپ چھپا کر بھاگا تھا۔۔۔۔ اب انہوں نے شہر سے باہر پہاڑی پر واقع گھر لیا ہوا ہے۔۔۔ یہ لوگ اپنے کلچر سے جڑے دنیا سے شاید چھپ کر رہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔۔

دونوں بچیاں سکول کی عمارت کے سامنے کھڑے ہو کر میرا انتظار کرتی ہیں جبکہ میں سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی کر کے ان کا انتظار کرتی ہوں۔ ان کے وین میں بیٹھتے ہی میں السلام علیکم کہتی ہوں۔ جواب کے بعد بیٹی کی دوست کہتی ہے "ہاؤ آر یو؟" اور پھر میری بیٹی اس کی تقلید میں پوچھے گی "ہاؤ واز یور ڈے ٹو ڈے؟" میرے جواب کا انتظار کیے بغیر باقی کے مختصر سے سفر کے دوران دونوں سہیلیاں ارد گرد سے بے خبر گپیں مارتی رہتی ہیں۔ یہ ان کا ہر روز کا معمول ہے۔

ہاں تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ روز واپسی پر ہم بیٹی کی دوست کو چھوڑنے جاتے ہیں۔۔۔ اس کے گھر کا راستہ ایک پر پیچ تنگ سی سڑک ہے جس کے دونوں طرف فارم ہاؤسز ہیں اور اکثر گھوڑے، بھیڑ، بکریاں، لاما اور دوسرے جانور دیکھنے کو ملتے ہیں۔۔۔ کبھی کبھی بطخیں اور مرغیاں بھی چہل قدمی کرتی نظر آتی ہیں۔۔۔ سکول سے تین منٹ کے فاصلے پر شہر گاؤں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور آپ خود کو وادی کے اطراف پہاڑیوں پر موجود پاتے ہیں۔

واپسی کا سفر زیادہ دلکش ہے کیونکہ نا صرف ہمیں اپنی وادی نظر آ رہی ہوتی ہے بلکہ اطراف میں موجود مزید وادیاں بھی نظر آ رہی ہوتی ہیں۔ اگر کبھی کسی تقریب کی وجہ سے رات دیر ہو جائے تو وادی میں موجود روشنیاں آپ کو مسحور کر دیتی ہیں اور جی چاہتا ہے کہ وقت یہیں تھم سا جائے۔ پتا نہیں پہاڑی کی ڈھلانوں پر رہنے والوں کو بھی اس منظر میں ایسی کشش محسوس ہوتی ہے یا پھر وہ اس کے عادی ہو چکے ہیں اور ہم مسافر ہی ان بل کھاتے راستوں کے فسوں میں مبتلا ہیں۔!

مگر اس سب سے قطع نظر اس سڑک کی سب سے منفرد بات وہ روڈ سائن ہے جو شہری آبادی سے نکلتے ہی سڑک کے کنارے لگا ہوا ہے۔ اس سائن پر ایک گدھے کی تصویر ہے اور ساتھ میں سلو کا لفظ لکھا ہوا ہے۔۔۔۔ میں اس کا ترجمہ اس طرح کرتی ہوں۔۔۔۔ " آہستہ چلیے، یہاں گدھے رہتے ہیں۔۔۔۔"۔ اور ہاں جیسے جیسے سردی کم ہوتی جاتی ہے اور موسم میں خوشگوار تبدیلی آتی جاتی ہے گدھوں کی تعداد میں مناسب اضافہ بھی پہاڑی چراہ گاہ میں بخوبی نظر آنے لگتا ہے۔۔۔ ترقی یافتہ ملک کے آزاد گدھے!

***

جاؤں تو جاؤں کہاں

تحریر: مون

پاکستان سے امریکہ آتے ہوئے میری خُوشی کی انتہا نہیں تھی۔ وجوہات تو بہت ساری تھیں پر زیادہ بڑی وجوہات دو تین ہی تھیں۔ اپنی ماں سے برسوں بعد ملنے ان کی گود میں سر رکھ کر لمبی مسافت کی تھکاوٹ اُتارنے کی حسرت تھی تو ساتھ ہی گھر میں بیٹے بیٹیوں، پوتے پوتیوں سے زیادہ محبت پانے والی بکریوں، مرغیوں، مرغوں سے چھٹکارے کی خُوشی تھی۔

گاؤں کی الہڑ نا سہی، مٹیار ضرور ہوں اسی لیے مرغیوں، بکریوں اور کھیتوں سے لگتا ہے جنم جنم کا ساتھ ہے۔ بلکہ مجھے لگتا تھا پیدائش کے وقت میرے کان میں اذان بھی کسی مرغے یا بکری نے دی ہو گی۔ جب برتھ سرٹیفکیٹ دیکھا تو تسلی ہوئی کہ ملٹری اسپتال میں یہ دونوں مخلوقات نہیں ہوتی ہیں۔

بچپن میں ان مخلوقات سے مجھے دور رکھا گیا تھا یہ میرا خیال ہے لیکن دادی کا کہنا ہے ان کو میری پہنچ سے دور رکھا گیا تھا کبھی پتا نہیں چل سکا تھا کہ دونوں میں سے کس کو کس سے زیادہ خطرہ تھا۔

میری صلاحیتوں پر ہمیشہ سبھی کو شک رہا ہے۔ عجیب شکی دُنیا ہے۔

اک دن سکول سے واپس آئی تو امی اور دادی ایک چوزے کو پانی پلا رہی تھیں۔ پتا چلا چیل صاحبہ نے شاید اغوا برائے تاوان کا قصد کیا تھا لیکن جانباز چوزا پرواہ کیے بنا چیل کے پنجوں سے لڑتا ہوا سیدھا دادی کی بنائی ہوئی ماش کی بڑیوں کے ڈھیر میں لینڈ کر گیا۔

یہی لینڈنگ کسی پوتے پوتی نے کی ہوتی چاہے چیل کے پنجوں سے نکل کر ہی، دادی بڑیوں کی شان میں یہ گستاخی مرتے دم تک معاف نا کرتیں۔ لیکن چوزے تو چوزے ہوتے ہیں۔ گوشت فراہم کرتے ہیں اس لیے بڑیوں کا خُون معاف ہوا۔ اور انسان کے بچے یہ گوشت ہڑپ کرتے ہیں نا قابل معافی جُرم۔

مارے دُکھ کے میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حسب توفیق بد دُعائیں چیل کو دیں کہ اللہ کرے کوئی اسے بھی اغوا کر لے جائے ہاتھ پاؤں توڑ کر بھیک منگوائے۔

امی سے کہہ کر چوزے کو گود لے لیا پیار کی حد تو یہ تھی کہ اس کے لیے لنگوٹ تک سی ڈالے۔ لڑکیاں سلائی گُڑیا کے کپڑے بنا کر سیکھتی ہیں اور میں نے چوزے کے لنگوٹوں سے کی۔ بھائیوں نے مذاق بھتیرا اُڑایا مگر ہائے رے۔۔۔ تیری اُلفت میں۔۔۔

چڑھتی جوانی (چوزے کی) نے بتایا کہ چوزا ایک گھبرو جوان ہے کوئی نازک اندام حسینہ نہیں۔

سب سہیلیوں بھائیوں کزنز سے مشورے کے بعد مرغے کا نام "گُگڑو" رکھا۔ سب کا خیال تھا مرغے کو یا تو سُلطان راہی کا نام دیں کہ اس کی قد و قامت پنجاب کے گھبرو جیسی تھی یا پھر گُگڑو کُوں رکھ لیں۔ کیونکہ بڑی اُونچی تان میں بانگ دیتا تھا ظالم۔

آج سوچتی ہوں اس کا نام اکڑو رکھتی تو زیادہ بہتر تھا، اس کی شخصیت کو زیادہ سوٹ کرتا۔

کم بخت جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا میرا ہی دُشمن ہوتا گیا۔ اب دیکھیں نا تھوڑی بہت دُھلائی تو ماں باپ یا پالنے والے کرتے ہی ہیں۔ میں نے اک آدھ ہاتھ لگا دیا تو کیا بُرا کیا اس کی بہتری کے لیے ہی تھا۔

روز میری ہی چارپائی کے نیچے گُھس کر پہلی اذان صُبح تین بجے دیتا تھا۔ دوسری اذان صُبح پانچ بجے دیتا تھا۔ تیسری یہی کوئی ساڑھے پانچ یا سے چھ کے درمیان۔ میرا خیال ہے تیسری اذان سے پہلے غرارے کرتا ہو گا کہ تیسری دفعہ بہت زور کی اذان دیتا تھا۔

اک دن تیسری اذان کے وقت میں نے جوتا کھینچ مارا اسے۔ اذان حلق میں ہی رہ گی (مرغے کی) اور آنکھیں جیسے پھٹنے کو تیار تھیں (میری) کہ جوتا کھاتے ہی اذان ملتوی کر کے اس نے میری چارپائی پر حملہ کر دیا۔ اس دن اُٹھتے ہی میرے مُنہ سے ابھی بہت نیند آرہی ہے جیسا جُملہ سُننے کی بجائے چیخیں آدھے محلے نے تو ضرور سُنیں۔

اس کے بعد تو جیسے اسے مُجھ سے دُشمنی ہی ہو گئی۔ گو محبت مجھے بھی نا رہی تھی اس لیے اس کو گھی شکر والی چوری بنا کر دینا، کھیتوں سے پیلو لا کر کھلانا، باجرے کی ننھی پنیاں، ساگ، پالک کی گندلیں کاٹ کر کھلانا، دادی کی الماری سے مربہ نکال کر دینا، راکھ میں دبا کر پکائے ہوئے مٹر، آلو اور پیاز میں حصہ دینا، اور اپنی لاڈو رانی کلو بیگم کے ساتھ چہلیں کرنا سب بند کروا دیا۔ ویسے یہ پابندی رکھنے کا فائدہ کوئی نہیں تھا کہ کلو بیگم چالاک تھیں۔ نظر بچا کر نکل جاتی تھیں تپلی گلی سے۔

کلو رانی میری لاڈلی مرغی تھی اس کو کلو کا نام ہم نے ڈرامہ دیکھنے کے بعد دیا تھا۔

اس کے بعد تو گُگڑوں میاں نے قسم کھالی تھی شاید۔ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ اشراق، تہجد اور شاید نوافل کی اذانیں بھی اس نے دینا شروع کر دی تھیں اور ہر اذان میرے نزدیک آکر دیتا تھا۔ پہلے دن کے تجربہ کے بعد میں نے جوتے کو نہیں اُٹھایا بس خون کے گھونٹ بھرتی تھی اور مرغے میاں ہر اذان کے بعد فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے سینہ پُھلائے اپنی بیگم صاحبہ کے پاس چلے جاتے۔ شاید بہادری کی داد لینے کو۔

کئی دفعہ میری ہوم ورک کی کاپی پر چڑھ کر بیٹھ جاتا تھا جس کا مجھے کوئی افسوس نا تھا کہ ہوم ورک سے مجھے کوئی خاص محبت نہیں رہی کبھی۔ رہی سہی کسر اس نے ہماری کلو بیگم کو دھوکہ دے کر پوری کر دی۔

ہمسائے کی رمشاء بیگم کی مصری مرغی کے ساتھ پینگیں ڈال لیں اور ہماری کلو بیگم جو واقعی کالی سیاہ تھیں اس مصری چالاکو کے حُسن کے سامنے ماند پڑ گئیں۔

جس دن کلو بیگم بیمار ہوئیں اس دن رمشاء سے خُوب لڑائی کی جا کر کہ اپنی چھمک چھلو کو سنبھال کر رکھو لوگوں کے مرغوں کا ایمان خراب کرنے کو رکھ چھوڑا ہے۔ اب کے نظر آئی میرے مرغے کے پیچھے آتی تو جُھمن چاچا کی دُکان کے پچھواڑے جا کر اس کے پر تلاش کر لیجیو۔ ایسی دھمکیوں سے رمشاء بی تو ڈر گئیں لیکن مصری حسینہ نا ڈری۔ زبان سمجھتی میری تو شاید اسی دن کہیں اور کو ہجرت کر جاتی۔

لیکن اس کی نوبت ہی نا آسکی۔ ابو کے ماموں زاد دس سال بعد جرمنی سے آئے تو گھر والوں کی ظالم نظر میری کلو بیگم پر پڑ گئی۔ اور میں سوتی ہی رہ گئی۔ ھق ہاااا!!!! ہر محبت کرنے والے کی محبت پر سوتے میں ہی ظالم دُنیا نے ڈاکہ مارا۔

جب تک خبر ہوئی کلو بیگم شوربے میں تیرتی ماموں میاں کے سامنے ڈونگے میں پڑی تھیں۔ ایسی زور کی بھڑک ماری کہ ماموں میاں کے ہاتھ سے نوالہ بھی چھوٹ کر گر گیا۔ خوب جذباتی تقریر کی اور ان کے سامنے بیٹھ کر خوب آنسو بھی بہائے۔ لاکھ دادی، پھوپھو نے بازو کھینچا کہ اُٹھو یہاں سے مگر جب تک سوگ منا نا لیا چین نہیں ملا۔

اس دن سے گُگڑو سے ایسا دل اُٹھا کہ دن رات اس کو گھر سے نکالنے کے طریقے سوچنے لگی۔

بھیا سے نظر بچا کر اک دن جُھمن چاچا (قصائی) سے کہا کہ آپ کے لڑاکے مرغے ہمارے گُگڑو کے سامنے پانی بھرتے نظر آئیں گے کبھی دیکھیے تو سہی اسے۔

وہ تو سوجان سے مرغے میاں پر فدا ہوئے اور ابو سے بات کر کے اسے لے کر ہی ٹلے۔ جوہری کو ہیرے کی اور جُھمن چاچا کو مرغوں کی پہچان تھی۔ لڑاکے کو پالش کر کے مزید لڑاکا بنا ڈالا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد سُنا تھا گُگڑو میاں نے جبراً ریٹائر منٹ لے لی ریسلنگ سے اور جُھمن چاچا نے اسے عزت سے کاٹ پیٹ کر کھالیا تھا۔

وقت گزرتا رہا کئی مرغیاں آئیں مرغے گئے مگر کلو بیگم نا تھیں تو میری دلچسپی بھی نہ رہی۔ (مرغے اس لیے گئے کہ میں نے دادی جی کو یہ یقین دلایا کہ مرغے رکھنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں مرغیوں سے تو انڈے مل جاتے ہیں مرغے چیخ وپُکار کے علاوہ کرتے ہی کیا ہیں) کئی مرغے آئے، کئی گئے، بس ہر ایک نے بانگ دے کر میری نیند حرام کرنا نہ چھوڑا۔ رب جانے اس سے ان کو کوئی جذباتی تسکین ملتی تھی کہ حلق پھاڑ کر آواز نکالیں اور لوگ واہ واہ کریں کہ اذان دی ہے۔

پاکستان سے نکلتے وقت میری خُوشی کی وجہ زیادہ یہی تھی کہ اب سے ایک سال پہلے تک تو واقعی میں اسی سکون اور خُوشی سے رہی کہ مرغی/مرغے اب صرف کٹی کٹائی سٹوروں پر نظر آتی ہے یا ٹی وی وغیرہ پر گھروں میں نہیں۔

جب ہم اپنے نئے گھر میں منتقل ہوئے تو ہفتہ بھر بعد رات چار بجے اچانک آنکھ کھل گئی میری۔ پہلے تو سمجھ ہی نہیں آیا کیا ہوا ہے اس لیے اُٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگ گئی۔ بیک یارڈ میں جھانکنے پر دل دھک سے رہ گیا کہ دیوار پر ایک مرغا کھڑا بانگ دے رہا ہے۔ میں یوں پیچھے ہٹی جیسے بدروح دیکھ لی ہو۔ صُبح کو ہمسائے کے گھر جھانک کر دیکھا تو میرے خدشے کی تصدیق ہوئی ان لوگوں نے دو مرغے پالے ہوئے ہیں۔

سوچ رہی ہوں پاکستان سے تو بھاگ نکلی اب کہاں جاؤں؟

بات بات میں فرق

کہتے ہیں کسی بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اُس کے سارے دانت ٹوٹ کر گر پڑے ہیں

بادشاہ نے خوابوں کی تعبیر و تفسیر بتانے والے ایک عالم کو بلوا کر اُسے اپنا خواب سُنایا

مفسر نے خواب سُن کر بادشاہ سے پوچھا؛ بادشاہ سلامت، کیا آپکو یقین ہے کہ آپ نے یہی خواب دیکھا ہے؟

بادشاہ نے جواب دیا؛ ہاں، میں نے یہی خواب دیکھا ہے۔

مفسر نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور بادشاہ سے کہا؛ بادشاہ سلامت، اسکی تعبیر یہ بنتی ہے کہ آپکے سارے گھر والے آپ کے سامنے مریں گے۔

بادشاہ کا چہرہ غیض وغضب کی شدت سے لال ہو گیا۔ دربانوں کو حکم دیا کہ اس مفسر کو فی الفور جیل میں ڈال دیں اور کسی دوسرے مفسر کا بندوبست کریں۔

دوسرے مفسر نے آکر بادشاہ کا خواب سُنا اور کچھ ویسا ہی جواب دیا اور بادشاہ نے اُسے بھی جیل میں ڈلوا دیا۔

تیسرے مفسر کو بلوایا گیا، بادشاہ نے اُسے اپنا خواب سُنا کر تعبیر جاننا چاہی۔ مفسر نے بادشاہ سے پوچھا؛ بادشاہ سلامت، کیا آپکو یقین ہے کہ آپ نے یہی خواب دیکھا ہے؟

بادشاہ نے کہا؛ ہاں مجھے یقین ہے میں نے یہی خواب دیکھا ہے۔

مفسر نے کہا؛ بادشاہ سلامت تو پھر آپکو مُبارک ہو۔ بادشاہ نے حیرت کے ساتھ پوچھا؛ کس بات کی مبارک؟

مفسر نے جواب دیا؛ بادشاہ سلامت، اس خواب کی تعبیر یہ بنتی ہے کہ آپ ماشاءاللہ اپنے گھر والوں میں سے سب سے لمبی عمر پائیں گے۔

بادشاہ نے مزید تعجب کے ساتھ مفسر سے پوچھا؛ کیا تمہیں یقین ہے کہ اس خواب کی یہی تعبیر بنتی ہے؟

مفسر نے جواب دیا؛ جی بادشاہ سلامت، اس خواب کی بالکل یہی تعبیر بنتی ہے۔

بادشاہ نے خوش ہو کر مفسر کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔

سبحان اللہ، کیا اس بات کا یہی مطلب نہیں بنتا کہ اگر بادشاہ اپنے گھر والوں میں سے سب سے لمبی عمر پائے گا تو اُسکے سارے گھر والے اُس کے سامنے ہی وفات پائیں گے؟

جی مطلب تو یہی بنتا ہے مگر بات بات میں فرق ہے

مرسلہ: وش

آخری کلمات

تحریر: نداسلیمان

ٹک ٹک !! ٹک ٹک !!

یہ کیسی آواز تھی؟ایسالگا کسی نے دستک دی ہو۔

"شش شش شش شش!!"

کک کون ہے؟

" میں ہوں! "

میں کون؟

"ہاہا۔ہاہا۔۔۔ کیا مجھے نہیں جانتیں؟"(اف کتنی بھیانک ہنسی ہے)

تم آخر کون ہواور کہاں ہو؟مجھے نظر کیوں نہیں آتیں؟

" بھول گئیں؟افسوس! اتنی بار ہماری ملاقات ہوئی پھر بھی بھول گئیں؟"

ہائے اللہ نہ جانے کون ہے۔ارے سامنے آ کون ہو آخر؟

"اچھا! سامنے آ ں؟ جھیل سکتی ہو مجھے؟"

اوہو آخر ہو کون؟آ بھی آجا میرا وقت بڑا قیمتی ہے، میں بیکار لوگوں سے بات نہیں کرتی کون ہو تم سامنے آ ۔

"اچھا؟ بیکار لوگوں کو بہت یاد کرتی ہو پر بات نہیں کرتیں؟ حیرانی ہوئی سن کر۔۔!!"

عجیب جسم وجاں میں سناٹے دوڑاتی آواز تھی وہ،ایسی آواز جو جسم کی ہر حس کو ساکت کردے،کوئی حس کسی بھی کیفیت کو محسوس کرنے کے قابل نہ رہے، عجیب ویران سی آواز۔۔ایسی ویران آواز جس میں ہزار صحراؤں کے سنّاٹوں کی پر ہول گونج سنائی دے، جسم وجاں کو بے جان کرتی آواز۔۔!!

مجھے لگا یہ آواز میں نے بارہا سنی ہو، کہاں سنی میں نے یہ آواز؟ میری یہ سوچ اس وقت ساکت ہوگئی جب اس آواز والی نے اپنا دیدار کروایا۔۔۔ اف میرے خدا۔۔۔ یہ تم ہو!! ک ک۔۔ کیوں آئی ہو؟

" ہاہاہاہا۔ہاہا۔ہاہا"

اف !! کتنی سرد آواز تھی اسکی، اور کتنی کھردری اور بھیانک ہنسی،ایسالگا کئی کانٹے اک ساتھ روح میں چبھ گئے ہوں اور اسکی سرد نظریں۔۔میرے خدا!! اور ان نظروں کا وہ دہشت ناک تاثر جس سے سارا وجود تھرّا اٹھا۔۔اور ان نظروں کے اس سرد تاثر کے باوجود میری آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔۔ وہ سارے منظر یاد آگئے جو اس ہستی سے عارضی ملاقاتوں کے درمیان رونما ہوئے تھے۔اور اُن یادوں سے آنکھوں میں آنسو ں کے سمندر بننے لگے، میں کرب کی اُن اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگی جو اس ہستی سے کچھ عارضی ملاقاتوں کی وجہ سے میں نے جھیلا تھا۔ میرے آنسو اسے حیران کر گئے۔کہنے لگی:

"ارے کیوں روتی ہو؟میں یہاں سے گذر رہی تھی سوچا تم سے بات کرتی چلوں،تم کیا سمجھ رہی ہو؟ شاید یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں لینے آئی ہوں؟ نہیں وہ ہماری ایک ملاقات، فیصلہ کن ملاقات ضرور ہوگی جب میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گی۔ابھی وہ وقت نہیں آیا۔یہ وہ ملاقات نہیں ہے ڈیئر۔

مجھے اسکی بات سن کر کچھ سکون محسوس ہوا۔اب غصے نے یلغار کی کہ وہ کیوں مجھے ہی تنگ کرنے چلی آتی ہے۔۔۔اسکی موجودگی نے اب بھی دہشت میں مبتلا کیا ہوا تھا۔میں ہمت کرکے پوچھ بیٹھی کہ تم کیوں آئی ہو؟ میرا یہ سوال اسکے لبوں پر مسکراہٹ لے آیا۔۔ بھیانک وجود کی بھیانک مسکراہٹ۔۔ اففف میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے،وہ کہنے لگی:

"ارے ڈیئر، یہاں سے گذرتے ہوئے میرا جی چاہا کسی سے بات کرنے کو اور اتفاقاً تم نظر آگئیں تو میں نے سوچا تم بھی علم کی شیدائی ہو چلو تمہارے علم میں اضافہ کروں اور لگے ہاتھوں ایک سوال بھی کرلوں۔"

اب مجھے اس کی بات پر ہنسی آنے لگی۔ میں نے کہا"کیا تم یہ بتا کر میرے علم میں اضافہ کروگی کہ آج تم سے مل کر اتنے فیصد لوگ اپنی جان سے گزر گئے؟اگر ہاں تو مجھے اپنے علم میں اس طرح کا اضافہ نہیں چاہیئے اور میں تمہارے کسی بھی سوال کا جواب دیناضروری نہیں سمجھتی۔ سمجھیں تم؟بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔

" اے لڑکی دیکھو میں اتنی بری بھی نہیں ہوں جو تم یوں مجھ سے دور بھاگ رہی ہو۔کئی لوگ تو بہت خوشی سے مجھے گلے لگاتے ہیں اور جب جب ان پر مصیبت آتی ہے تو مجھے یاد کرتے ہیں اور بے تحاشہ یاد کرتے ہیں اور انہیں یوں لگتا ہے کہ میرا وجود انہیں ہر مصیبت سے نجات دلادے گا اور تمہارا بھی شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے شاید؟کیا تم نے ہر مصیبت میں مجھے یاد نہیں کیا؟"

اس کا یہ سوال مجھے شرمندہ کر گیا۔واقعی کتنا غلط کرتی تھی میں۔ کتنی ناشکری تھی کہ ہر مصیبت،غم،پریشانی سب کا علاج بس وہی یہ نظر آتی تھی مجھے۔ہاں یہی ہستی یعنی موت!!

حالانکہ موت اگر دنیاوی پریشانیوں سے نجات دلا بھی دے تو اخروی حالات کو بھی تو جھیلنا ہے اور یہاں سے زادِ راہ جمع نہ کیئے ہوں تو وہاں کی مصیبت، غم اور پریشانی کا سامنا کیسے کرپائیں گے؟

مجھے مصیبت کے وقت اسے یاد کرنے پر دلی ندامت ہوئی۔ اللہ مجھے معاف کرے۔اس نے یعنی موت نے مجھے شرمندگی کے کٹہرے میں لاکھڑا کیا۔اللہ تعالی غفور الرحیم ہیں اور جو بندہ اپنی غلطی پر دل سے ندامت محسوس کرلے اللہ پاک معاف فرمادیتے ہیں۔اللہ مجھے بھی معاف کرے۔

بے شک موت اک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ جس سے فرار یا انکار محال ہے۔کوئی بھی جاندار اس کائنات میں چاہے جتنی لمبی زندگی بسر کرلے اسے بلآخر موت کی وادی میں خیمہ زن ہونا ہی پڑتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ایک ہزار برس کی عمر پائی، نوح علیہ السلام نوسو نوے سال زندہ رہے، سمود نے بھی ایک ہزار سال

اس دنیا میں گذارے لیکن آخر کار موت کا ذائقہ سب کو چکھنا پڑا۔ موت کو آج تک کسی بھی حربے یا تجربے سے شکست نہیں دی جا سکی اور نا ہی ایسا ممکن ہے۔ لیکن ایسا بھی کیا کہ ہر پریشانی کے وقت انہی محترمہ یعنی موت صاحبہ کو یاد کیا جائے۔ میں انہی خیالات میں غلطاں تھی کہ اس کی آواز سنائی دی۔ کہنے لگی:

'' کیا تمہیں علم ہے کہ لوگوں کے وہ سارے اقوال جو وہ مجھ سے ملتے وقت یا یوں سمجھو اس دنیا کو چھوڑتے وقت ادا کرتے ہیں سب میری یاداشت میں محفوظ ہیں۔''

مین نے کہا اچھا مجھے ان میں سے کچھ مشہور لوگوں کے اقوال بتاؤ اور اس نے مجھے بہت سے لوگوں کے بارے بتایا جن میں سے چند یہ ہیں:

'' شاعرِ مشرق اور ترجمانِ خودی علامہ اقبال بسترِ علالت پر تھے، وہ اپریل سنہ انیس سو اڑتیس کی اکیس تاریخ تھی علامہ اقبال یہ رباعی دہرا رہے تھے:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟

نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟

سر آمد روزگارِ ایں فقیرے

دگر دانائے روز آید کہ ناید

اور جب علامہ اقبال کے بھائی نے جو وہیں آپ کے بستر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس رباعی کو سن کر آپ کو تسلی دینے لگے کہ '' ان شاءاللہ آپ بہت اچھے ہو جائیں گے'' علامہ صاحب نے کہا'' آپ مجھے جھوٹی تسلی دیتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہے۔ ایک مسلمان موت سے کبھی نہیں ڈرتا'' اور پھر یہ شعر پڑھنے کے بعد ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی:

''نشانِ مردِ مومن باز تو گویم

جو مرگ آید تبسم برلب اوست''

''اور جب مہاتما گاندھی کو تیس جنوری سنہ انّیس سو اڑتالیس کو سینے پر گولی ماری گئی تو ان کے آخری الفاظ تھے'' ہائے رام''

پھر اس نے مجھے قائدِ ملت محمد علی جناح کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایّام زیارت میں بسر کیئے۔ وہ گیارہ ستمبر انّیس سو اڑتالیس کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اور مرتے وقت بار بار ایک ہی لفظ دہراتے تھے '' کشمیر! کشمیر۔''

ٹیپو سلطان کے بارے میں بتایا کہ جب ان کا آخری وقت تھا تو انہوں نے شیروں کی طرح اپنی حیات کے آخری الفاظ کہتے ہوئے جان خالقِ کائنات کے سپرد کردی۔ انہوں نے کہا تھا'' اسی تیزی سے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔''

پھر اس نے مجھے بتایا کہ '' جب بہادر شاہ ظفر نے سنہ اٹھارہ سو باسٹھ میں موت کا جام پیا تو وہ یہ کہہ چکے تھے کہ '' موت نے بہت دیر سے میری خبر لی''

اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر کے آخری الفاظ کے متعلق بتایا کہ انہوں نے فارسی میں کہا تھا: ''طرفہ ہنگامہ برپا شد نیست''

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے بارے میں بتایا کہ شہنشاہ جلال الدین اکبر نے حالتِ نزع میں جہانگیر کا ہاتھ پکڑ کر کہا'' میرے ساتھیوں کا خیال رکھنا۔''

'' شاعرِ اعظم رابندر ناتھ ٹیگور نے مرتے وقت دائیں ہاتھ کی انگلی سے ہوا میں لکیریں کھینچیں پھر یوں کہا'' میں نہیں جانتا کیا ہو گا؟''

بریگیڈیئر عثمان کے بارے میں اس نے بتایا کہ جب وہ انیس سو اڑتالیس میں اپنے دستے کی قیادت کر رہے تھے اور پاکستانی و ہندوستانی فوجوں کے درمیان زبردست معرکے کا سماں تھا، انہیں گولی لگی تھی تب ان کے جو شجاعانہ الفاظ تھے وہ ایک دلیر انسان کو ہی زیب دیتے ہیں کہ '' میں مر رہا ہوں، لیکن جس علاقہ کے لیئے لڑ رہے ہیں وہ دشمن کے ہاتھ میں کبھی نہ جانے پائے''

''اور ابو الاثر حفیظ جالندھری نے سنہ انیس سو بیاسی میں اپنی وفات کے وقت کہا تھا'' موت کتنی اچھی چیز ہے کہ سارے عزیز و اقارب میرے پاس کھڑے ہیں۔''

وہ مجھے شہرت کی بلندیوں کو چھونے والوں کے آخری لمحات کا احوال بتاتی رہی اور میں سوچ رہی تھی کہ واقعی کسی حکیم کا کتنا صحیح مقولہ ہے کہ '' اگر تم کسی انسان کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو، اس وقت تک انتظار کرو جب تک کہ وہ موت سے ہمکنار نہ ہو۔ پھر دیکھو کہ وہ موت کے فرشتے کا استقبال کیسے کرتا ہے۔''

واقعی موت کی دستک سنتے ہی انسان اپنے چہرے کی تمام مصنوعی نقابیں نوچ کر پھینک دیتا ہے۔ موت ایک ابدی سچائی ہے۔ انسان اس سے بغاوت کا دعویٰ قطعاً نہیں کر سکتا۔ زمانہ جانتا ہے کہ اس جہاں میں اربوں لوگ آئے اور چلے گئے اور یہ نظام اب بھی اپنے پورے سیاق و سباق کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

قرآنِ کریم کا استدلال تو ہر دور، طبقے، قوم، مذہب اور فرقے کے لیئے قابلِ عمل ہے۔ وہ پکار پکار کر منادی کر رہا ہے'' ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے'' (آلِ عمران: ۱۰۵)

ان سب کے وقتِ آخر کے احوال سننے کے بعد میں سوچ رہی تھی اور اب بھی یہی سوچ دل و دماغ میں گردش کرتی رہتی ہے کہ ایک مسلمان اور مومن ہونے کے ناطے میرے آخری وقت میری زبان پر کونسے کلمات ہونے چاہیئے؟ وہ کونسے کلمات ہیں جن سے میں نجات یافتہ کہلائی جا سکوں۔ اور اس کا جواب ہم سبھی کو معلوم ہی ہے۔ ایمان پر خاتمہ اور ایسا خاتمہ کہ دل ایمان کے نور سے منور ہو اور زبان پر خدا کی وحدانیت اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول ہونے کی گواہی ہو تبھی تو نجات یافتہ ہونگے ہم۔

لیکن کیا ہم ان کلمات کو اس آسانی سے ادا ہو جانے کے لیئے کوئی تیاری کر رہے ہیں؟

یہ سوال مجھے اکثر ہی ڈنک مارتا رہتا ہے کیا آپ کو بھی؟

تصویر کا دوسرا رُخ

تحریر: ماریہ کلام

سماجی اقتصادی نظام کے تحت کرہ ارض پر آباد افراد کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ متمول طبقہ یا طبقہ اشرافیہ، متوسط طبقہ اور نچلا یا غریب طبقہ۔ ماہرین معاشیات ان میں سے ہر ایک کو مزید تین طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔

پاکستان میں یہ تمام طبقات بستے ہیں۔ ہمارے زیرِ بحث یہاں وہ طبقہ ہے جو طبقہ اشرافیہ اور مزدور پیشہ طبقہ کے درمیان اپنی جگہ بناتا ہے، جسے عرفِ عام میں متوسط طبقہ کہا جاتا ہے۔ مختلف ممالک میں متوسط طبقہ کی تعریف الگ طریقے سے کی جاتی ہے۔

جیسے کہ انڈیا کے شہری علاقوں میں جو اپنا ذاتی مکان رکھتے ہوں متوسط طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ امریکہ میں وائٹ کالر ملازمت سے وابستہ لوگ بھی متوسط طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ برطانیہ میں پڑھا لکھا طبقہ جو ذاتی مکان رکھتا ہو اور مینجریل سطح کی نوکریاں کرتا ہو۔ ہم یہاں پاکستان کے متوسط طبقہ کے بارے میں ذکر کر رہے ہیں جو کہ روز بروز بڑھتی مہنگائی کی وجہ سے مزدور طبقہ میں شمار ہونے لگا ہے۔

اب میں اپنی اصل گفتگو کی طرف آتی ہوں۔ ہو سکتا ہے میرے اس مضمون سے اکثر لوگ کہیں کہ میری آنکھیں بند ہیں یا میں سرے سے اصلیت دیکھنا ہی نہیں چاہتی۔

مگر میں جو اپنے ارد گرد مشاہدہ کرتی ہوں صرف اسی کو الفاظ کی صورت سامنے لاؤں گی۔

مغرب میں پاکستان پر بننے والی دستاویزی فلموں میں زیادہ تر پاکستان کی غربت اور مفلسی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان فلموں میں پاکستانی معاشرے میں خواتین کو حاصل حقوق اور ان کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کو بھی مثبت انداز میں نہیں دکھایا جاتا بلکہ زیادہ تر منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

"ایک یہ کہ پاکستان اسلامی ملک ہے لیکن یہاں کی خواتین پھر بھی مالز اور سیر و تفریح کے مراکز وغیرہ پہ پردہ نہیں کرتی۔

دوسرے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ پاکستانی خواتین کی اکثریت اپنے بھائیوں، شوہروں اور والدین کے ہاتھوں مظالم کا شکار بنتی ہے۔

اس تصویر کا پہلا رخ اشارہ کرتا ہے متمول طبقہ کی طرف جبکہ دوسرا پہلو نچلے یا غریب طبقے کی کسی حد تک نمائندگی کرتا ہے، لیکن میرا سوال یہ ہے کہ ان سب میں متوسط طبقہ کہاں گیا؟

تو میرا آج کا موضوع یہی ہے۔ ہم متوسط طبقے کی خواتین دینی اور دنیاوی، ہر طرح کے چیلنجز پہ پوری اترتی ہیں چاہے پڑھائی کا میدان ہو یا اسلامی رجحانات کا، بھائیوں سے برابری کی بات ہو یا گھریلوں ذمہ داریاں، ان سب میں متوسط طبقہ مثبت اعتبار سے آگے آگے ہے۔

متوسط طبقے کی خواتین اپنی آنکھ کھولتی ہیں تو عام سے گھرانے میں ہوتی ہیں پر سب کا پیار ضرور پاتی ہیں۔ ماں کی تھوڑی سی جھڑکیاں کہ سسرال جاکر کیا کرو گی، گھر داری سیکھ لو تو وہیں ابو کا امی کو منع کرنا کہ ابھی بچی کے پڑھنے کی عمر ہے پڑھنے دو اور اپنے لاڈلے کو سمجھاؤ۔ بھائی سے جھگڑے تو دوستوں سے گپ شپ۔ شادی کے بعد شوہر کا پیار اور ساس کی خدمت۔ یہ سب ایک پاکستانی اور اسلامی معاشرے کی خصوصیات ہیں اور پاکستانی عورتوں میں بدرجہ اتم موجود ہے اور رہے گی۔ ان شاءاللہ۔

ہر دستاویزی فلم بنانے والے کو صرف مظلوم عورت ہی کیوں نظر آتی ہے اگر دستاویزی فلم بنانی ہے تو ان عورتوں کی کیوں نہیں بنائی جاتی جو ہر طرح کا پیار پاکہ سکھ چین کی زندگی بسر کرتی ہیں؟

معذرت کے ساتھ مغرب ممالک میں جہاں شور تو اٹھتا ہے عورتوں کے حقوق پر اور وہی عورتوں کے حقوق میں سب سے گرے ہوئے ہیں۔ عورت کو بیچ بازار میں لا کر کھڑا کر دینے سے وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی آزادی اسی میں ہے تو ان کی سوچ ہی خراب ہے۔ کیا ان ممالک میں عورتوں کی عزتیں ہمارے ہاں سے زیادہ محفوظ ہیں؟ اسلام میں عورتوں کے جتنے حقوق موجود ہیں شاید ہی کسی مذہب میں ہوں اور میں فخر سے کہہ سکتی ہوں ایک پاکستانی عورت ان حقوق سے بھرپور استفادہ لیتی ہے کہ شاید ہی کسی ملک کی خواتین اٹھاتی ہوں۔

جہاں تک مظلوم خواتین کا تعلق ہے تو ماننے والی بات ہے کہ ایسا بھی ہے اور اس کا ہر صورت اور جلد از جلد سدباب ہونا چاہیے لیکن اس کی بنیاد پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ہر عورت ظلم کی چکی میں پستی ہے، یہ بذات خود بڑی زیادتی اور ناانصافی ہے۔ اس سے اسلام کا تاثر بھی خراب ہوتا ہے کہ آیا اسلام خواتین کو حقوق فراہم کرتا بھی ہے یا نہیں۔؟

اگر ہمیں تبدیلی لانی ہے تو پہلے اپنے ذہنوں سے منفی سوچوں کو ہٹا کہ مثبت سوچیں لانی ہونگی کہ اگر کچھ برا ہے تو بہت کچھ اس سے کہیں بہتر بھی تو ہے۔

اس خراب امیج کو ہمیں ہی دور کرنا ہے ان تمام ذہنوں سے جو اول تا آخر پاکستان کو پست، خراب اور ظلم سے بھرا ہوا ملک سمجھتے ہیں۔ اور اس کے لیے کیا طریقہ کار ہوگا ہم سب کو اس پہ مل جل کے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ جب مسئلے کا علم ہو جاتا ہے تب ہی اس کے حل کی طرف مثبت پیش رفت ممکن ہوتی ہے۔

ہم سب کو مل جل کر ہی اقوام عالم میں پاکستان کا مثبت امیج خاص کر خواتین کے حوالے سے اجاگر کرنا ہے۔

ہیری پوٹر اینڈ دی گوبلیٹ آف فائر

تبصرہ: مون

ہیری پوٹر سلسلے کی چوتھی کتاب ہے۔ کہانی اُنیس سو چالیس میں ریڈل فیملی (Riddle family) سے شروع ہوتی ہے۔

ایک دن گھر کی میڈ صبح صبح اپنے کام کے لیے آتی ہے تو شور مچا دیتی ہے کہ اس گھر کے تینوں مالکان کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور ان کی لاشیں لیونگ روم میں اکڑی پڑی ہیں۔ پولیس آتی ہے اور گھر کے مالی کو پکڑ کر لے جاتی ہے کہ وہی چوبیس گھنٹے گھر میں ہوتا تھا اور وہیں پر رہتا تھا۔ لیکن پوسٹ مارٹم رپورٹ آتے ہی پولیس کو فرینک نامی اس بوڑھے مالی کو چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق مرنے والے ہر طرح سے صحت مند تھے اور ان کی موت طبعی تھی۔ حیران کن بات تھی کہ ان تینوں کی ڈیتھ ایک ہی وقت ہوئی اور ان کے چہرے کے تاثرات بھی ایک ہی جیسے تھے جو شدید حیرانی اور خوف کے تھے۔

1994 کی ایک رات فرینک اپنی ٹانگ کے درد کے لیے پانی کی گرم بوتل بنانے اُٹھتا ہے تو ریڈل فیملی کے گھر کی لائٹ جلتے دیکھتا ہے اور غصہ کی حالت میں انکوائری کرنے جاتا ہے۔ اس کے خیال میں وہاں کوئی بدتمیز لڑکے یا چور ہوں گے لیکن وہاں جا کر دیکھتا ہے کہ دو لوگ آپس میں بات کر رہے تھے ایک آدمی جو چھوٹے قد اور قدرے دبی ہوئی جسامت کا آدمی ہے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کسی سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ دوسرا آدمی جو کُرسی پر بیٹھا ہے اور کُرسی کی پُشت دروازے کی طرف ہے، بہت سرد لہجے میں زمین پر دوزانو جُھکے آدمی وارم ٹیل (پیٹر پیٹیگیو) سے Bertha Jenkins نامی عورت کے سے ملی معلومات اور پھر اس کے قتل کی بات کر رہا ہوتا ہے۔ اور ان معلومات کی روشنی میں پلان بنا کر ہیری پوٹر کے قتل کا پلان بنا رہا ہوتا ہے۔

فرینک شدید خوف کے عالم میں منجمد ہو جاتا ہے جب اس کے پاؤں کے پاس سے بہت بڑا اژدھا گزر کر کمرے میں جاتا ہے اور

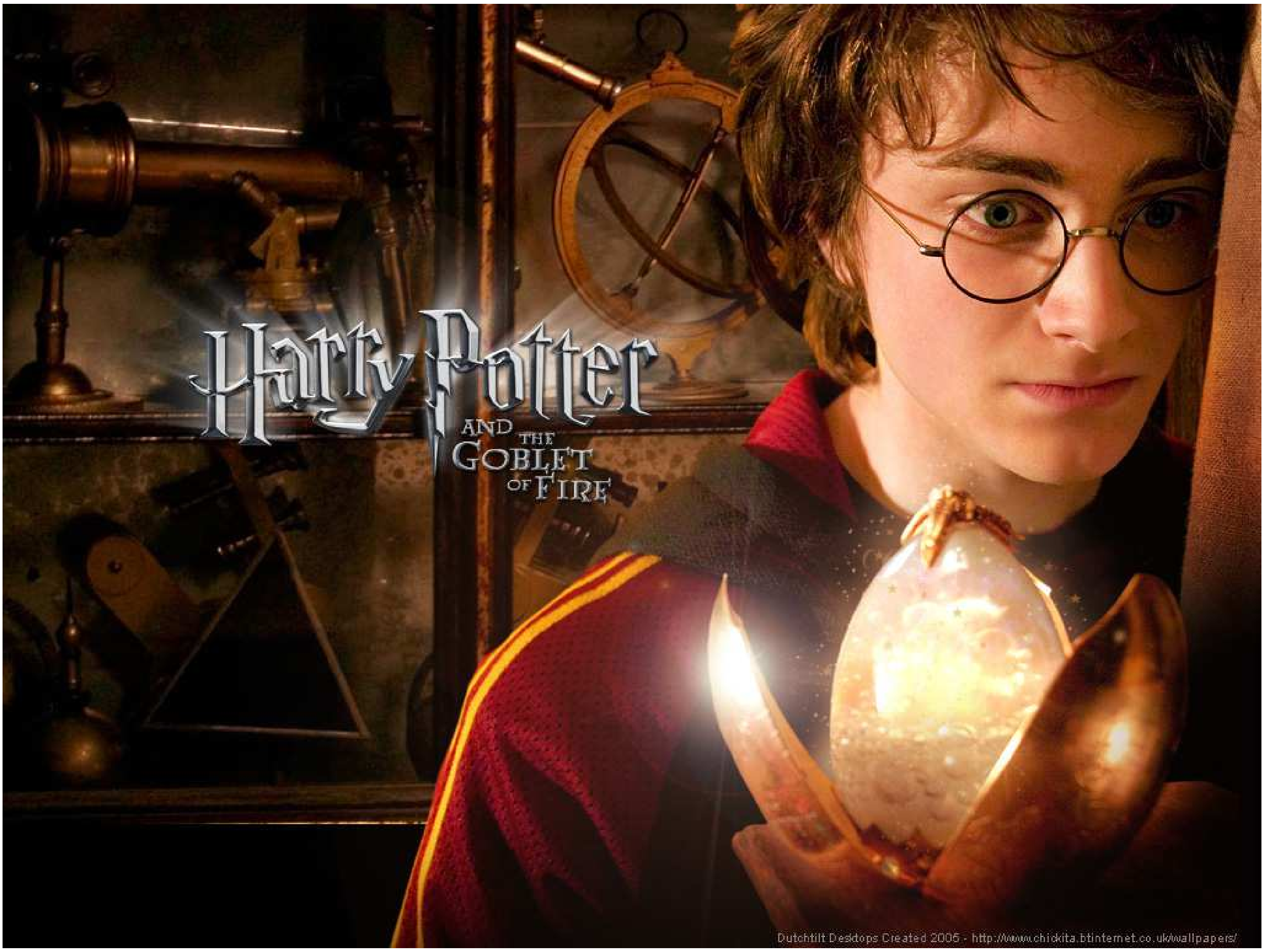

اپنی آواز میں کچھ کہتا ہے۔ کُرسی پر بیٹھا شخص پیٹر کو فرینک کو اندر لانے کو کہتا ہے اور اندر بُلا کر اسے بھی قتل کر دیتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہزاروں میل دُور اپنے بیڈ روم میں سوئے ہیری کی آنکھ کھل جاتی ہے اور اس کے ماتھے پر بنا زخم بہت زیادہ درد کر رہا ہوتا ہے۔ اسے بہت خوف محسوس ہوتا ہے کیونکہ اس کا زخم جبھی درد کرتا ہے جب وُولڈ مورٹ اس کے آس پاس ہوتا ہے۔

خوف اور تشویش کے شکار ہیری کے ذہن میں دو ہی لوگ آتے ہیں جو اس مسئلے پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔ ایک ڈمبل ڈور جو سکول کا پرنسپل ہے اور دوسرا سیریز بلیک جو اس کا گاڈ فادر ہے اور اس کے مرحوم والدین کا بہترین دوست، جو ایک غلط الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا لیکن تیرہ سال بعد بھاگ نکلا اور اب کسی گرم علاقے میں جہاں ڈیمنٹرز اسے تلاش نہیں کر سکتے روپوش ہے۔

ہیری اسی وقت سیریز کو بیٹھ کر خط میں اپنے زخم کے درد کے متعلق لکھتا ہے۔ لیکن خواب کے بقیہ حصوں کے متعلق بھول جاتا ہے۔

اگلے دن انکل ورنن کو ویزلی فیملی کی طرف سے ایک خط ملتا ہے جس میں انہوں نے ہیری کو اپنے ساتھ Quidditch ورلڈ کپ کے لیے ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی ہوتی ہے۔

انکل ورنن بمعہ فیملی ہیری پر بہت ہی ناراض ہوتے ہیں لیکن ہیری کو جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔

مسٹر ویزلی فائر پلیس کے ذریعے انکل ورنن کے گھر آتے ہیں ساتھ اپنے جڑواں بیٹوں اور رون کو بھی لاتے ہیں جو جاتے جاتے شرارتاً" کچھ جادوئی ٹافیاں پھینک دیتے ہیں جن کو ڈُوڈلی کھاتا ہے اور اس کی زبان بہتتتت لمبی اور بھاری ہو جاتی ہے۔ گھر واپسی پر مسٹر اینڈ مسز ویزلی دونوں جڑواں بچوں فریڈ اینڈ جارج پر بہت ناراض ہوتے ہیں۔

یہیں پر ہیری کی ملاقات رون کے دونوں بڑے بھائیوں چارلی اور بل ویزلی سے ملتا ہے۔ بل وزرڈ بینک میں کرس بریکر کے طور پر کام کرتا ہے اور چارلی ڈریگنز کو سُدھانے کا کام کرتا ہے۔

اگلے دن مسٹر ویزلی سب بچوں کو لے کر ورلڈ کپ دیکھنے جاتے ہیں پورٹ کی کے ذریعے۔ (پورٹ کی ایک جادوئی آبجیکٹ ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ خصوصاً" لمبے سفر کی صورت میں اور کم عمر لوگوں کے لیے جو apparition نہیں کر سکتے) رستے میں ان کو مسٹر آموس ڈگری اور ان کا بیٹا سیڈرک ڈگری ملتے ہیں۔ سیڈرک ڈگری بھی ہوگوارٹ سکول میں جاتا ہے اور Hufflepuff ہاؤس کا سٹوڈنٹ ہے ساتھ ہی اپنی ہاؤس ٹیم کا کیپٹین بھی۔ اس کے ساتھ ایکسٹریملی ہینڈسم اور مخلص انسان بھی۔

تیسرے سال میں ایک گیم ہفل پف سے ہار جانے کے بعد فریڈ، جارج اور رون سیڈرک سے چڑتے ہیں۔

گیم دیکھنے کے لیے منسٹری باکس میں پوری ویزلی فیملی، ہیری اور ہرمائنی ہوتے ہیں ساتھ میں منسٹر آف میجک اور کچھ سپیشل گیسٹ بھی ہوتے ہیں۔ وہاں پر ہیری کی مُلاقات گیم فیڈریشن کے انچارج بارٹی کراؤچ کی ہاؤس ایلف ونکی (Winky) سے ہوتی ہے۔ ہرمائنی اس کے لیے بہت دُکھ محسوس کرتی ہے کہ ہاؤس ایلف ہر حال میں ماسٹر کے حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ جیسے ونکی اُونچائی سے بہت ڈرتی ہے لیکن اپنے ماسٹر کے حکم پر وہاں بیٹھی ہے سیٹ بچا کر رکھنے کو۔ وہیں پر ہیری کی ملاقات ڈریکو مالفوئے، اس کے ماں اور باپ سے بھی ہوتی ہے۔ جن کے چہروں پر ہیری اور ہرمائنی کو وہاں دیکھ کر شدید ناپسندیدگی ظاہر ہوتی ہے۔

مسٹر مالفوئے ایک پیور بلڈ وزرڈ ہے اور وہ ہاف بلڈ یا نان میجیکل بلڈ وزرڈز سے نفرت کرتا ہے اور خُود کو خاندانی ہونے کی وجہ سے رائل فیملی جیسا سمجھتا ہے۔ اور یہی عادات اس کی بقیہ فیملی میں بھی ہیں۔

میچ کے بعد آدھی رات کو سوتے سے سب کی آنکھ کھلتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ کالے ماسک پہنے ہوئے کچھ نان میجک لوگ جن کو مگلز کہا جاتا ہے کو اُلٹا لٹکائے رستے میں آتے ہر خیمے کو آگ لگا رہے تھے۔ سب لوگ بھاگ دوڑ کر کے سائیڈوں پر نکل جاتے ہیں۔

ہیری، رون اور ہرمائنی بھی جھاڑیوں میں جا چُھپتے ہیں۔ وہاں ہیری کو احساس ہوتا ہے کہ اس کی وانڈ گُم ہو چکی ہے۔ وہیں پر ان لوگوں کو ونکی زبردستی گھسیٹتی ہوئی جاتی نظر آتی ہے ان کے خیال میں اسے ہر حال میں خیمے میں رہنے کی ہدایت تھی اور ایلف میجک ذرا مُختلف قسم کا ہے ان کو ہر حال میں مالک کا حکم ماننا ہوتا ہے نافرمانی کی صورت میں سزا دیتے ہیں خُود کو۔

ایک آدھ منٹ کے فرق سے ان کے نزدیک آسمان پر ایک عجیب سانپ کی شکل کا سائن ظاہر ہوتا ہے۔ منسٹری کے کارندے وہاں تلاشی لیتے ہیں اور بارٹی کراؤچ کو اس نشان کے عین نیچے ونکی بیہوش حالت میں ملتی ہے اور اس کے ہاتھ میں ہیری کی وانڈ ہوتی ہے۔ مسٹر آموس ڈگری اور باقی لوگ ہیری اور ونکی پر شک کر کے تفتیش کرتے ہیں لیکن مسٹر ویزلی اور بارٹی کراؤچ کے دلائل کے آگے ان کو ہار ماننی پڑتی ہے۔ آسمان پر ظاہر ہونے والا نشان ڈارک میجک سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا علم صرف وُولڈ مورٹ کے مریدوں جو کے ڈیتھ ایٹرز کے نام سے جانے جاتے ہیں کو ہی تھا۔ اور ونکی چونکہ ایک ہاؤس ایلف ہے اور وہ ایسے کام نا کرنے کے پابند ہیں تو اس پر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ وہیں پر مسٹر کراؤچ باوجود بہت منتوں کے ونکی کو ڈِس مس کر دیتا ہے۔ ہرمائنی اس بات پر مسٹر کراؤچ سے بہت خفا ہو جاتی ہے اور اسے اچھا انسان نہیں سمجھتی۔

مسٹر ویزلی کا تیسرے نمبر کا بیٹا پرسی ویزلی جو چند ماہ پہلے ہی سکول سے فارغ ہوا ہے مسٹر کراؤچ کے اسسٹنٹ کی جاب کر رہا ہے۔ اور مسٹر کراؤچ سے عقیدت کی حد تک متاثر ہے۔

وہ ان کے اس اقدام کو بہت سراہتا ہے۔ سب اگلے دن خوفزدہ سے گھر کو لوٹ جاتے ہیں۔ وہاں اگلے دن بیورو (ویزلی فیملی کا گھر) میں مسٹر ڈگری مسٹر ویزلی کے لیے نیوز لاتے ہیں کہ میڈ آئی موڈی نامی آدمی نے اپنے گھر دخل اندازی کرنے والے پر حملہ کیا ہے وہاں جا کر ڈیمیج کنٹرول کرنا ہے اس سے پہلے کہ ڈیلی پرافٹ کے کسی نمائندے کو خبر ملے۔

یہاں پر ایک اور نئے کردار رپورٹر کو متعارف کرایا گیا تھا ریٹا سکیٹر کے نام سے۔ جو ڈیلی پرافٹ کے لیے کام کرتی ہے اور کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا جوڑ کر کہانیاں چھاپنے کی ماہر ہے۔ ہر وقت منسٹری کے خلاف لکھنے پر تیار رہتی ہے۔

سکول جانے کے لیے ٹرین پر سوار ہوتے وقت مسز ویزلی اور چارلی ان سب کو سی آف کرنے آتے ہیں اور چارلی ان کو ہنٹ دیتا ہے کہ وہ ان سے جلد ہی ملے گا۔

اسی رات کو سکول پہنچ کر ویلکم فیسٹ پر پروفیسر ڈمبل ڈور اعلان کرتے ہیں کہ اس سال ہوگوارٹ میں ٹرائیوزرڈ ٹورنامنٹ ہوگا (Triwizard Tournament) جس میں یورپ کے تین بڑے سکول حصہ لیں گے۔ یہ ہر پانچ سال بعد ہوتا ہے اور ہر دفعہ مختلف سکول اس کے میزبان ہوتے ہیں۔ یہ سو سال پہلے بند کر دیا گیا تھا کہ اس میں ہلاکتوں کی تعداد زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ ہر سکول میں سے ایک چیمپئین منتخب ہوتا ہے اور وہ تینوں مختلف ٹاسک میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک دفعہ جو منتخب ہو جائے وہ میجیکلی معاہدے کا پابند ہو جاتا ہے اور اس سے انحراف ممکن نہیں ہے۔

اس دفعہ یہ مقابلہ چند تبدیلیوں کے بعد شروع کیا جا رہا ہے۔ کوئی بھی سترہ سال کی عمر سے کم کا اس میں حصہ نہیں لے گا۔

یہ مقابلہ اکتوبر میں شروع ہوگا اور دو سکول ڈرمسٹینگ Durmstrang اور بوکسبیٹن Beauxbatons سے منتخب شُدہ سٹوڈنٹس اور پرنسپل آئیں گے جو مقابلے کے جج بھی ہوں گے اس کے علاوہ ججز میں تین اور لوگ بھی تھے۔

مسٹر بارٹی کراوچ جو ہیڈ آف میجیکل لاءز کا سربراہ ہے ایک انتہائی سخت گیر اور قانون پسند انسان جو گھڑی کی سُوئیوں اور قوانین کو انسانوں سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ حتٰی کے اس کے لیے اس نے اپنے بیٹے اور بیوی کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اس کے بیٹے کا ذکر آگے ہوگا۔

لڈویک بیگ مین Ludovic Bagman انٹرنیشنل گیم فیڈریشن کا سربراہ ہے پہلے انٹرنیشنل پلئیر تھا جو اچھے پلئیر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی گُڈ لُکس اور سینس آف ہیومر کے لیے مشہور تھا۔ لیکن ایک گیمبلر بھی ہے۔ اسی وجہ سے فائنشل پرابلمز کا بھی شکار ہے۔

منسٹر آف میجک کورنیلئیس فج Cornelius Fudge بھی ججز مین شامل ہوں گے۔ یہ ایک تھوڑا کھسکا ہوا سا انسان ہے۔ پروفیسر ڈمبل ڈور کو سب منسٹر بنانا چاہتے تھے لیکن پروفیسر نے انکار کر دیا اور اس کی جگہ سیکنڈ بیسٹ مسٹر فج کو منسٹر بنایا گیا۔ ابتدا میں فج ہر بات اور فیصلے میں پروفیسر ڈمبل ڈور سے نصیحت یا رائے مانگتا تھا، لیکن وقت کے ساتھ عہدہ اور کُرسی نے اس کو بدل دیا۔ پہلے تین سال اس کی ریلیشن شپ ہیری کے ساتھ کافی اچھی رہی جیسے کوئی دوست ہو۔

اسی رات پروفیسر ڈمبل ڈور نے اس سال کے نئے ڈیفینس اگینسٹ دا ڈارک آرٹ ٹیچر سے سب کو متعارف کروایا جو کہ میڈ آئی موڈی ہے جو اپنے وقت کا most famous Auror تھا۔ (Auror منسٹری میں سب سے بڑے آفیشل ورکر ہیں جن کا کام ڈارک وزرڈز کو پکڑنا اور جیل میں ڈالنا ہے اس عہدے کے لیے بہت سارے ٹیسٹ پاس کرنا پڑتے ہیں اور سپیشل ٹریننگز بھی ہوتی ہیں جس میں تقریباً پانچ چھ سال لگتے ہیں)

میڈ آئی موڈی مشہور اس لیے ہے کہ ازکبان نامی جیل میں آدھے سے زیادہ قیدی اس نے پکڑ کر بھرے تھے۔ وُولڈو مورٹ کے غائب ہو جانے کے بعد اس نے دن رات کام کیا تھا اس لیے اس کے دُشمن بھی بہت پیدا ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بے حد شکی مزاج بھی ہے اسے لگتا ہے ہر کوئی اس کو قتل کرنے درپے ہے۔ تو وہ اپنا کھانا پینا ہمیشہ اپنی نظر کے سامنے ہی رکھتا ہے۔ دوسروں کا دیا ہوا نہیں کھاتا۔

اپنی کلاسوں کے آغاز میں ہی اس نے سب کو Unforgivable Curses سے متعارف کرواتا ہے جس سے منسٹری آف میجک نے سختی سے منع کر رکھا ہے لیکن موڈی کا سوچنا ہے کہ اگر آپ جانتے ہی نہیں تو بچاؤ کیسے کریں گے؟

وہ تینوں ڈارک میجک کے ایجاد کردہ ہیں اور لوگوں کو ٹارچر کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ان کو صحیح معنوں میں استعمال کرنے کے لیے پاور فُل میجک، نفرت یا خواہش ہونی چاہیے ہے ورنہ یہ اثر نہیں کرتے ہیں۔

Cruciatus Curse تشدد یعنی جسم کے رُوئیں رُوئیں میں درد پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اس سے اپنے وقت کے مشہور لوگوں سے معلومات نکلوانے یا سزا دینے کے لیے بہت استعمال کیا گیا۔

دوسرا Imperio - The Imperius Curse ہے۔ جس پر اپلائی کیا جائے وہ خوابی کیفیت میں چلا جاتا ہے لیکن جاگتے میں۔ اور چارم اپلائی کرنے والے کے ہر حکم کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کو ختم کرنے کے لیے دماغی مزاحمت درکار ہوتی ہے یا پھر جس نے یہ چارم اپلائی کیا ہو وہ خُود اُٹھالے اسے یا مر جائے

ڈارک لارڈ نے یہ کرس یا چارم اپنے عروج کے وقت میں سب پر بہت استعمال کیا تھا، تاکہ اپنے کام نکلوائے جا سکیں۔

تیسرا اور سب سے زیادہ طاقتور - Avada Kedavra The Killing Curse ہے۔ اس کے استعمال کے لیے شدید ترین نفرت کا جذبہ موجود ہونا چاہیے ہے ورنہ اس میں اثر نہیں ہوتا ہے۔ اسی Curse سے وُولڈو مورٹ نے ہیری کے ماں باپ کو قتل کیا تھا اور ہیری کو بھی مارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے وار سے ہیری کے علاوہ کوئی بھی نہیں بچ سکا۔

اکتوبر میں دونوں دوسرے سکولوں کے وفود آتے ہیں۔ بلغاریہ سے ڈرمسٹینگ سکول کا پرنسپل کراکروف ہے جو اپنے ساتھ وکٹر کرم سمیت چند اور طالبعلموں کو لاتا ہے۔ وکٹر کرم اٹھارہ کا ہے لیکن اپنی گیم کی وجہ سے انٹرنیشنل کھلاڑی کے طور پر مشہور ہے۔ بلغارین ڈیلی گیشن انڈر واٹر شپ کے ذریعے آتا ہے۔

دوسرا ڈیلی گیشن Beauxbatons فرنچ سکول سے آتا ہے۔ فلائنگ کیریج کے ذریعے۔ ان کی ہیڈ مسٹریس

Madame Olympe Maxime ہے جو پارٹ جائنٹ ہے اور ہیگرڈ کے ہی جیسے قد و کاٹھ کی مالک ہے۔

لیکن یہ ماننے سے انکاری ہیں کہ وہ پارٹ جائنٹ ہیں۔ (والدین میں سے ایک جائنٹ ہے دوسرے نارمل انسان) کیونکہ ان لوگوں کو مطلب جائنٹ لوگوں کو بہت بُری نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

ہیلووین سے ایک دن پہلے ججز اعلان کرتے ہیں کہ سکول کے مڈل ہال میں Goblet of Fire نصب کر دیا جائے گا جس کے ارد گرد ایج رسٹرکشن لائن کھینچی جائے گی۔ صرف سترہ یا اس سے اُوپر کی عمر کے لوگ اس کو کراس کر کے اپنا نام گوبلٹ میں ڈال سکیں گے۔ پھر ہیلووین نائٹ کی ڈنر کے بعد گوبلٹ ہر سکول سے ایک چیمپئین کا انتخاب کرے گا۔

ہیری کی بہت خواہش ہے کہ وہ بھی چیمپئین بن کر اپنا نام تاریخ میں لکھوائے لیکن وہ ابھی صرف چودہ سال کا ہے۔ ہیلووین کا سارا دن ہیری، رون اور ہرمائنی ہیگرڈ کے پاس گزارتے ہیں۔ اس دن کا مزے کا واقعہ یہی تھا کہ رون کے جُڑواں بھائی فریڈ اور جارج اُوور ایج پوشن بنا کر لائن کراس کر کے اپنا نام ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر لائن سے باہر اُچھل کر جا گرتے ہیں کیونکہ ان کو سترہ ماہ کا ہونے میں پانچ مزید مہینے درکار تھے۔ لائن سے باہر گرتے ہی ان کی لمبی لمبی سفید داڑھی، مونچھیں نکل آتی ہیں جس پر سب بمعہ جارج اور فریڈ بہت ہنستے ہیں۔ ڈمبل ڈور سب دیکھ کر مسکراتے ہوئے ان کو اسپتال ونگ میں جا کر اسے فکس کروانے کو کہتا ہے۔

شام کو ڈنر کے بعد گوبلٹ آف فائر تین چیمپئین منتخب کر کے ان کے نام کی پرچی باہر اُچھالتا ہے۔ پہلی پرچی فرنچ سکول کی طالبہ فلور کے نام کی نکلتی ہے۔ دوسری بلغارین سٹوڈنٹ وکٹر منتخب ہوتا ہے۔ ہوگوارٹ سکول سے سیڈرک ڈگری منتخب ہوتا ہے تینوں کے بعد گوبلٹ اچانک ایک چوتھی پرچی اُچھال دیتا ہے جس پر ہیری پوٹر کا نام لکھا ہوتا ہے۔

ایک لمبے جھگڑے اور گُفت وشُنید کے بعد بارٹی کراوچ اور ڈمبل ڈور کے پاس اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہوتی کہ ہیری کو مقابلے میں شرکت کرنے دی جائے کیونکہ یہ ایک میجیکل کانٹریکٹ ہے جس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا ہے (یہاں پر قاری جاننا چاہتے ہیں کہ انحراف پر سزا کیا ہے لیکن مصنفہ نے وضاحت نہیں کی)

سکول میں ہر کوئی سمجھتا ہے کہ ہیری نے کوئی دھوکا کر کے اپنا نام گوبلٹ میں ڈالا ہے۔ سوائے ہرمائنی کے کوئی بھی اس کو سچا نہیں سمجھتا ہے۔ حتٰی کے رون بھی ہیری کو جھوٹا سمجھ کر اس پر الزام لگاتا ہے کہ وہ مزید شہرت کے لیے ایسا کر رہا ہے۔ بلکہ سلیدرن ہاؤس والے ایک بیج بھی بناتے ہیں جس پر پہلے سپورٹ سیڈرک ڈگری فلیش کرتا ہے پھر پوٹر سٹنک۔

سیریز بلیک ہیری کو خط بھیج کر اطلاع دیتا ہے کہ وہ برطانیہ واپس آ چُکا ہے اور ہفتے کی رات ایک بجے فائر پلیس کے ذریعے اس سے بات کرے گا۔ اسی دن ہیگرڈ کے پیغام ملنے پر وہ اسے رات کو اپنے انویزیبلیٹی کلاک کو اوڑھ کر اس کے ساتھ ڈارک فارسٹ جاتا ہے اور وہاں اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ مقابلے کا پہلا ٹاسک یہ ہوگا کہ چاروں سٹوڈنٹس کو ڈریگن کو پاس کر کے ان کا انڈہ اُٹھانا ہوگا۔

ہیگرڈ اپنے ساتھ مادام میکسیم کو بھی لے کر جاتا ہے۔ وہاں ہیگرڈ کو مادام اور ڈریگنز میں مگن دیکھ کر ہیری واپس چلا جاتا ہے رستے میں وہ کراکروف کو بھی اسی طرف جاتے دیکھتا ہے۔

گریفنڈور کامن روم میں آکر فائر پلیس کے ذریعے سیریز بلیک سے بات چیت میں ہیری پر انکشاف ہوتا ہے کہ کراکروف پہلے ایک ڈیتھ ایٹر تھا اور ازکبان سے اپنی رہائی کے بدلے اس نے بہت سارے دوسرے مفرور ڈیتھ ایٹرز کے نام بتائے تھے۔ لیکن وہ ایک بزدل انسان ہے جسے ہمیشہ اپنے سے طاقتور کا تحفظ چاہیے ہوتا ہے۔ اسے پکڑ کر جیل میں ڈالنے والا کوئی اور نہیں ہیری کا ٹیچر میڈ آئی موڈی تھا۔ سیریز ہیری کو بہت ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا ہے اور کسی بھی بات میں اسے فورا'' اطلاع دینے کی ہدایت کر کے چلا جاتا ہے۔

ہیری ڈریگن سے مقابلے کی اطلاع اگلے دن سیڈرک کو بھی دیتا ہے۔ اس کے خیال میں فرنچ اور بلغارین سکول کے چیمپئینز کو پتا ہے اسے پتا ہے تو پھر سیڈرک کو بھی پتا ہونا چاہیے ہے تاکہ سب ایک جیسے فیئر ہوں۔

وہاں میڈ آئی موڈی سُن لیتا ہے اور ہیری کو آفس میں بُلا کر پوچھتا ہے کہ جو اس کے کیا وہ اچھا کیا لیکن وہ اس مقابلے کے لیے کیا کرے گا اور اسے اپنی بیسٹ سٹرینتھ استعمال کرنے کو کہتا ہے۔

مقابلے سے چند دن پہلے ہیری سمیت سب چیمپئینز کی تصاویر بمعہ انٹرویوز لیے جاتے ہیں لیکن حسب معمول ریٹا سکیٹر توڑ موڑ کر ہیری کا انٹرویو چھپواتی ہے جس کی وجہ سے سارے سکول میں اس کا مذاق بنتا ہے۔ ہوگوارٹ کے دو چیمپئین ہیں لیکن سیڈرک کا ذکر ہی نہیں کیا جاتا ہے۔ اور بقیہ دونوں کا ذکر صرف نام کی حد تک کیا جاتا ہے۔ شرمندگی میں ہیری سکول کی ایک بہت خوبصورت لڑکی "چو" جسے وہ پسند کرتا تھا سے بدتمیزی کر بیٹھتا ہے۔

پروفیسر موڈی کی نصیحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہیری ہرمائنی کی مدد سے اک نیا چارم سیکھتا ہے جس سے دور مقام کی اشیاء کو اپنے پاس کیسے لایا جاتا ہے۔ اس چارم کی مدد سے پہلے مقابلے میں ہیری اپنے فائر بولٹ کو اپنے کمرے سے لاتا ہے اور اس کی مدد سے ڈریگن کو دھوکا دے کر دوسری سائیڈ سے اس کا انڈہ اُٹھا لاتا ہے۔ اس مقابلے میں سب سے زیادہ پوائنٹ وکٹر کرم اور پھر ہیری کو ملے تھے تیسرے نمبر پر سیڈرک ڈگری اور چوتھی پوزیشن فلور نے لی سب سے کم نمبر لے کر۔

اس مقابلے کے اختتام پر ججز بتاتے ہیں کہ اگلے مقابلے کا کلیو ان کو اس ڈریگن ایگ سے ملے گا، لیکن کیسے؟ یہ ان کو خُود حل کرنا پڑے گا اور اسی کلیو سے اگلے مقابلے کی تیاری کرنے میں مدد ملے گی۔

اسی دن رون آکر ہیری سے معذرت کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ وہ اس کا یقین کرتا ہے۔ اور جس کسی نے ہیری کا نام گوبلٹ میں ڈالا ہے اب پچھتا رہا ہو گا کیونکہ ہیری تو جیت رہا ہے۔

ہاؤ ایلف کے ساتھ وزرڈز کے بُرے رویے کو لے کر ہرمائنی کے دل میں کچھ کرنے کا عزم ہوتا ہے۔ یہ جان کر کہ ہوگوارٹس میں بھی تقریباً" سو کے قریب ایلف کام کرتے ہیں جو کھانے پکانے سے لے کر صفائی سُتھرائی سب کرتے ہیں وہ بہت دیر تک لائبریری میں وقت گزار کر ان کی ہسٹری پڑھتی ہے۔ اور پھر ایک تحریک شروع کرتی ہے جو ایلف رائٹس کے لیے کام کرے گی۔ لوگوں سے چندہ لینا اور ممبرز بنانا اس کا پہلا قدم ہے۔

رون کے بھائیوں کی مدد سے وہ ہوگوارٹ کے چُھپے ہوئے کچن میں جاتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ ڈوبی ہاؤس ایلف آزادی پانے کے بعد ہوگوارٹ میں ماہانہ تنخواہ پر کام کر رہا ہے اور مسٹر بارٹی کراؤچ کی ایلف ونکی بھی وہیں پر کام کرتی ہے لیکن وہ اپنے ماسٹر اور اس کی فیملی کو بُھلا نہیں پائی ہے اس لیے دن رات روتی ہے اور ہر کسی سے ناراض ہے۔

پروفیسر میگانیگل کرسمس سے کچھ دن پہلے ان کو بتاتی ہے کہ کرسمس کی شام کو سکول میں ایک فنکشن ہو گا جس کا آغاز چاروں چیمپئینز کریں گے اور اس کے لیے ہیری کو اپنے ساتھ ڈانس پارٹنر تلاش کرنا ہے۔ ہیری اور رون چونکہ پارٹنر کے معاملے میں بالکل بدھو ہیں اس لیے جدھر کا بھی رُخ کرتے ہیں گھبرا کر لڑکیوں سے بات کرنا بھول جاتے ہیں۔

رون چونکہ صرف قد کاٹھ میں بڑا ہوا ہے اور عقل سے قدرے پیدل بھی ہے۔ مُنہ پھاڑ کر رمائنی کے سامنے اعتراف کرتا ہے کہ وہ اور ہیری کسی خوبصورت لڑکی کو ساتھ لے کر فنکشن میں جانا چاہتے ہیں۔ ہیری صرف چو کو ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے اور رون گھبراہٹ میں فرنچ سکول کی مہمان اور چیمپئین فلور کو ساتھ چلنے کو کہتا ہے جو کہ ظاہر ہے قابل جواب آفر نہ تھی کہ فلور ایک بے حد حسین اور طرح دار لڑکی ہے۔ رُعب حُسن اتنا ہے کہ لوگ بات کرنا بھی بھول جاتے ہیں۔

آخری دنوں میں جب کوئی آپشن نہیں بچتی تو رون ہیری کو کہتا ہے کہ وہ جینی (رون کی چھوٹی بہن) کے ساتھ چلا جائے اور خُود رون ہرمائنی کو لے جائے گا کیونکہ وہ بھی تو ایک لڑکی ہے۔

ہرمائنی اس بات پر شدید ناراض ہوتی ہے اور یہ کہہ کر چلی جاتی ہے کہ وہ کسی اور کے ساتھ جارہی ہے۔ کس کے ساتھ یہ نہیں بتائے گی۔ جینی نیول لانگ باٹم کے ساتھ جارہی ہے اس لیے وہ بھی ہیری سے معذرت کر کے چلی جاتی ہے۔

ہیری اور رون کے خیال میں وہ دونوں صرف جھوٹ بول رہی ہیں۔ کوئی چارہ نہ پا کر ہیری اپنے ہاؤس کی لڑکی اور اس کی جڑواں بہن جو دوسرے ہاؤس کی ممبر ہے کو ساتھ جانے کو کہتا ہے۔ پدما پٹیل جو ریون کلاء میں ہے اور پاروتی پٹیل گریفنڈور میں۔ پدما رون کے ساتھ جاتی ہے اور پاروتی ہیری کے ساتھ۔

وہاں ہیری اور رون کو یہ دیکھ کر بہت دھچکا لگتا ہے کہ ہرمائنی بلغارین چیمپئین وکٹر کرم کے ساتھ آتی ہے اور پہلی دفعہ بنا کتابوں کے ڈھیر، یونیفارم اور گھنگریالے بالوں کو اُلٹا سیدھا باندھے بغیر اچھے لباس اور سیدھے بالوں میں پہچانی نہیں جاتی۔ بہت ساری لڑکیاں ہرمائنی سے جلتی ہیں لیکن رون کی شاید مارے حسد کے آواز ہی بند ہو جاتی ہے۔ کہاں تو وہ وکٹر کرم کا آٹو گراف لینے کے پروگرام بنایا کرتا تھا اور کہاں اسے اُلٹے سیدھے ناموں سے یاد کر رہا ہوتا ہے۔ اور ہرمائنی سے سخت اُلجھتا بھی ہے کہ وہ ہیری کے دُشمنوں سے گُھل مل رہی ہے۔ ہیری کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ وہ بھی جانتا ہے کہ رون کہیں کا غصہ کہیں پر نکال رہا ہے۔ در حقیقت وکٹر کرم ہرمائنی کی طرح پڑھاکو اور شرمیلی طبعیت کا انسان ہے اس لیے وہ ہمہ وقت لائبریری میں ہی پایا جاتا تھا تاکہ ہرمائنی سے بات کر سکے کیونکہ وہ بھی اسے اپنے جیسی ہی لگی تھی۔

دوسرے ٹاسک کے آنے میں کافی وقت ہے سیڈرک ڈگری ہیری کے احسان کا بدلہ اُتارنے کی خاطر اسے ایک کلیو دیتا ہے کہ وہ پریفیکٹس کے باتھ روم میں شاور لینے جائے۔ وہاں کوئی اسے تنگ نہیں کرے گا اور ڈریگن ایگ (انڈہ) بھی ساتھ لے جائے وہاں اسے اگلے مقابلے کے بارے میں کچھ نہ کچھ پتا چل جائے گا۔ ہیری سیڈرک کی بات کو قابل توجہ نہیں سمجھتا کیونکہ چو چینگ فنکشن پر سیڈرک کے ساتھ گئی تھی جس کا ہیری کو بہت دُکھ تھا اور جلن بھی۔

ہیگرڈ فرنچ سکول کی پرنسپل میں بہت دلچسپی لیتا ہے اور اس سے باتیں کرتے ہوئے اپنے ہاف جائنٹ ہونے کا انکشاف کرتا ہے جسے اتفاقاً" ہیری اور رون سُن لیتے ہیں۔ ہیری کو تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن رون حیران ہوتا ہے اور ہیری کو بتاتا ہے کہ برطانیہ سے سارے جائنٹس کو نکال دیا گیا تھا کہ وہ آپس میں بہت لڑتے تھے اور وولڈ مورٹ کے حمایتی تھے۔ اس لیے ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

ہیگرڈ کا انکشاف بمعہ ایکسٹرا ٹرکے کے اگلے دن ڈیلی پرافٹ میں ریٹا سکیٹر نے چھاپا ہوتا ہے جس پر سب حیران ہوتے ہیں کہ اسے کیسے پتا چلا، ہیگرڈ مارے شرمندگی کے خُود کو اپنے کیبن میں بند کر لیتا ہے اور اپنا استعفیٰ ڈمبل ڈور کو بھیج دیتا ہے۔ جسے وہ قبول کرنے سے انکار کر کے اسے سختی سے جاب پر واپس آنے کو کہتا ہے۔

دوسرے مقابلے میں دو دن رہ جاتے ہیں۔ تب ہیری مجبوراً" کوئی راہ نہ پا کر سیڈرک کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے پریفیکٹس کے باتھ روم میں ڈریگن ایگ کو لے کر جاتا ہے اور وہاں موننگ مرٹل نامی گھوسٹ ہیری کو چھیڑتی ہے اور بتاتی ہے کہ سیڈرک ڈگری نے انڈے کو پانی کے نیچے لے جا کر گانا سُنا تھا اور کلیو حل کیا تھا۔ کلیو کے مطابق ہوگوارٹ کے عقب میں موجود جھیل میں موجود مخلوق چاروں چیمپئینز کی کوئی پیاری چیز لے جائیں گے اور انہیں ایک گھنٹے میں واپس لانا ہو گا ورنہ ہمیشہ کے لیے چیز کھو جائے گی۔ ہیری کو نئی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ ایک گھنٹہ پانی کے نیچے کیسے گزارا جائے اسے سوئمنگ بھی نہیں آتی ہے۔

ہیری اپنے ساتھ ہوگوارڈ سکول کا نقشہ، جو اسے تیسرے سال میں فریڈ اور جارج نے دیا تھا، لے کر گیا تھا اس کو واپسی میں دیکھ کر سکول کے دوسرے رُخ پر جاتا ہے، کہ اس نے نقشے پر بارٹی کراؤچ کو سنیپ کے کپ بورڈ میں دیکھا تھا۔ وہاں جا کر اس کا پاؤں سیڑھیوں کے درمیان موجود ٹریپ میں پھنس جاتا ہے۔

لیکن اس نے اپنا غائب کرنے والا لباس پہنا ہوتا ہے۔ اس لیے باوجود اس کے گرنے کے شور سے پروفیسر سنیپ یا سکول کا نگران مسٹر فلیچ دیکھ نہیں پاتے ہیں۔ لیکن پروفیسر موڈی کی طلسمی آنکھ ہیری کو دیکھ لیتی ہے اور نقشہ بھی۔ ہیری کی جان سیورس سے چھڑا کر وہ ہیری سے نقشہ لے لیتا ہے اور استعمال کا طریقہ بھی۔

اگلی شام تک وہ رون اور ہرمائنی کے ساتھ کتابوں میں کوئی حل تلاش کرتا ہے۔ لیکن ان کو پروفیسر میگانیگل کے آفس سے بُلاوا آجانے کے بعد وہ ساری رات اکیلا ہی لائبریری میں کتابیں تلاش کرتے کرتے سو جاتا ہے۔ صُبح پونے نو بجے ڈوبی اسے آکر اُٹھاتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ رون کو جھیل کی مخلوق لے گئی ہے اور ہیری نے ہی اسے واپس لانا ہے۔ ڈوبی اسے سیورس کی ذاتی الماری سے چُرا کر لائی ہوئی جڑی بوٹی دیتا ہے جسے کھا کر وہ گھنٹہ بہت آرام سے پانی کے نیچے گزار سکتا ہے۔

جھیل میں پانی کے نیچے ہیری کو مونگ مرٹل ملتی ہے اور اسے صحیح رستہ بتا کر جانے کو کہتی ہے۔ وہاں ہیری کے سامنے وکٹر ہرمائنی کو لے جاتا ہے اور سیڈرک چو چینگ کو، لیکن فلور اپنی بہن کو لینے نہیں آتی تو ہیری رون اور فلور کی چھوٹی بہن کو لے کر آخر میں پہنچتا ہے لیکن باوجود سب سے آخر میں باہر نکلنے کے ججز اسے زیادہ نمبر دیتے ہیں اور سیڈرک بھی پہلی پوزیشن لیتا ہے۔ اس طرح ہیری اور سیڈرک پہلی پوزیشن پر ہیں وکٹر دوسری فلور تیسری پر۔ (فلور پر جھیل کی مخلوق نے حملہ کر کے زخمی کر دیا تھا اس لیے وہ اپنی بہن کو بچانے جا نہیں سکی تھی)

یہاں دوسرے مقابلے میں مسٹر بارٹی کراؤچ کی خراب صحت کی وجہ سے اس کا اسسٹنٹ پرسی ویزلی آیا ہوتا ہے۔ جس ہر پرمائنی، رون اور ہیری کو پھر سے کھد بد ہوتی ہے کہ کل رات تک تو دندناتا پھر رہا تھا یہاں اور اب بیمار ہے۔

تیسرا مقابلہ تین یا چار ماہ کے آخر میں ہوگا۔ اس دوران بہت سے عیجب و غریب واقعات ہوتے ہیں۔

1: ہوگوزمیڈ کے وزٹ کے موقع پر ہیری کو سیریز بلیک ملتا ہے جو وہاں مسلسل کتے کی شکل دھارے رہ رہا ہے تاکہ ہیری کے نزدیک رہا جاسکے۔

2: ہیگرڈ گو اپنی جاب پر واپس آگیا ہے لیکن میڈم میکسم اور دوسروں سے بہت سرد رویہ رکھتا ہے۔ اس کے خیال میں ریٹا سکیٹر کو اس کے بارے میں باتیں میڈم میکسیم نے بتائی تھیں۔

3: تیسرے مقابلے کی معلومات دینے کے بعد جب لڈو بیگمین ڈمبل ڈور سے باتیں ڈسکس کرنے جاتا ہے تو وکٹر کرم ہیری کو روک لیتا ہے تاکہ وہ اس سے بات کر سکے۔ وہ ہیری سے پوچھتا ہے کہ وہ ہرمائنی کا صرف فرینڈ ہے یا کچھ اور کیونکہ وکٹر ہرمائنی میں بہت انٹرسٹڈ ہے اور اس کی ہیری کے ساتھ دوستی سے جلتا بھی ہے۔

وہاں جنگل کے قریب انہیں بارٹی کراؤچ پاگل پن کی حالت میں ملتا ہے اور ہیری سے کہتا ہے کہ وہ ڈمبل ڈور کو کچھ بتانا چاہتا ہے پلیز اسے بلاؤ۔ جب تک ہیری ڈمبل ڈور کو لاتا ہے وکٹر کرم وہاں بیہوش حالت میں ملتا ہے اور بارٹی کراؤچ غائب ہوتا ہے۔ پروفیسر موڈی اور ڈمبل ڈور وہاں ارد گرد تلاش کرتے ہیں لیکن کوئی پتا نہیں چلتا۔

4: ہیگرڈ اور ڈمبل ڈور ہیری پر ناراض ہوتے ہیں کہ وہ کیوں وکٹر کے ساتھ اکیلا وہاں گھوم رہا تھا۔ وکٹر کرم کراکروف کا فیورٹ سٹوڈنٹ ہے اور کراکروف کالے جادو کا ماہر اور پہلے ڈیتھ ایٹر تھا۔

5: کراکروف سنیپ کے پاس بار بار جا کر اپنے کسی نشان کے دوبارہ ایکٹو ہونے کی بات کرتا ہے لیکن سنیپ اسے ٹالتا ہے یا نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

6: Divination کی کلاس دوران سو جانے پر ہیری کو پھر سے وُولڈ و مورٹ کا خواب آتا ہے جس میں وہ دیکھتا ہے کہ ورم ٹیل کی کسی غلطی پر وُولڈ و مورٹ اسے سزا دیتا ہے اور اسے باقی منصوبے پر صحیح سے عمل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور بارتھا کی موت پر بات بھی۔ اس خواب پر ہیری درد سے اور خوف سے چیختا اُٹھ جاتا ہے اور اسپتال جانے کا بہانہ کر کے ڈمبل ڈور سے ملنے جاتا ہے۔ وہاں ڈمبل ڈور بارٹی کراؤچ اور موڈی سے بات کر رہا ہوتا ہے۔ ان کو سی آف کرنے کا کہہ کر ہیری کو آفس میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

پیچھے ہیری ایک pensive میں چمکدار پانی کی تہہ پر سلور دھاگے تیرتے دیکھ کر مارے تجسس کے اس میں دیکھتا ہے تو کوئی منظر نظر آنے پر سر اندر ڈالتا ہے اور اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ یہ ایک بیسن کی شکل کا جادوئی پینسیو ہے جس میں اپنی سوچ کو سٹور کیا جا سکتا ہے۔

ڈمبل ڈور چونکہ عدالتی کمیشن کا رُکن تھا تو یہ اس کی یادیں ہیں۔ کراکروف کا ٹرائل دیکھتا ہے اور پھر جسٹس سربراہ بارٹی کراؤچ کو دو میاں بیوی ڈیتھ ایٹرز اور ایک ٹین ایجر لڑکے کو ساری عمر کے لیے ازکبان بھیجتے بھی دیکھتا ہے۔

ڈمبل ڈور واپس آکر ہیری کو تفصیل سے بتاتا ہے کہ وہ ٹین ایجر لڑکا بارٹی کراؤچ کا اپنا سگا بیٹا تھا بارٹی کراؤچ جونئیر جو وُولڈ و مورٹ کا سپورٹر بن گیا تھا۔ بارٹی کراؤچ نے اسے ہمیشہ کے لیے جیل بھیج دیا تھا اور دو سال بعد وہ وہاں پر مر گیا تھا۔

اس کے ساتھ دو میاں بیوی جو وُولڈ و مورٹ کے سب سے بڑے مددگار تھے بھی جیل میں موجود ہیں ان کا سب سے بڑا جُرم اپنے وقت کے مشہور ترین میاں بیوی auror مسٹر اینڈ مسز لانگ باٹم کو cruciatus curse کے شدید ترین استعمال کے ذریعے پاگل کرنا تھا۔ وہ ان دونوں سے وُولڈ و مورٹ کے بارے معلومات چاہتے تھے تاکہ اسے واپس لا سکیں۔ ان دونوں میاں بیوی کا نام بیلاٹرکس لسٹرینج اور مسٹر لسٹرینج ہے۔ اور انہوں نے جن میاں بیوی کو پاگل کیا تھا وہ نیول لانگ باٹم کے والدین ہیں۔ ڈمبل ڈور ہیری سے وعدہ لیتا ہے کہ وہ نیول کے اس راز پر کبھی کسی سے بات نہیں کرے گا تب تک کہ نیول خُود کسی سے یہ بات شئیر نا کرے۔

7: ریٹا سکیٹر کو کسی طرح سے ہیری کے زخم کے درد کے بارے میں پتا چل جاتا ہے اور وہ اسے مرچ مصالحے لگا کر اخبار میں لگا دیتی ہے اور کہتی ہے کہ ہیری لوگوں کی توجہ لینے کے لیے ڈرامہ

ڈرامہ کرتا ہے۔

تیسرے مقابلے کے دن رون کی والدہ اور بڑا بھائی بل ویزلی ہیری سے ملنے آتے ہیں۔ وہیں پر سیڈرک کے والد آموس ڈگری ہیری پر ناراض ہوتے ہیں۔

تیسرے مقابلہ سکول کے میدان میں بہت اُونچی maze کے اندر سے کپ تلاش کرنا ہے۔ اس maze میں ہیگرڈ کی پالی ہوئی مخلوقات، بوگارٹ اور بھی چیزیں ہیں جن سے نپٹتے ہوئے کپ تلاش کرنا ہے۔ جس کے ہائی پوائنٹ ہیں وہ پہلے اندر داخل ہوں گے۔

اندر وکٹر فلور پر سپیل استعمال کر کے اسے مقابلے سے باہر کروا دیتا ہے اور پھر سیڈرک پر cruciatus curse استعمال کر کے اسے مارنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہیری سیڈرک کی مدد کرتا ہے اور وکٹر کو بیہوش کر کے مقابلے سے باہر نکلوا دیتا ہے (جہاں کوئی پرابلم میں ہو وہاں ریڈ سپارک فضا میں بھیجنے سے کوئی مدد/ باہر نکالنے کو آجاتا ہے) آخر میں دوسری دفعہ جب ہیری سیڈرک کو خطرناک جائنٹ سپائڈر سے بچاتا ہے تو ان کو ایک طرف کپ نظر آتا ہے۔ سیڈرک ہیری کو کہتا ہے وہ حقدار ہے اس لیے وہ جا کر پکڑے اسے۔ (کپ کو ہاتھ لگاتے ہی آٹو میٹک ونر کپ سمیت سب کے سامنے آجائے گا) تھوڑے سے مباحثے کے بعد ہیری اور سیڈرک دونوں ہی کپ کو دونوں جانب سے پکڑتے ہیں اور کچھ سیکنڈ کے بعد خُود کو ایک پُرانے قبرستان میں پاتے ہیں جس پر ابھی صحیح سے دونوں حیران بھی نہیں ہو پاتے کہ ایک طرف سے ایک چھوٹے سے قد کا آدمی گٹھڑی میں لپٹی کوئی چیز لے کر باہر آتا ہے۔ اس سے پہلے کہ سیڈرک اور ہیری کوئی تدبیر کرتے ہیری کے زخم میں شدید ترین درد ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر جاتا ہے اور وہ آدمی سیڈرک ڈگری کو Killing Curse سے مار دیتا ہے۔ وہ آدمی اصل میں سال بھر پہلے فرار ہونے والا ورم ٹیل تھا جس نے ہیری کے پیرنٹس کی مخبری کر کے قتل کروایا تھا۔

ورم ٹیل کالے جادو کی مدد سے گٹھڑی میں لپٹے اس ٹکڑے کو واپس اپنا مکمل انسانی وجود حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (اس کے لیے ہیری کا خُون بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور ورم ٹیل اپنا ہاتھ بھی کاٹ کر دیتا ہے۔)

وہ وجود مکمل انسانی شکل میں آتا ہے تو ورم ٹیل کے بازو پر بنے نشان کو جلا کر اپنے چیلوں کو پیغام بھیجتا ہے۔ یہ آدمی وُولڈ و مورٹ ہے۔

اس کے سارے چیلے تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ وُولڈو مورٹ سب کو سزائیں دیتا ہے اور ناراض ہوتا ہے کہ کسی نے بھی اسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی سوائے ورم ٹیل کے۔ لیکن اس نے بھی سیریز بلیک اور منسٹری کے ڈر سے اسے جا کر تلاش کیا اور اس کو انسانی جسم میں واپس آنے میں مدد کی تاکہ وُولڈ و مورٹ اسی کی حفاظت کر سکے۔

ڈارک لارڈ (وُولڈ و مورٹ) ہیری کو وہیں پر مارنا چاہتا ہے لیکن ہیری بھی مقابلہ کرتا ہے۔ جب ڈارک لارڈ کلنگ کرس بھیجتا ہے تو وہ ہیری پر اثر کرنے کی بجائے اس کی وانڈ سے نکلے چارم سے جڑ کر ہر طرف دھواں سا پھیلا دیتا ہے جس میں سے سیڈرک ڈگری، للی پوٹر، جیمز پوٹر اور فرینک کی شکلیں نکلتی ہیں۔ ڈارک لارڈ شدید خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ یہ اشکال ہیری کو کہتی ہیں کہ وہ کپ جو اصل میں پورٹ کی تھا کو لے اور سیڈرک کی لاش کو بھی لے اور بھاگ جائے۔ وہ کچھ سیکنڈز کے لیے ڈارک لارڈ کو روکیں گے تاکہ اسے موقع مل سکے۔ اس چانس کا فائدہ اُٹھا کر ہیری پورٹ کی اور سیڈرک کی باڈی لے کر نیم بیہوشی کی حالت میں واپس ہوگوارٹ کے میدان میں پہنچ جاتا ہے۔

ڈمبل ڈور اور باقی سب لوگ بہت خوفزدہ ہوتے ہیں۔ میڈ آئی ہیری کو وہاں سے ہاسپٹل ونگ کے بہانے لے جاتا ہے باوجود اس کے کہ ڈمبل ڈور نے اسے وہیں رہنے کو کہا ہے۔ میڈ آئی ہیری کو اپنے آِس میں لا کر پوچھتا ہے کہ کیا ہوا۔ وہیں باتوں میں ہیری پر انکشاف ہوتا ہے کہ میڈ آئی سب کچھ پہلے سے ہی جانتا ہے۔ میڈ آئی انکشاف کرتا ہے کہ ہیری کو مقابلے میں شامل اسی نے کیا تھا۔ ڈریگن کا ہنٹ اسی کے کہنے پر ملا۔ پانی میں زیادہ دیر گزر جانے کے باوجود زیادہ نمبر اسی کی وجہ سے ملے اور maze میں وکٹر کرم پر imperio سپیل اسی نے کیا تھا تاکہ وہ ہیری کے رستے سے سب کو ہٹا سکے اور ہیری سیدھا وُولڈ و مورٹ تک پہنچ سکے۔ کپ کو پورٹ کی بھی اسی نے بنایا تھا۔

یہ لوگ چاہتے تو پہلے ہی ہیری کو وہاں پہنچا سکتے تھے لیکن وہ ہر حال میں سب کچھ رازداری سے کرنا چاہتے تھے تاکہ ڈمب ڈور کو وُولڈ و مورٹ کی واپسی کا پتا نہ چل سکے۔ کم از کم تب تک جب تک وہ پوری طاقت سے ہر جگہ اپنا قبضہ نہ جما لے۔ وُولڈ و مورٹ اگر کسی سے ڈرتا تھا تو صرف ڈمبل ڈور سے کیونکہ وہ اس سے زیادہ طاقتوں کا مالک اور بہترین دماغ والا تھا۔

اس سے پہلے کہ اب میڈ آئی ہیری کو مارتا، ڈمبل ڈور نے پیچھے سے اسے کیچ کیا اور باندھ کر منسٹر آف میجک کو بُلوا بھیجا تاکہ وہ اپنے قیدی کو واپس لے کر جا سکے۔ یہ آدمی اصل میں میڈ آئی موڈی نہیں بلکہ بارٹی کراوچ کا بیٹا تھا جو دھوکے سے ازکبان سے بچ نکلا تھا۔

ڈمبلڈور ہیری کو اپنے آفس میں لے کر جاتا ہے جہاں سیریز بلیک پہلے سے ہی اس کی اجازت سے چُھپا بیٹھا تھا۔ وہاں ہیری ساری آپ بیتی ان دونوں کو سُناتا ہے۔ اور ڈمبلڈور سے پوچھتا ہے کہ ڈارک لارڈ اسے کیوں نہیں مار سکا۔ جس کی سادہ سی وضاحت فی الحال یہی ملتی ہے کہ ان دونوں کی وانڈ میں ایک ہی طرح کے اجزاء ہیں یعنیہ وہ دونوں جڑواں وانڈ ہیں اس لیے وہ ایک دوسرے کو زخمی تو کر سکتے ہیں مار نہیں سکتے۔ پھر ہیری کی ماں نے مرتے وقت اپنے خُون کی قُربانی کی پروٹیکشن ہیری میں چھوڑی تھی۔ وہ اتنی طاقتور ہے کہ جب تک ہیری خُود بالغ نہیں ہو جاتا، کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

ہاسپٹل ونگ میں جا کر ڈمبل ڈور کو پتا چلتا ہے کہ منسٹر آف میجک نے بجائے بارٹی کراوچ کے بیٹے سے ساری بات پوچھنے کے اسے سیدھا ڈیمنٹرز کے حوالے کر دیا اور وہ اب پاگل ہو چُکا ہے۔ اور وہ ہیری اور ڈمبل ڈور کی باتوں پر بالکل بھی یقین نہیں کرتا بلکہ اسے

بکواس سمجھتا ہے۔ حتٰی کے سنیپ کی گواہی کو بھی رد کر دیتا ہے کہ اگر وولڈ ومورٹ واپس نہیں آیا تو کراکروف کیوں گھنٹہ بھر پہلے بھاگ گیا ہے بنا کچھ بتائے اور خُود سنیپ کے بازو پر کالے اژدھے کا نشان ہے وہ تازہ جلا ہوا کیوں ہے کیونکہ اس کو ایکٹو صرف وُولڈومورٹ کر سکتا ہے یہ ڈیتھ ایٹرز کو اکٹھے ہونے کا پیغام ہے۔

ہاں ڈمبل ڈور منسٹر کو بتاتا ہے کہ ان کے رستے اب جُدا ہیں۔ منسٹر غصے کے عالم میں وہاں سے نکل جاتا ہے۔ ڈمبل ڈور بل ویزلی کے لیے سنیپ خاموشی سے سر ہلا کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔

کچھ دن اسپتال میں رہ کر ہیری گھر واپس جانے کی تیاری کرتا ہے۔ جانے سے پہلے سیڈرک کے والدین سے مل کر ان کو تسلی دینے کی کوشش کرتا ہے اور انعامی رقم ان کو دینے کی کوشش کرتا ہے جو وہ لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ سکول میں سب سٹوڈنٹس اس سے بچ کر چلتے ہیں کہ یہ ڈمبل ڈور کا آرڈر ہے وہ اسے تنگ نہ کریں۔ خُود وہ بھی سب کو نظر انداز کرتا ہے کہ اس کے اندر بہت دُکھ (سیڈرک کے قتل کا) اور خوف ہوتا ہے۔

کا کردار سرے سے ختم کر دیا تھا۔ بل اور چارلی ویزلی کا کردار بھی نہیں تھا۔ بارٹی کراؤچ کی موت کا سین بھی بہت مختلف تھا۔ سیریز کا کردار بہت محدود تھا۔

وُولڈ ومورٹ کا کردار مشہور برطانوی سٹیج اور فلم ایکٹر رالف فینئیس کو دیا گیا جس نے بے حد خوبصورتی سے اسے ادا کیا۔

سیڈرک ڈگری کے کردار سے رابرٹ پیٹنسن کو بے انتہا شہرت ملی اور ماڈلنگ میں مواقع بھی۔ (ٹوائلائٹ کے ہیرو ویمپائر

ذریعے اس کے فادر کو بُلواتا ہے سیریز جو اس وقت ریچھ نما کتے کی شکل میں تھا اس کو اصل حالت میں آنے کو کہتا ہے اور اسے سنیپ سے ہاتھ ملانے کو کہتا ہے۔ کیونکہ ڈمبل ڈور نے پُرانی سوسائیٹی(Order of the phoenix) آرڈر آف دافینکس کو ایکٹو کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو وُولڈومورٹ اور اس کے ڈیتھ ایٹرز کے خلاف جدوجہد کرے گی۔ ساتھ میں ڈمبل ڈور سنیپ کو اپنی کسی پُرانی ڈیوٹی پر واپس جانے کو کہتا ہے۔ زرد چہرہ

رزلٹ سُننے کے بعد ہیری اور سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوتے ہیں۔ ٹرین سے اُترنے سے پہلے ہیری انعامی رقم رون کے بھائیوں کو زبردستی تھما دیتا ہے یہ کہہ کر کہ وہ اس سے جوک شاپ بنالیں کیونکہ اب سب کو ہنسی کی ضرورت ہے۔

ختم شُد۔

کتاب کی کہانی اور فلم میں کافی فرق تھا۔ ونکی ہاؤس ایلف اور ڈوبی

صاحب کی پہلی فلم ہیری پوٹر تھی۔ لوگ مذاق میں کہتے ہیں کہ وزرڈ کی شکل میں مرا اور ویمپائر کی شکل میں پیدا ہوا تھینکس ٹُو وُولڈومورٹ)

اس کی ورلڈ وائڈ 66 ملین کاپیز فروخت ہوئی اور فلم نے 896$ million کمائے۔ یہ فلم بھی دُنیا کی تیس سب سے زیادہ پیسے کمانے والی فلموں میں شامل ہے۔۔۔۔ اختتام۔۔۔

خیمہ زنی کے مزے

مزاحیہ تحریر

تحریر: نوید ظفر کیانی

ہم میں سے بہت سوں کی زندگی کا واحد مقصد محض کلرکی کرنا، ڈبل روٹی کھانا اور خوشی سے پُھول جانا ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو زندگی کے جن معمولات میں پرو لیا ہے وہ انہیں کو ایک بہت بڑی عیاشی گردانتے ہیں لیکن اگر دیکھا جائے تو عیاشی تو ایک طرف رہی معمولی معمولی خوشیاں بھی اُنہیں جھکائی دے جاتی ہیں۔ جنسِ مسرت کثافتوں کے جمعہ بازار میں فروخت نہیں ہوتی بلکہ یہ نعمت تو اُن منظروں کا توشہ ء خاص ہے جہاں ابھی تک فطرت کی خطاطی مسکراہٹیں بکھیر رہی ہو۔ اس ضمن میں یہ استدلال تسلیم کہ معاشرے کا ہر فرد گردشِ احساس کا اسیر ہے۔ وہ زندگی کے تانگے میں جُتے ایسے خچر کی مانند ہوتا ہے جس پر کچھ دوسرے لوگ بھی سوار ہو جاتے ہیں چنانچہ اُس کی زندگی کے سفر میں اُس کی منشا کا موج میلہ ذرا کم ہی ہوتا ہے لیکن یہ بات بھی غلط ہوگی کہ انسان مادیت کا اسیر ہو کر رہ جائے۔ جدید ٹیکنالوجی کے آہنی ہیلمٹ کو ہی اپنا چہرہ تصور کر لے۔ اُسے سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور بھی ڈھونڈنی چاہیے۔ فطرت کے میلے سے بھی خوشیوں کی جلیبیاں خرید لینی چاہئیں تا کہ زندگی کا توازن برقرار رہے۔ کم از کم ہم تینوں کا یہی خیال تھا۔ ہم تینوں سے مراد میں یعنی جیروم، جارج اور ہیرس ہیں۔ اگر اپنے کتے منٹگمری کو بھی شامل کر لیں تو ہماری مثلث پر مبنی جمعیت اِس رائے پر سو جان سے متفق تھی۔ یہ ہم چاروں سیلانی دوستوں کا معمول تھا کہ سال میں حسبِ درک ایک یا دو بار کچھ عرصے کے لئے کسی طرف نکل پڑتے تھے اور یوں اِن آزاد لمحوں میں اپنی نسوں میں اِتنی تازہ ہوا بھر لیتے تھے سال کے باقی دورانئے میں کام چل جایا کرتا تھا۔

اِس بار ہم نے چیٹرسی تک جانے کی ٹھانی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ قیام کی کیا صورت ہو۔ سینگ سیدھے کر کے کسی سرائے میں جا گھسا جائے یا خیمہ زنی کے مزے لوٹے جائیں۔ جارج اور میں خیمہ زنی کے حق میں تھے۔ ہماری منچلی طبعیت خیمہ زنی کی صورت میں ایک انتہائی آزاد اور رومان پرور زندگی کی رنگا رنگی دیکھ رہی تھی۔ خیمہ زنی کے ذکر پر ہی میرے تصور میں گویا دھنک اُتر آئی۔ ہم کسی ایسے گوشہ ءعافیت کو جا نکلتے ہیں جہاں بندہ نہ بندے کی ذات ہو۔ خیمے گاڑ دئے جاتے ہیں اور تیل کے چولہے پر پکنے والا چھڑے چھانٹ کنواروں والا کھانا یوں کھایا جاتا ہے جیسے من و سلویٰ حلق میں اُتار رہے ہوں۔ پائپوں کے جہنم تمباکو سے بھر کر جلا لئے جاتے ہیں۔ خوشگوار بات چیت ہلکے ہلکے سُر بکھیرنے لگتی ہے۔ قریب دریا سے کوئی کشتی گزرتی ہے تو اُس کے چپوؤں کی چپ چپ بھی اِس موسیقی میں تان ملانے لگتی ہے۔ ہماری توجہ اُس طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ ہماری دیکھا دیکھی چاند بھی اپنے چہرے پر سے بادل کی ایک ٹکڑی کو ہٹاتا ہے اور رقص کرتی ہوئی لہروں پر اپنے ہونٹ ثبت کر دیتا ہے۔ ایسے میں ہیرس کو جانے کیا سُوجھتی ہے کہ وہ لپک کر اُٹھتا ہے، اپنا وائلن اُٹھاتا ہے اور دھیمے دھیمے سُروں میں آئرلینڈ کے ایک لوک گیت کی دُھن چھیڑ دیتا ہے۔ اِس لوک گیت کا قصہ بھی عجیب ہے۔ یہ آئرلینڈ کی ایک رومانوی داستان پر مشتمل ہے لیکن جس طرح بعض شریر بچوں کو اکثر و بیشتر گنتی تو بھول جاتی ہے لیکن اُس کی طرز یاد رہ جاتی ہے بالکل اُسی طرح اِس لوک گیت کے اصل بول تو فراموش کئے جا چکے ہیں البتہ دوسرے کئی گیت گھڑ لئے گئے ہیں۔ آئرلینڈ کے حریت پسند اس لوک گیت کی دُھن پر برطانوی بادشاہ کو بے نطق کی سناتے ہیں جبکہ اس کے عین برعکس شاہ پسند اسی لوک گیت کی دُھن پر بادشاہ کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے نظر آتے ہیں۔ بہر حال ہیرس نہ تو شاہ پرست ہے اور نہ ہی علیحدگی پسند' چنانچہ اُس نے ایک رومانوی گیت کی دُھن چھیڑی ہے جس کا پتہ ایک سُر کے مخصوص جھکاؤ سے بخوبی چل جاتا ہے۔

پھر جب فضا میں خمار گُھل جاتا ہے' موسیقی دم توڑ دیتی ہے' پائپوں میں تمباکو جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور ہم ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر خوابِ خرگوش کے مزے لوٹنے لگتے ہیں تو یہ طلسماتی ماحول خواب میں بھی ڈاکہ زنی کرنے لگتا ہے۔ دنیا گاؤں کی اُس الہڑ مٹیار کی مانند دکھائی دیتی ہے جس کا لونگ ابھی نہیں گواچا۔۔۔ اُس کی پلکوں پر آنسو نہیں بلکہ رتجگوں کے ستارے جھلملا رہے ہوتے ہیں۔ اُس کے عارض پر کسی کارخانے کی تیار کردہ لالی نہیں بلکہ زندگی کی حرارت جھلک رہی ہوتی ہے۔ اُس کے لبوں کی مسکراہٹ کسی ٹوتھ پیسٹ کے اشتہار کی خاطر نہیں بلکہ حقیقی انبساط میں گندھی ہوئی ہوتی ہے۔

عین اِسی لمحے جارج نے مجھے خیالات کے کوہِ قاف سے نکالتے ہوئے استفہامیہ انداز میں کہا ''خیمہ زنی کا شوق بجا لیکن یہ تو بتاؤ کہ اگر اسی دوران بارش نے آلیا تو پھر کیا ہوگا؟''

دودھ میں مینگنیاں ڈالنا جارج کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ جمالیاتی حس تو ظالم کو چھو کر بھی نہیں گزری۔ اِس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اُس کا نام جارج ہے کوئی جمال الدین جمالی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اُس کا نام جمال الدین جمالی بھی ہوتا تب بھی وہ رنگ میں بھنگ ڈالنے سے باز نہ آتا۔ ضرورت سے زیادہ حقیقت پسندی نے اُس کے تمام نازک جذبات کو سُن کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ ہمیشہ اشیا کے اُس رخ کو دیکھتا ہے جسے کوئی بھی شخص دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ لبِ دریا بیٹھے ہوں۔ پانی کی لہریں ٹھہری ہوئی ہوں۔ فضا میں ایک عجیب سُرور آمیز کیفیت مسلط ہو اور آپ مسحور ہو کر کہیں۔۔۔۔ کیوں جارج؟ کیا تمھیں دریا کی اِن پرسکون لہروں کے نیچے دور کہیں سے جل پریوں کی آوازیں آتی نہیں سنائی دے رہی ہیں۔۔۔۔ یا پھر یہ کہ کیا یہ محسوس نہیں ہو رہا کہ کوئی بھٹکی ہوئی اداس روح سسکیاں بھر رہی ہے؟

۔۔۔جواباً جارج پہلے تو آپ کو بازو سے پکڑ کر بڑے غور سے دیکھے گا اور آپ کی بات دہرائے گا۔۔۔ بھٹکی ہوئی روح ؟۔۔۔۔پھر قدرے مسکرا کر کہے گا۔۔۔کوئی پری وری نہیں ہے میاں! بات صرف اِتنی سی ہے کہ تمہیں ٹھنڈ لگ گئی ہے اسی لئے یوں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔۔۔اب اچھے بچوں کی طرح میرے ساتھ آؤ۔۔۔ یہیں قریب ہی ایک کافی ہاؤس موجود ہے۔۔۔ایک کپ گرم گرم کافی حلق میں انڈیلو گے تو منٹوں میں دماغ ٹھکانے آجائے گا۔

جارج کو ہمیشہ قریب ہی ایک ایسی دکان کا پتہ ہوتا ہے جہاں آبِ معقر ہمیشہ دستیاب رہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اتفاق سے آپ کا سامنا جنت میں بھی جارج سے ہوگیا(آپ کے گناہ و ثواب آپ کے ذمے لیکن جارج کے اعمال کو دیکھتے ہوئے تو اُس کے جنت میں جانے کے امکانات صفر فیصد سے بھی کم دکھائی دیتے ہیں) تو وہ چھوٹتے ہی آپ سے کہے گا۔۔۔ شکر ہے تمہاری صورت تو نظر آئی چلو میاں میرے ساتھ۔۔۔میں نے یہیں قریب ہی ایک دودھ کی نہر دیکھ رکھی ہے۔۔۔ چلو چل کر دودھ کا ایک ایک کپ پی لیتے ہیں۔۔۔۔!

ہمیشہ کی طرح ہم نے اُس کی بات کو ایک کان سے سُنا اور دوسرے کان سے نکال دیا۔ دوسرا کان شائد خدا نے ہمیں اسی لئے دے رکھا ہے کہ ہم اُس سے جارج کی باتیں خارج کر سکیں۔ حتمی طور پر طے ہوگیا کہ دریا کے کنارے کسی خوبصورت اور پُر سکون سے گوشے میں خیمے گاڑ کر آس میں قیام کیا جائے۔ اب سفر کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ رختِ سفر باندھا جانے لگا۔ خیر رختِ سفر کی بھی خوب کہی۔ ہم فقیروں کے مال منال کا کیا پوچھنا۔ میرا کل سرمایہ چند نوٹ بکس اور کتابیں تھیں۔ جارج نے اپنے کتے منٹگمری کی زنجیر سنبھالی جبکہ ہیرس نے اپنے وائلن کو سینے سے لگایا۔ باقی چیزوں میں چند کپڑے، خیمے اور روزانہ استعمال کی دوسری چیزیں تھیں۔ تمام سامان کشتی میں لاد لیا گیا اور سفر آغاز ہوا۔ جانے جارج کی کالی زبان رنگ لائی تھی یا ہماری قسمت ہی خراب تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے فضا کی نیت بدل گئی۔ آسمان کی شفاف پیشانی پر کالے کالے بادلوں کی جھریاں پڑنے لگیں۔ موسم پر لندن کا بڑھاپا غالب آگیا اور پھر وہی ہوا جس کا دھڑ کا تھا۔ بوندوں کے راگ رنگ کے ساتھ ہی بارش کی دھمال شروع ہوگئی۔ ہمارے رومان پر گویا جارج کی کالی زبان پھر گئی۔ کہاں تو ہم شام کی سرمئی سانولاہٹ میں مشرق کی کسی دوشیزہ کا پرتو ڈھونڈ رہے تھے اور کہاں یہ حالت ہوگئی کہ یہی حُسن ہمیں ظلمتِ بسیط نظر آنے لگا۔ ہم تینوں بُری طرح بھیگ گئے۔ کشتی میں خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی دو دو انچ پانی بھر گیا تھا۔ تمام چیزیں شرابُور ہو کر رہ گئیں تھیں۔ایسے میں کسی حسین جگہ کے انتخاب میں وقت ضائع کرنا اپنی شامت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔ موسم کے ساتھ ساتھ دریا کا رویہ بھی کسی بھی لمحے بدل سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی موجیں گستاخی کی حد تک سرکشی اختیار کر لیتیں، ہمیں خود ہی شرافت کا ثبوت دینا تھا چنانچہ ہم نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور کشتی کو کنارے کی طرف دھکیلنے لگے۔ کنارے پر پہنچ کر خیموں کو کشتی سے گھسیٹ کر اُتارا اور کچھ دُور جا کر نصب کرنے لگے۔ یہ جگہ اُن جگہوں میں سے نہیں تھی جہاں ہم نے خیمہ زنی کرنے کی ٹھہرائی تھی لیکن وہ جو ولیم فاکنز نے کہا ہے کہ دریا کی موجیں اُس وقت تک خوبصورت لگتی ہیں جب تک سر پر سے نہ گزریں۔ اگر ہم کسی رومان پرور جگہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تو نمونیا نہیں تو کم از کم نزلہ یا زکام تو ضرور ہمارے مزاج پوچھتا۔

ایسے بپھرے ہوئے موسم میں خیمہ نصب کرنا جُوئے شیر لانے سے کم نہیں۔۔۔ دوسرا خیمہ بھی بھیگ کر کسی غصیلی ساس کی صورت بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ کبھی ہاتھوں سے پھسل پڑتا تو کبھی سر پر آن گرتا۔ ان تمام باتوں نے مجھے عجیب طرح کی جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اُدھر موسم بھی مسلسل جلتی پر تیل چھڑک رہا تھا۔ جارج خیمہ نصب کرنے میں میری مدد کر رہا تھا۔ مدد کیا کر رہا تھا مجھے تو لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے اُلو بنا رہا ہو۔ جب کبھی میں خیمے کا اپنی طرف کا حصہ درست طور پر کھڑا کر دیتا، وہ دوسری طرف سے جھٹکا دیتا اور میری تمام محنت پر پانی پھیر دیتا۔

آخر تم کر کیا رہے ہو۔۔۔۔ آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے چلا کر کہا

میں پوچھتا ہوں تم کیا کر رہے ہو۔۔۔۔۔ وہ جواباً چلایا۔۔۔۔ کیا تمہیں خیمہ لگانا بھی نہیں آتا؟

ارے الو کی دم تم اسے اپنی طرف کیوں کھینچ رہے ہو۔۔۔۔ میں نے دوبارہ دانت پیستے ہوئے کہا۔۔۔۔ ہم خیمہ لگا رہے ہیں کوئی دستر خوان نہیں بچھا رہے ہیں۔۔۔۔!

کیا تم سمجھ رہے ہو کہ ہم رسہ کشی کر رہے ہیں۔۔۔۔۔؟ وہ جھنجلا کر بولا۔۔۔۔ خیمے کو مسلسل گھسیٹے جا رہے ہو۔ آرام سے کیوں نہیں لگاتے۔۔۔۔ اسے ڈھیلا چھوڑو۔۔۔۔۔۔!

میں کہتا ہوں تم بالکل غلط کر رہے ہو۔۔۔۔۔ میں نے دہاڑتے ہوئے کہا۔۔۔ دل میں ایک وحشیانہ خواہش چٹکیاں لے رہی تھی کہ کاش جارج اس وقت میرے سامنے ہوتا تو مزا چکھا دیتا بچو جی کو۔۔۔۔ ایسا جھانپڑ رسید کرتا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔۔۔۔ جھلا کر میں نے خیمے کو ایک جھٹکے سے اپنی طرف گھسیٹا جس سے تمام معاملہ گڑبڑا کر رہ گیا۔ کلے ایک جھٹکے سے اکھڑ پڑے۔

ہُوں۔۔۔ گاؤدی نہ ہو تو۔۔۔۔۔ جارج کی جھنجلائی ہوئی بڑبڑاہٹ کسی پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں میں پڑی۔ دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ لہولاوے کی مانند کھولنے لگا۔ انتہائی طیش کے عالم میں ہتھوڑے کو زمین پر پٹخا اور جارج کی طرف لپکا تا کہ اُس پر اُس کی پیدائش کے بارے میں نئے نئے انکشاف کر سکوں۔ جارج وہاں موجود نہیں تھا تاہم اُس کی اشتعال انگیز بڑبڑاہٹیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ غالباً وہ میرا انتظار نہ کر سکا تھا اور مجھے صلواتیں سنانے میری طرف بڑھا تھا۔ گڑبڑ بس یہ ہوئی کہ وہ خیمے کی دوسری طرف سے روانہ ہوا تھا چنانچہ میری طرح تشنہ کام رہا۔ میں دوبارہ اُس کے پیچھے لپکا اور وہ میرے پیچھے نتیجتاً ہم کافی دیر تک ایک دوسرے کے پیچھے خیمے کے گرد چکر لگاتے رہے لیکن ایک دوسرے کو پکڑائی نہ دیے۔ غالباً خیمے سے یہ خالی خولی کی آنکھ مچولی برداشت نہ ہو سکی وہ بڑے اطمعنان سے گرا اور زمین پر لملیٹ ہو رہا۔ اب درمیان میں کوئی سماج کی دیوار حائل نہ تھی۔ میں اور جارج آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ہم دونوں نے

یک بیک خیمے کی طرف دیکھا اور یک آواز ہو کر دہاڑے ۔۔۔۔۔۔دیکھا! میں نے کہا نہیں تھا!!!

اسی اثنا میں ہمارا تیسرا ساتھی ہیرس جس کے ہاتھوں میں ہم نے کشتی کی زمام تھمائی تھی، آن موجود ہوا۔ اُس کی حالت ہم دونوں سے زیادہ وگرگوں اور غصہ ہم دونوں سے کہیں زیادہ تھا جس کا ثبوت اُس کی موسم کے نام وہ صلواتیں تھیں جو وہ باآوازِ بلند دیئے جارہا تھا۔

تم دونوں کیا کرتے پھر رہے ہو۔۔۔۔۔؟ وہ لال پیلا ہو کر بولا ۔۔۔۔۔۔ابھی تک ایک خیمہ بھی لگا نہیں پائے۔۔۔۔۔۔!!

جارج اور میں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بیک وقت اُس پر پل پڑے۔ ہیرس غریب کو اس کی بالکل بھی توقع نہیں تھی چنانچہ وہ ہم دونوں کو لیتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔ اُس کا منہ کیچڑ سے لت پت ہو کر رہ گیا۔ کیچڑ سے مفر تو خیر ہم دونوں کو بھی نصیب نہ ہوا۔ ہیرس کی جوابی کاروائی نے ہمیں بھی وہ خاک چاٹنے پر مجبور کر دیا جواب کیچڑ بن چکی تھی۔ ہم تینوں کافی دیر تک گتھم گتھا رہے۔ اُدھر منٹگمری بھی اس تماشے کو نورا کشتی سمجھتے ہوئے اس میں شامل ہو گیا اور زور آزمائی کرنے لگا۔ پھر جب ہماری طبیعتیں صاف ہوئیں اور حواس ٹھکانے لگے تو تینوں بلکہ چاروں اُن افریقی قبائل کے باشندے دکھائی دیئے جو دورانِ جنگ اپنے جسم پر کیچڑ تھوپ لیتے ہیں۔

جارج نے اپنے کیچڑ سے لتھڑے ہوئے ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ خیمہ زنی ٹھیک نہیں۔۔۔۔۔!!

آخر کسی نہ کسی طرح خیموں کو نصب کرنے کا مرحلہ پایہء تکمیل کو پہنچا۔ اِس بار خیموں نے کوئی نخرہ بازی نہیں کی تھی۔ اب چیزوں کو ترتیب سے رکھنے کا سوال تھا۔ تمام اشیاء بُری طرح بھیگی ہوئیں تھیں۔ اُنہیں کیسے خشک کیا جاتا؟ گیلے تولیوں سے؟؟؟ بہر حال جو چیز جیسی ہے اپنی جگہ ٹھیک ہے کے مصداق سب چیزیں سلیقے سے رکھ دی گئیں۔ دریا کے کنارے جا کر غسلِ طہارت فرمانے اور پھر گیلے کپڑے زیبِ تن کر چکنے کے بعد قدرے قرار نصیب ہوا۔ کمبل اگرچہ گیلے تھے لیکن آخر کمبل تھے کچھ نہ کچھ کام دے گئے۔ جنگل کی لکڑیوں سے آگ جلانا تو خیر ناممکن تھا؛ بھلا گیلی لکڑیاں آگ کو کیا لفٹ دیتیں۔ مجبورا تیل کے چولہے پر قناعت کرنی پڑی۔ چولہا جلا کر رات کا کھانا تیار کیا جانے لگا۔

رات کے کھانے میں بارش کا پانی ہماری غذا کا جزوِ لاینفک نکلا۔ کھانے کی ہر چیز تر بتر تھی۔ ڈبل روٹی کا تین چوتھائی حصہ اس کی دریا دلی کا اسیر تھا۔ اِسی طرح مکھن میں بھی بارش کا پانی اس کثرت سے تھا کہ لگتا تھا کہ جیسے اس میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے کا متمنی ہو۔ جام، پنیر، کافی، نمک سب کا اس نے اچار مربہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ یہ سب چیزیں کھائیں تو نئی نویلی دلہن کے ہاتھوں پکائے گئے کھانے کا لطف مل گیا۔

کھانے کے بعد حسبِ معمول تمباکو کی طلب دامن گیر ہوئی۔ تمباکو کا ڈبہ کھول کر دیکھا تو سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔ سارا ہی تمباکو گیلا ہو چکا تھا۔ میں نے تو مایوس ہو کر سر ڈال دیا لیکن ہیرس گیلے تمباکو کو ہی پائپ میں بھر کر سلگانے کی کوشش کرنے لگا لیکن بھلا ہتھیلی پر بھی کبھی سرسوں جمی ہے، غریب اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اتنے میں جارج، جو بڑی سرگرمی سے کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا، چلایا۔۔۔۔۔وہ مارا۔۔۔۔۔!

ہم نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھوں میں شمپیئن کی بوتل تھی۔ ہم دونوں کے چہرے بھی کھل اٹھے۔ ایک ایک جام چڑھایا تو زندگی میں اتنی دلچسپی نظر آئی کہ بستر پر دراز ہوا جائے اور خوشی خوشی ایک دوسرے کو "شب بخیر" کہہ کر لمبی تان لی جائے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حالات کا عکس خوابوں میں بھی جھلکنے لگتا ہے۔ اگر آپ کو عالمِ بیداری میں کسی پریشانی نے مرغا بنائے رکھا ہے تو خواب میں بھی آپ اپنے آپ کو کان پکڑے ہوئے دیکھیں گے۔ یہی کچھ میرے ساتھ بھی اُس رات خیمے میں ہوا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ یکلخت ایک ہاتھی میرے سینے پر آکر براجمان ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ کوئی آتش فشاں پھٹا تھا جس نے مجھے اُٹھا کر سمندر کی گہرائیوں میں پھینک دیا تھا۔ ہاتھی بدستور میرے سینے پر استراحت فرما رہا تھا۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی؟ اگر کوئی ہاتھی میرے سینے پر بیٹھا ہوا تھا تو آتش فشاں مجھے سمندر میں کیسے پھینک سکتا تھا۔ اور اگر ایسا ہو بھی گیا تھا تو ہاتھی میرے سینے پر کیسے بیٹھا رہ سکتا تھا؟؟ یعنی اگر یہ تھا تو وہ کیسے تھا اور اگر وہ تھا تو یہ کیسے تھا؟؟؟

اِسی الجھن میں میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ آتش فشاں اور ہاتھی کے مسئلے کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ اور مسائل بھی وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ اول اول تو یوں محسوس ہوا جیسے قیامت آچکی ہے، صور پھونکا جا چکا ہے اور آسمان زمین پر گر پڑا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے خود ہی اپنے خدشے کی تردید کر دی کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ غالبا ڈاکوؤں اور لٹیروں نے حملہ کر دیا تھا یا کوئی آگ وغیرہ لگ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہی کچھ ہو سکتا تھا۔ قیامت بھلا کیسے آسکتی تھی۔ ابھی تو میں نے اتوار کی اتوار چرچ جانا موقوف نہیں کیا تھا۔ مجھے یُوں لگتا تھا جیسے سینکڑوں لوگوں کے مجمع نے مجھ پر چڑھائی کر دی ہو اور اب اُن کے درمیان میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں تھا جو میری مدد کو آتا اور مجھے اُن کے پنجوں سے رہائی دلاتا۔

مجھے یُوں لگا کہ جیسے آس پاس کوئی اور ذی روح بھی موجود ہے جو میری طرح کسی انجانی مصیبت میں مبتلا ہے۔ اُس کی خوف میں ڈوبی ہوئی آواز خود میری چارپائی کے نیچے سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اِس تاثر کے ساتھ ساتھ میرے اندر یہ احساس بھی مجھے اندر ہی اندر ڈنک مارنے لگا کہ میری اپنی زندگی خطرے میں ہے۔ کوئی جناتی عفریت میرے جسم کو نگلتا جا رہا ہے۔ اپنی قیمتی زندگی کو بچانے کے لئے میں نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ ساتھ میں چیخوں اور فریادوں کا تڑکا بھی لگائے جا رہا تھا۔ مجھے اپنی ریاضت رنگ لاتی نظر آئی۔ چند ہی لمحوں میں میں نے اپنے آپ کو گردن تک کھلی فضا میں پایا۔ مجھ سے تقریبا دو فٹ کے فاصلے پر کوئی کفن بردوش آسیب نظر آیا۔ تو یہی وہ عفریت تھا جو میری زندگی کے درپے تھا؟ میں نے سوچا اور پھر اپنی زندگی کی جدوجہد کے لئے سینہ سپر ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت میرے شعور میں اُس عفریت کی شناخت ابھری۔۔۔۔۔وہ جارج تھا۔

عین اُسی وقت جارج نے بھی مجھے پہچان لیا اور پورا منہ کھول کر چلایا۔۔۔۔۔ارے! یہ تو تم ہو!! تمہیں ہونا ں جے؟؟؟

ہاں! میں ہی ہوں۔۔۔۔۔ میں آنکھیں ملتا ہوا بولا۔۔۔۔۔ لیکن آخر ہوا کیا تھا؟؟

ہونا کیا تھا۔۔۔ کم بخت خیمہ اکھڑ کر گر پڑا ہے۔۔۔۔ اُس نے سر کھجا کر کہا۔۔۔ ہیرس کہاں ہے؟

اب ہم دونوں کو ہیرس کی فکر پڑ گئی۔ جارج نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے بھونپو بنایا اور پکار کر کہا۔۔۔ ہیرس! ہیرس!!

عین اُسی لمحے اتفاقاً میری نظر جارج کے عقب میں پڑی۔۔۔۔ وہاں زمین پر پڑے ہوئے خیمے کے نیچے کوئی شے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھٹی گھٹی آواز سنائی دی۔۔۔۔ ارے! کیا تم لوگ اندھے ہو' میں یہاں ہوں خیمے کے نیچے!!

اِس سے پہلے کہ ہم اُس کی مدد کو پہنچتے' وہ خود ہی خیمے کو اٹھاتا ہوا اس کے نیچے سے نکل آیا۔ یہ ہیرس کی ایک انتہائی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ شدید غصے اور کیچڑ نے اُس کے چہرے کو ناقابل شناخت بنا دیا تھا۔ یُوں لگتا تھا جیسے ہنری ہشتم کو کسی گستاخ درباری نے چھیڑ دیا ہو۔

یہ کس نامعقول کی حرکت تھی؟۔۔۔۔ وہ دہاڑتے ہوئے بولا

اگر یہ کسی کی حرکت ہوتی تو وہ شخص یقیناً نامعقول ہوتا لیکن میرا خیال تھا کہ یہ ساری کارستانی خود خیمے کی تھی جسے انتہائی غلط وقت پر قیلولے کی سُوجھی تھی۔ بہرحال ہیرس کو قائل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ وہ بدستور بضد تھا کہ یہ اُس کے خلاف کسی بدطینت کی سازش تھی۔ کبھی کبھار تو وہ ہماری طرف بھی شکوک بھری نظروں سے دیکھ لیا کرتا تھا۔

اُدھر جارج کی یہ رواں رواں بھی مسلسل جاری تھی کہ " دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ خیمہ زنی ٹھیک نہیں!!"

اِس وقت ہم لوگ ایک سرائے کے انتہائی آرام دہ کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔ میں آتشدان کے قریب بیٹھا ہوا اِس تحریر کی اختتامیہ سطور رقم کر رہا ہوں۔ میری کرسی کے پہلو میں جارج کا بستر ہے جس پر وہ خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو وہ غنودگی کے عالم میں پچاسوں مرتبہ یہ فقرہ دہرا چکا ہے۔۔۔ دیکھا! میں نہ کہتا تھا کہ خیمہ زنی ٹھیک نہیں!!

(جیروم کے جیروم کی معرکتہ آرا کتاب Three Men in a Boat کے ایک باب سے ماخوذ)۔

۔۔۔اختتام۔۔۔

رہنا تو چاہتا تھا میں ہر اک خلل سے دور

رہنا تو چاہتا تھا میں ہر اک خلل سے دور
لیکن نہ رہ سکا کبھی فکرِ غزل سے دور

ہر سمت ہیں عیاں یہی آثار آج کل
دنیا کا خاتمہ نہیں چند ایک پل سے دور

حسنِ کلام میں جو ہیں مشّاق جس قدر
دیکھو تو ہیں وہ اُتنے ہی حسنِ عمل سے دور

ٹکرائیں آسماں سے بھی جب وقت آپڑے
ہر چند ہم، کہ رہتے ہیں جنگ و جدل سے دور

پیوند خاک ہو گئے کتنے عظیم لوگ
جن کی جگہ ہے آج بھی نعم البدل سے دور

رعنائیِ خیال ہے اپنے شباب پر
گرچہ غزل سرا ہوں میں اپنی غزل سے دور

لالچ کا پیٹ قبر ہی بھر پائے گی فرید
انساں کو رہنا چاہئے طولِ امل سے دور

شاعر: فرید ندوی

اردو شاعری

کٹھن ہے یہ سفر اب تو
گراں ہے رہ گذر اب تو

کبھی گلزار تھا آنگن
دکھوں کے ہیں شرر اب تو

ہوئی خود سے میں بے گانہ
نہیں ہے کچھ خبر اب تو

ترے ہونے سے رونق تھی
ہوا سُونا نگر اب تو

خدا سے کچھ نہیں مانگا
میں مانگوں گی مگر اب تو

اکیلے ہم چلیں کب تک
کوئی ہو ہمسفر اب تو

محبت کا صلہ نفرت
ہے دینا میں ثمر اب تو

شاعرہ: نداسلیمان

اپنے دل سے نہ یوں نکال ہمیں
نفرتوں کا نہ دے وبال ہمیں

تیری چاہت سے اختلاف نہ تھا
تجھ سے ملنا لگا محال ہمیں

جب پڑی تیری اک نظر جاناں
دو جہاں کا ملا جمال ہمیں

کوئی لمحہ نہ اس قدر بھایا
جتنا اچھا لگا وصال ہمیں

دے دیا وقت نے ہنر ایسا
سب نے مانا ہے باکمال ہمیں

زندگی نے بہت ستایا تھا
موت نے پھر لیا سنبھال ہمیں

شاعرہ: نداسلیمان

دیارِ غیر میں

دیارِ غیر۔۔

روشنیوں کا خوبصورت شہر
جہاں میں اجنبی کی طرح کھڑا ہوں
پرائے دیس میں پرایا بن گیا ہوں
مصنوعی روشنیوں میں لوگ بدل سے گئے ہیں
چاند کو بھلا کر کلب میں جا گھسے ہیں
کائنات کی رنگینی کو اچٹتی نظر سے دیکھتے ہیں
بے موسم بارش پر تلملاتے ہیں
بس اپنی ہستی کو اجاگر کرنے میں لگے ہیں
جاناں،
تمہیں سوچ کر میں مسکرا اٹھا ہوں
تم نے جو اتنے ڈھیروں نیر بہائے
خدشے، وہم اور وسوسے پالے
سب بے کار ہوئے۔۔
یہاں زندگی اور ہی ڈگر پر ہے
کسی کو کسی کی خبر ہی نہیں ہے
اور میرے تصور میں !
دیس کا چاند ہے، مہکتی ہوائیں ہیں اور تم ہو

شاعرہ: کائنات بشیر

کاش

کاش کہ ایسا ہو جائے
نیک ارادوں کے حامل
خواب حقیقت بن جائیں
دنیا کے سارے خطے
رشکِ جنت بن جائیں
آپادھاپی کا سودا
جگ سے شیطاں ڈھو جائے
کاش کہ ایسا ہو جائے
رنگ و نسل کے بُت توڑیں
یہ بے فیض تفاخر ہیں
ہر مذہب کا کہنا ہے
سب انسان برابر ہیں
اِن بے فیض تفاخر کا
نام و نشاں بھی کھو جائے
کاش کہ ایسا ہو جائے
کاش ہماری دنیا میں
نفرت ہو نہ کینہ ہو
سارے یوں مل جل کے رہیں
جینا اپنا جینا ہو

اب کے موسم ہر جانب
پیار محبت بو جائے
کاش کہ ایسا ہو جائے
اِک دوجے کی قوت ہوں
پورب، پچھم، افریقہ
سب کی خوشیاں سانجھی ہوں
اور غم بھی ہوں مشترکہ
پھوٹے جب بھی کوئی کرن
سب تک اس کی لو جائے
کاش کہ ایسا ہو جائے

شاعر: نوید ظفر کیانی

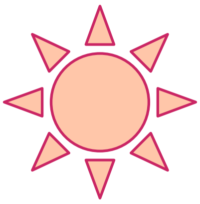

زیادہ دیر مت کرنا

سنو جانم
اب کے مجھ سے جو گلے ہیں ایسے پہلے تو کبھی نہ تھے
کئی بار ھم بچھڑے ملے ہیں مگر ایسے پہلے تو کبھی نہ تھے
پہلے تو کبھی بھی تم ایسے خفا نہ تھے
مجھ سے دور ھو کے بھی مجھ سے جدا نہ تھے
جانے اب کے کیا ھوا
میری وفائیں بھول گئے
آرزوؤں کو بھلا بیٹھے
اور تمنائیں بھول گئے
مجھے نظر انداز ھونے کا تو نہیں غم
مگر ڈرتا ھوں کہ
جدائی کے بعد کی گھڑیاں بڑی محال ھوتی ہیں
تمنا بھرے دل کے اجڑنے سے
من میں ھر وقت ساتھ بیتے لمحوں کی
یادیں کرلاتی ہیں، روتی ہیں
یہ میری قسمت کا تغیر ھے شاید
تجھ سے گلہ فضول ھے
اب سوچنے سے کیا فائدہ
کہ تیری، میری، کس کی بھول ھے

جاناں
بچھڑنا شرط ھے اپنا تمہاری خوشی کی خاطر
تو الوداع میں کہتا ھوں
مگر کچھ کہنا چاھتا ھوں تمہیں پہلے جدائی سے
بچھڑنے کا مجھ سے ملال ھو
تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر
تمہاری آنکھ اپنی بے رخی
یا میری بے بسی پہ نمناک ھو جائے
میری وفا کا تمہیں کبھی ادراک ھو جائے
تو لوٹ آنا پاس میرے اپنی ضد کو چھوڑ کر
میں ملوں گا تم کو منتظر
تیری راہ میں بچھائے دل و نظر
میں پھر سے تم کو سنبھال لوں گا
تمہارے آنسو پونچھ کر میں
دکھوں سے تم کو نکال لوں گا
یہ وعدہ ھے تم سے میرا
فقط اتنا یاد رکھنا
کہ اس وعدے کی مدت
صرف میری زندگی تک ھے
اس لیے یہ کہنا ھے کہ

زیادہ دیر مت کرنا
زیادہ دیر ھو جائے
تو باقی کچھ نہیں رھتا
سب کچھ خاک ھو جاتا ھے
صرف پھر خاک بچتی ھے
کبھی وہ بھی نہیں بچتی
فقط پچھتاوہ بچتا ھے
اور پچھتاوہ جس کے دل میں بس جائے
وہ زندگی سے بھی بیزار ھوتا ھے
اک لمحہ گزرنا بھی بہت دشوار ھوتا ھے
پچھتاوے سے بچنا
زیادہ دیر مت کرنا

شاعر: خلیل

ظفرانیات

لیڈروں سے غلطیاں ہوتی نہیں ہیں مطلقاً
یوں کہ اگلوں نے کبھی مانی نہیں ہیں مطلقاً

آپ کیوں بیٹھیں اسمبلی میں خدا نخواستہ
آپ کی اسناد تو جعلی نہیں ہیں مطلقاً

عشق کے برساتی جذبوں سے کھچا کھچ بھر گئیں
یہ دلوں کی جھگیاں خالی نہیں ہیں مطلقاً

عاشقوں سے اس قدر بھی بدگماں ہوتے نہیں
ہیں تو یہ مچھر مگر ڈینگی نہیں ہیں مطلقاً

بیویوں کے باب میں شوہر ہیں سارے متفق
جیسی ہم کو چاہئیں ویسی نہیں ہیں مطلقاً

اُن کا طعنہ بھی ہمیں بیگم سے ملتا ہے بہت
ہائے وہ باتیں جو سوچی بھی نہیں ہیں مطلقاً

افسروں کے سامنے کیسے ہلانے لگتے ہیں
جب کلرکوں کی دمیں ہوتی نہیں ہیں مطلقاً

کیا غضب کا حُسن ہے' بالکل مسلماں کی طرح
آپ کی آنکھیں کبھی جاگی نہیں ہیں مطلقاً

اِتنی جگتیں نہ کریں غیرت سے مر ہی جائیں گے
یہ ظفر صاحب ہیں' زرداری نہیں ہیں مطلقاً

شاعر: نوید ظفر کیانی

ڈاج محل

(ساحر لدھیانوی سے معذرت کے ساتھ)

ڈاج کے نام سے جاناں تجھے الفت ہی سہی
ڈاج ہوٹل سے تجھے خاص عقیدت ہی سہی
اُس کی چائے سے، چکن سوپ سے رغبت ہی سہی
ڈاج کرنا بھی ازل سے تیری عادت ہی سہی
تو مری جان کہیں اور ملا کر مجھ سے

قیس و لیلیٰ بھی تو کرتے تھے محبت لیکن
عشق بازی کے لیے دشت کو اپناتے تھے
ہم ہی احمق ہیں جو ہوٹل میں چلے آتے ہیں
وہ سمجھ دار تھے جنگل کو نکل جاتے تھے
تو مری جان کہیں اور ملا کر مجھ سے

کاش اس مرمریں ہوٹل کے بڑے مطبخ میں
تو نے پکتے ہوئے کھانوں کو تو دیکھا ہوتا
وہ جو مردار کے قیمے سے بھرے جاتے ہیں
کاش اُن روغنی نانوں کو تو دیکھا ہوتا
تو مری جان کہیں اور ملا کر مجھ سے

جاناں! روزانہ ترے لنچ کا بل کیسے دوں
میں کوئی سیٹھ نہیں، کوئی اسمگلر بھی نہیں
مجھ کو ہوتی نہیں اوپر کی کمائی ہرگز
میں کسی دفتر مخصوص کا افسر بھی نہیں
تو مری جان کہیں اور ملا کر مجھ سے

کھاگ بیرے نے دکھا کر بڑا مہنگا "مینو"
"ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق"
عشق ہے مجھ سے تو، کافی ہی کو کافی سمجھو
میں منگا سکتا نہیں مرغ مسلم کا طباق
تو مری جان کہیں اور ملا کر مجھ سے

شاعر: سرفراز شاہد

فوٹو اسٹیٹ محبوبہ

کلوننگ ٹیکنیک کے تناظر میں
تُو نے ٹھکرا دیا ہمیں جاناں
ہم بھی ایسی تری خبر لیں گے
بائیو ٹیکنیک کی مدد سے ہم
اپنا دامن خوشی سے بھر لیں گے
یعنی تیرے بدن کے خلیے سے
اک حسینہ "کلون" کر لیں گے

وہ حسینہ جو خوش ادا ہو گی
زندگی میں بہار لائے گی
جاناں جاں تیری ہو بہو کاپی
میرے پہلو میں مسکرائے گی
وہ ہنسے گی تجھے رلائے گی
پھر تجھے نیند کیسے آئے گی
سوچ لے اب بھی وقت ہے جاناں

شاعر: سرفراز شاہد

ستار صدیقی (اس ماہ کے شاعر)

کسی بھی حال میں، اپنا زیاں تو ہو گا ہی
جہاں زمیں ہے، وہاں آسماں تو ہو گا ہی
تری تلاش میں نکلے ہیں، سوچنا کیا ہے
اب ایسی راہ میں، سنگ گراں تو ہو گا ہی
رکھو جلائے ہوئے، تم چراغ سینوں میں
حرارتوں کا کبھی امتحاں تو ہو گا ہی
ہمیں نہ جانیے اتنا بھی بے سرو ساماں
ہمارے سر پہ کوئی آسماں تو ہو گا ہی
یہ خار دار فضا، یہ خزاں کی تصویریں
تمہارے ذہن میں ہندوستاں تو ہو گا ہی
کچھ اور حبس سہی، بند کھڑکیاں کر لو
ابھی یہ آگ بجھی ہے، دھواں تو ہو گا ہی
ہمیں نہ پھونک دیے، شہر، بستیاں، بازار
ہماری ذات میں، آتش فشاں تو ہو گا ہی
چلو بھی چھوڑ کے یہ ٹوٹے آدمی کی زمیں
کوئی جہاں، پس دیوار جاں تو ہو گا ہی

پتھر بنا بیٹھا ہے کوئی گھر میں بلا کے
سورج کو دعا دیتا ہوں میں سائے میں آ کے
آ جاؤ کبھی یاد اکیلا مجھے پا کے
میں بھول گیا ہوں سبھی انداز دعا کے
قسمت نے کہاں چھوڑ دیا ہے انھیں لا کے
پیوند بھی شرمندہ ہیں، جسموں کو چھپا کے
آیت ہو کہ نغمہ، مجھے معلوم ہوتا کہ
میں حفظ کروں تم کو اجالے میں صبا کے
برفیلی ہی تحریر، تو یخ بستہ سا انداز
پڑھتے رہے شب بھر ترے خط، آگ جلا کے
طوفان کا دل توڑنا منظور نہیں تھا
کشتی کو بڑی بھول کی ساحل پہ لگا کے
مہمان تھا گھر میں مرے برسات کا پانی
دریا بھی چلے آئے کہیں راہ نہ پا کے
حالات کی گٹھری کو اٹھا کر رکھو ورنہ
احباب نہ اٹھ جائیں کہیں بات بنا کے
کس طرح کرے کوئی بھلا اس پہ بھروسا
وہ بات بھی کرتا ہے تو لہجے میں ہوا کے

ڈری ڈری سی جسارت ہے، کیا کیا جائے
یہی اک آس کی صورت ہے، کیا کیا جائے
کھڑا ہوا ہوں بڑی دیر سے دوراہے پر
اک انتظار کی عادت ہے کیا کیا جائے
کسی کے گھر میں اجالا تو ہو نہیں جاتا
چراغ ایک علامت ہے، کیا کیا جائے
اداس خواب کا عالم، کٹی پھٹی تعبیر
حیات سانس کی زحمت ہے کیا کیا جائے
لطیف روح کے رستے میں آ گئی دیوار
بدن کا ساتھ، مصیبت ہے، کیا کیا جائے
ترا وجود، تصور میں آ نہیں سکتا
خیال "زیر اضافت" ہے کیا کیا جائے
ہزار پھول ترے راستے میں کھلتے ہیں
ترے دیار سے نسبت ہے، کیا کیا جائے
عجیب بات ہے، بے وقت دن نکل آیا
اندھیری رات کی قسمت ہے، کیا کیا جائے
زمیں بھی خوب ہے، مضموں بھی ہیں بلند مگر
"زبان شعر" میں لکنت ہے کیا کیا جائے

سائنس و ٹیکنالوجی

مرجان

سمجھیں اس کے کام کو

تحریر: ایم یوسف انصاری

انتخاب: سلمان سلو

مرجان کو انگریزی میں کورل، عربی میں مرجان اور فارسی میں بسد کہتے ہیں۔ یہ ایک سمندری کیڑا ہے جس کو ایک زمانہ تک بے جان پودا سمجھا جاتا رہا۔ ایسا کیڑا جس میں ہڈی اور کانٹے نہیں ہوتے۔ یہ ایک لیس دار ننھا منا حیوان ہے جسے کثیر پائے (پالپ) کہتے ہیں۔ ہر پالپ نما حیوان اپنے گرد ایک معدنیاتی خول بنالیتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے کثیر پایوں سے جڑا رہتا ہے۔ اس خول میں چونے کا پتھر (کیلشیم کاربونیٹ) ہوتا ہے۔ یہ خول تنے کی طرح شاخ در شاخ پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس آبادی سے الگ نہیں ہوتے۔ یہ آزادی سے پانی میں گھوم پھر نہیں سکتا۔۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ اس کا جسم ادھ کھلے پھول کی طرح ہوتا ہے جس کے منہ پر باریک مونچھیں نکلی رہتی ہیں۔ یہ کانٹوں کی طرح چبھتی ہیں۔ یہ ان مونچھوں کے چھوٹے موٹے کیڑے مکوڑوں کو پکڑتا ہے۔ ایک سال میں ایک تا دو انچ بڑھتا ہے۔ اس کے جسم پر مسے جیسی چھوٹی چھوٹی کلیاں نکلتی ہیں۔ پرانے ڈھانچے سخت اور بے جان بنتے ہیں۔ یہی خول بڑھتے بڑھتے بڑی چٹان (کورل ریف) بن جاتے ہیں۔

مرجان کروڑوں سال سے سمندر کی تہہ میں رہ رہے ہیں۔ نئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ پرانی شاخوں سے نئی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ یہ دھاگے کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں ریڑھ کی ہڈی، سر پیر کا کوئی اور عضو نہیں ہوتا، اسے سمندری پھول بھی کہتے ہیں۔ گرم سمندری پانی کیلشیم کافی مقدار میں ہوتا ہے۔ اسی کیلشیم کی مدد سے سخت کورل ریف یا مونگوں کا سنگستان بنتا ہے۔ کورل زیادہ گہرائی میں نہیں پائے جاتے۔ یہ وہاں تک ہی ملتے ہیں جہاں تک سورج کی روشنی پہنچتی ہے۔ جب کوئی مرجان جزیرہ سمندرہ سے سر نکلتا ہے تو سمندر کی لہریں ان کے بے جان جسموں کو سمیٹ کر ساحل سمندر تک لے آتی ہیں۔ طوفان اور لہروں سے ٹکرا کر یہ چور چور ہو جاتے ہیں اور ساحل پر بکھر جاتے ہیں۔ مرجان اپنے ہی بنائے ہوئی خول میں مر جاتا ہے۔ مگر سخت خول باقی رہ جاتا ہے۔ یہ خول ایک دوسرے سے پیوست ہو کر کروڑوں سال کے عرصہ میں بھاری بھرکم چٹانیں پہاڑ بن جاتے ہیں اور سمندر سے باہر تک نکل آتے ہیں۔ جوں جوں شاخ در شاخ مرجان کی آبادیاں پھیلتی جاتی ہیں۔ انتہائی پیچیدہ بھول بھلیوں کی شکل نکل آتی ہے۔ ان میں پالپ نما حیوان باریک باریک سوراخوں میں ہوتے ہیں۔ مونگوں کو پھلنے پھوٹنے کے لیے سمندر کے اندر سخت پلیٹ فارم درکار ہوتا ہے جو چٹان ہو سکتی ہے یا ڈوبے ہوئے جہازروں کے سخت عرشے۔ مونگوں کے اندر موجود پالپ حیوانات، سمندری کائیوں (الجی) کی مدد سے پھلتے پھولتے ہیں۔ کائی تک سورج کی روشنی نہیں آتی اس لیے کائی بے حس پڑی رہتی ہے۔ جب مونگوں کو غذا نہیں ملتی تو وہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ سمندری کائی کے علاوہ پالپ کی خوراک میں زیادہ پیرا کیے، قشریئے اور کیڑے مکوڑے شامل ہیں۔ عام طور سے پالپ رات کے وقت غذا تلاش کرتے ہیں۔

یہ اپنے پتھریلے خول سے فیلرز یا مونچھیں باہر نکال کر خوراک حاصل کرتے ہیں۔ خول کے اندر پالپ اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔۔ جب خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ سکڑ کر خول کے اندر واپس چلا جاتا ہے، ان کی سب سے بڑی دشمن ستارہ مچھلی ہے جو آنا فانا" نمودار ہوتی ہے اور مونگوں کی آبادیوں کو اجاڑ دیتی ہے۔ مونگے تسلسل سے نہیں بڑھتے بلکہ وقفہ وقفہ سے بڑھتے اور پھر کم ہو جاتے ہیں۔ مونگوں کی کالونی سال میں چاروں طرف صرف ڈیڑھ یا دو فٹ تک ہی پھیل جاتی ہے۔ مونگوں کی چٹانوں

سے بھرے سمندروں میں سفر کرنے والے بحری جہازوں کو ہمیشہ یہ خطرہ درپیش رہتا ہے کہ ان کا سفر محفوظ ہے یا نہیں، کیونکہ یہ چٹانیں نظر نہیں آتیں بلکہ اندر ہی اندر پھیل کر لہروں کا رخ اور آبی روؤں کے بہاو کو یکسر تبدیل کر دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور زمانہ ٹائیٹنک ایسی ہی ایک مونگے کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا جس پر برف کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔

مونگوں کی وسیع و عریض آبادی میں ہزاروں اقسام کے مرجان، پالب کے علاوہ ان کی تعمیر کردہ پیچ در پیچ اور رنگا رنگ شاخون کے اوپر اور اندر سیکڑوں دوسری اقسام کے بحری جاندار آ کر چپک جاتے ہیں۔ کچھ وقتی طور پر ان چٹانوں کی بھول بھلیوں میں پناہ لیتے ہیں، بعض غذا حاصل کرتے ہیں اور بعض شکار ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ چٹانوں کے آس پاس ایک الگ طلسماتی دنیا بن جاتی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

مرجان جاذب نظر شوخ رنگوں اور مختلف اشکال میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ موتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان میں موجود پالپ (کثیر پا) چمکدار، سرخ یا نیلے رنگوں کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر پالپ کا رنگ بھورا زرد یا ہلکا سبز ہوتا ہے۔ رنگوں کی تبدیلی ایک قسم کی کائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ کائی یا الجی مونگوں کے بہت کام آتی ہے۔ یہ پالپ کو نشوونما کے لیے وٹامن، ہارمون اور آکسیجن بھی مہیا کرتی ہے۔ نیز پالب کے بول و براز بھی نکال باہر کرتی ہے۔ مرجان گلابی، سفید، عنابی اور سیاہ رنگ کا بھی ہوتا ہے۔ بیل کے خون سے مشابہت رکھنے والا مرجان اعلٰی اور قیمتی مانا گیا ہے۔ لیکن تیزابی محلول کے چند قطرے پڑنے سے مرجان سے جھاگ نکلتی ہے۔ اس ردعمل سے وہ تحلیل ہو جاتا ہے۔

درویش لوگ قیمتی پتھروں اور مرجان کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ اول تو یہ تازگی بخشتا ہے۔ دوئم یہ عقیدہ ہے کہ اس کے پہننے سے منفی رجحانات زائل ہو جاتے ہیں۔ یہ لطافت کی طرف راغب کرتا ہے اور خوشیاں عطا کرتا ہے۔۔ خصوصاً ہندو قوم اسے بہت متبرک مانتی ہے۔

مرجان اور مرجانی چٹانیں دنیا کے ہر سمندر میں پائی جاتی ہیں یہ بحر الکاہل کے بہت سے جزائر کے ساحلوں پر کورل ریف کی بھرمار ہے۔ الجزائر، تیونس اور سسلی کے سمندروں میں نیز مسقط اور کویت کے ساحلی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی مونگے کی چٹان کوئنز لینڈ (آسٹریلیا) کے مشرقی ساحلوں کے ساتھ ساتھ لمبی پٹی کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ بے شک مرجان قدرت کے حیرت انگیز عجائب میں سے ایک مخلوق ہے جو برسہا برس سے انسانی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ خدا کی عطا کردہ بے شمار نعمتوں میں بھلا تم کس کس کو جھٹلاؤ گے؟۔۔۔

میڈان پاکستان ٹیبلٹ کمپیوٹر، پاکستانی ایروناٹیکل انجینئروں کا کمال

ادارہ

پاکستانی انجینئروں نے جنگی جہازوں اور جدید اسلحہ سے لیس نظاموں کی تیاری کے ساتھ ساتھ اب ٹیبلٹ کمپیوٹر کی تیاری بھی شروع کر دی ہے۔ حکام کے مطابق یہ ٹیبلٹ کمپیوٹر ایپل کے آئی پیڈ کا مدمقابل ہے۔

سفید رنگ کا میڈان پاکستان ٹیبلٹ کمپیوٹر اینڈرائڈ 2.3 آپریٹنگ سسٹم کا حامل ہے۔ یہ سسٹم مارکیٹ میں فروخت کے لیے موجود ہے۔ ایک سالہ وارنٹی کے ساتھ فروخت کیے جانے والے اس ٹیبلٹ کمپیوٹر کی قیمت 200 امریکی ڈالرز کے برابر ہے۔ یہ قیمت ایپل کے آئی پیڈ کے مقابلے میں نصف ہے۔

پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس کی طرف سے تیار کردہ ٹیبلٹ کمپیوٹر کی اسکرین کی لمبائی ساڑھے سات انچ جبکہ چوڑائی پانچ انچ ہے۔ اینڈرائڈ 2.3 آپریٹنگ سسٹم کے حامل اس ٹیبلٹ کمپیوٹر میں ایک گیگاہرٹز کا ARM پروسیسر استعمال کیا گیا ہے۔ وائی فائی کی سہولت اور دس گھنٹے بیٹری ٹائم کے ساتھ پاک پیڈ ون کا وزن 385 گرام ہے۔

پاک پیڈ ون میں انٹرنیٹ کی سہولت صرف وائی فائی کے ذریعے دستیاب ہے۔ PAC حکام کے مطابق اس ٹیبلٹ کمپیوٹر کا مزید بہتر ورژن اگلے تین ماہ کے دوران پیش کر دیا جائے گا، جو نہ صرف خصوصیات میں بہتر ہو گا بلکہ اس میں سیلولر نیٹ ورکس کے ذریعے انٹرنیٹ کی سہولت بھی دستیاب ہو گی۔

بشکریہ ڈوئچے ویلے

خلائی بستیاں ڈیزائن کرنے کا مقابلہ، پاکستانی طالبات کی کامیابی

ادارہ

بھارتی شہر گڑگاؤں میں امریکی خلائی ادارے ناسا کے تعاون سے خلا میں بستیوں کی تعمیر کا خاکہ تیار کرنے کے مقابلے 'اسپیس سیٹلمنٹ ڈیزائن کمپٹیشن' میں پاکستانی طالبات نے کامیابی حاصل کی ہے۔

پاکستانی طالبات کی یہ ٹیم اب آخری مرحلے میں شرکت کی بھرپور تیاریاں کر رہی ہے۔ دنیا بھر کے سکولوں کے طلبہ و طالبات کے اس منفرد سائنسی مقابلے کا فائنل اس سال جولائی میں امریکی ریاست ہیوسٹن میں قائم ناسا کے جونسن اسپیس سینٹر میں ہوگا۔

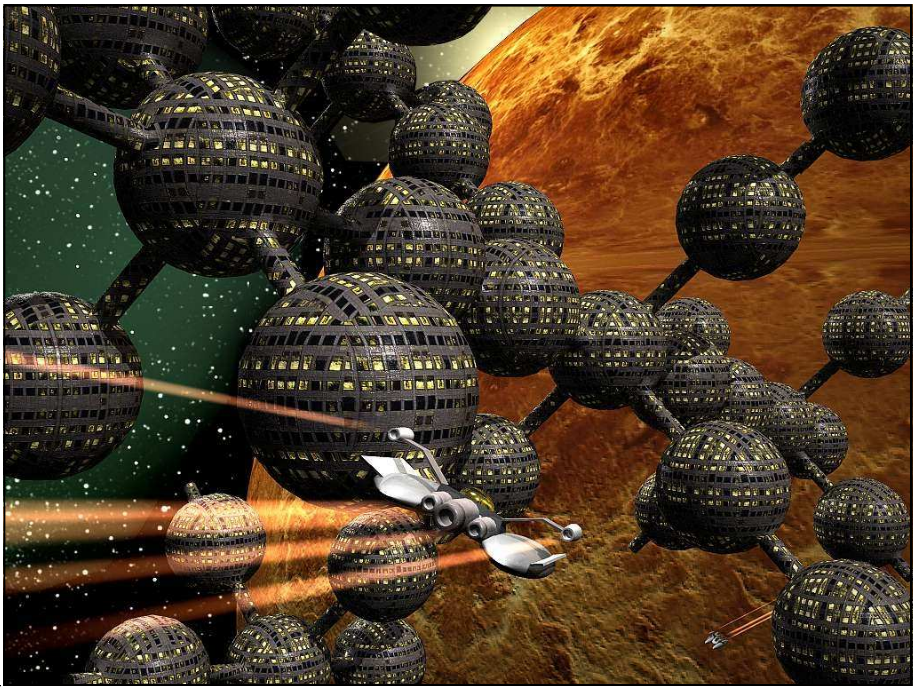

بھارت میں ہونے والے آٹھویں ایشین ریجنل اسپیس سیٹلمنٹ ڈیزائن کمپٹیشن میں پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے 14 سے 19 سال تک کی عمروں کے اسکول کے بچوں شرکت کی۔ اس مقابلے میں شرکت کرنے والے بچوں کی بیں ٹیموں کو 2082 میں خلائی سیارے عطارد کی سطح پر 10 ہزار سے زائد انسانوں کے لیے ایک بستی بسانے کا منصوبہ تیار کرنے کا ہدف دیا گیا تھا۔

اپنی نوعیت کے اس منفرد مقابلے میں شرکت کرنے والے بچوں کو تحقیق کے بعد 50 سلائیڈز پر مشتمل ایک پریزنٹیشن تیار کرنی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں اس منصوبے کی اسٹرکچرل انجینئرنگ، آپریشن اور انفراسٹرکچر کے حوالے سے بھی معلومات مہیا کرنی تھیں۔

اس برس مقابلے میں شرکت کرنے والے ان طلبا و طالبات کو ماہر خلائی سائنسدانوں کے ساتھ تبادلہ خیال اور انٹرنیٹ سرچ کے ذریعے تخیلاتی طور پر سال 2082 میں عطارد پر بنائی جانے والی 10 ہزار انسانوں کی بستی کے لیے خوراک اور رہائش کی سہولتوں کی فراہمی، کشش ثقل، سورج کی روشنی اور ہوا کی رفتار کے حوالے سے بھی مطلوبہ معلومات فراہم کرنیتھیں۔ اس مقابلے میں شرکت کرنے والے بچوں کو اس منصوبے کی کاروباری لاگت کم کرنے اور اسے انسانی زندگی کے لیے آرام دہ بنانے کے لیے اقدامات تجویز کرنے کو بھی کہا گیا تھا۔ یہ تمام کام کرنے کے لیے طلباو طالبات کو 21 گھنٹوں کی ڈیڈ لائن دی گئی۔

اس مقابلے میں اس سال لاہور گرائمر سکول مین گلبرگ کی چودہ طالبات پر بنی ٹیم نے اپنی بھارتی ٹیم ممبرز کے ساتھ مل کر پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔

پاکستانی طالبات کی ٹیم لیڈر فائزہ طارق نے بتایا کہ بنیادی طور پر یہ ایک سائنسی مقابلہ تھا لیکن اس مقابلے میں حصہ لے کر انہیں سائنسی ایجادات کو انسانوں کے لیے خوشگوار بنانے اور دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے سمیت بہت سی دیگر باتیں بھی جاننے کا موقع ملا ہے۔

جیتنے والی ٹیم کی ڈائریکٹر اسٹرکچرل انجینئرنگ مریم رشید نے بتایا کہ خلا میں انسانی آبادی بسانے کے اس مقابلے میں شرکت ان کے لیے ایک خوشگوار تجربہ ہے۔ ان کے بقول چھوٹے بچوں کا اتنے بڑے منصوبے پر کام کرنا اور خلائی آبادی کو خوراک اور رہائش کی قابل عمل سہولتیں کم لاگت پر فراہم کرنے کے لیے تحقیق کرنا ان کے علم میں غیر معمولی اضافے کا باعث بنا ہے۔ مریم رشید کے بقول اس مقابلے نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ پاکستانی بچوں میں ٹیلنٹ موجود ہے اور وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

اس مقابلے میں شرکت کرنے والی عالیہ نامی ایک طالبہ کا کہنا تھا کہ ان کے ذمے اس خلائی آبادی میں بسنے والے انسانوں کی خدمت کے لیے روبوٹس بنانے کا کام لگایا گیا تھا۔ ان کے بقول اس روبوٹ کا ڈیزائن کیا ہوگا، اسے کس طرح کنٹرول کیا جائے گا، یہ کن بیٹریوں پر چل سکے گا، اس میں کونسا سافٹ ویئر استعمال کیا جائے گا، ان کے لیے پیغام رسانی کی صورت کیا ہوگی، ہم نے ان تمام سوالوں کے جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی اور اس طرح یہ منصوبہ ہمارے لیے بہت سی نئی چیزیں سیکھنے کا باعث بنا۔

لاہور گرائمر سکول کی پرنسپل نسرین شاہ نے بتایا کہ یہ مقابلہ بظاہر ایک خلائی اور سائنسی مقابلہ تھا لیکن اس میں شرکت کرنے والے بچوں نے ریاضی، طبیعیات، آرٹ، کاروباری انتظام اور تعلیم و تحقیق سمیت کئی امور کے بارے میں آگاہی حاصل کی ہے۔

اسی سکول کی وائس پرنسپل بصارت کاظم نے کہا کہ اس طرح کے مقابلے بچوں میں تحقیقی سوچ اور علم کو فروغ دینے کا باعث بنتے ہیں۔ان سے اہل علم کو نئے نئے خیالات میسر آتے ہیں اور بچوں میں سائنسی حقائق جاننے اور کچھ اچھا کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ خلا میں نئی آبادی بسانے کے یہ مقابلے دنیا بھر میں ہر سال منعقد کیے جاتے ہیں۔ان میں اسکولوں کے طلبہ اور طالبات دونوں شریک ہوتے ہیں لیکن اس سال آٹھویں ایشین ریجنل اسپیس سیٹلمنٹ ڈیزائن کمپیٹیشن کو جیتنے والی پاکستانی ٹیم صرف طالبات پر مشتمل ہے۔ان میں زیادہ تر بچیاں وظائف پر تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ان بچیوں کو اس مقابلے کے حتمی راؤنڈ میں شمولیت کیلئے سفری اخراجات کی مد میں کم از کم تیس لاکھ روپے درکار ہیں۔یہ سپانسر شپ نہ ملنے کی صورت میں ان بچیوں کی فائنل مقابلوں میں شرکت غیر یقینی ہو گی۔

اس سال یہ مقابلہ جیتنے والوں میں پاکستان کی معروف ماہر تعلیم ڈاکٹر ارم خالد کی بیٹی بھی شامل ہیں۔ایک ماں کی حیثیت سے اپنے احساسات بیان کرتے ہوئے انھوں نے ڈی ڈبلیو کو بتایا کہ اس کامیابی سے جہاں پاکستان کا سافٹ امیج سامنے آیا ہے وہاں سائنس کے میدان میں پاکستانی بچیوں کی اعلیٰ کارکردگی نے اس پراپیگنڈے کی تردید بھی کر دی ہے کہ پاکستان میں خواتین کے لیے آگے بڑھنے کے مواقع نہیں ہیں۔انہوں نے ان باصلاحیت بچیوں کی سرکاری طور پر حوصلہ افزائی کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور توقع ظاہر کی کہ یہ بچیاں اگلے مرحلے میں بھی پاکستان کی اچھی سفیر ثابت ہونگی۔

بشکریہ ڈوئچے ویلے

سائنسی سچائیاں جو سچ نہیں

ادارہ

دنیا بھر میں ایسے بہت سے نظریات ہیں، جنھیں ایک سائنسی حقیقت سمجھتے ہوئے ان پر یقین اور عمل کیا جاتا ہے۔جب کہ ان کا عموماً سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور اگر کچھ ہوتا بھی ہے تو اسے غلط سیاق وسباق میں پیش کیا گیا ہوتا ہے۔

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں بہت سی چیزوں پر انہیں سائنسی حقیقت یا طبّی شعبے کی تحقیق سمجھ کر نہ صرف یقین کر لیتے ہیں بلکہ انہیں اپنے لیے فائدہ مند سمجھتے ہوئے عمل بھی کرتے رہتے ہیں۔جب کہ حقیقت اس سے بہت مختلف ہوتی ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سے ڈاکٹر اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی ایسی کئی سائنسی غلط فہمیوں کو سچ مان کر ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس مضمون میں ہم چند ایسی سائنسی غلط فہمیوں کا ذکر کر رہے ہیں جو ہماری روزمرہ زندگی میں شامل ہو چکی ہیں جنہیں لوگوں کی اکثریت ایک سائنسی حقیقت کے طور پر قبول کر چکی ہے۔

روزانہ پانی کے آٹھ گلاس پینے چاہیں:

آپ نے اکثر یہ پڑھا اور سنا ہو گا کہ اچھی صحت کے لیے روزانہ پانی کے آٹھ گلاس پینے چاہیں۔جب کہ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ایک انسان کو روزانہ کتنا پانی درکار ہوتا ہے؟ اس کا انحصار کئی عوامل پر ہے۔مثلاً اس کی رہائش سرد یا گرم علاقے میں ہے؟ اس کی عمر، وزن اور قد کاٹھ کتنا ہے؟ وغیرہ۔

آٹھ گلاس کے مفروضے کی بنیاد غالباً 1945ء میں نیوٹریشن کونسل کے تحت کی جانے والی ایک سائنسی تحقیق ہے۔جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک بالغ انسان روزانہ 64 اونس یا تقریباً آٹھ گلاس مائع استعمال کرتا ہے۔مائع سے مراد پانی، چائے، شربت، کھانے، پھلوں، سبزیوں اور خوراک کی دیگر اشیاء میں قدرتی طور پر موجود پانی ہے۔

خیال یہ ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ 'مائع' کا لفظ پانی میں بدل گیا اور یہ جملہ کہ ایک بالغ انسان تقریباً آٹھ گلاس مائع روزانہ استعمال کرتا ہے، غلط العام ہو کر یہ بن گیا کہ ایک بالغ انسان کو روزانہ آٹھ گلاس پانی پینا چاہیے۔

کم روشنی میں پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے:

عموماً ہر گھر میں بچوں کو کم روشنی میں پڑھنے سے روکا جاتا ہے۔عام خیال یہ ہے کہ کم روشنی میں پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔یہ مفروضہ اس لیے بھی حقیقت سے قریب لگتا ہے کہ اگر آپ کچھ دیر تک کم روشنی میں مطالعہ کریں تو آپ کو اپنی آنکھوں پر بوجھ محسوس ہو گا اور ممکن ہے کہ الفاظ کچھ دھندلے سے بھی لگیں۔

طبّی ماہرین اس مفروضے سے اتفاق نہیں کرتے۔ان کا کہنا ہے کہ کم روشنی میں پڑھنے سے آنکھوں کے اعصاب پر دباؤ پڑ سکتا ہے جس سے عارضی طور پر لفظ دھندلے دکھائی دے سکتے ہیں۔لیکن آنکھوں کو کچھ دیر آرام دینے سے اس کے اعصاب اپنی جگہ پر واپس چلے جاتے ہیں اور بینائی اپنی اصل حالت میں لوٹ آتی ہے۔طبّی ماہرین کے مطابق کم روشنی میں پڑھنے سے نظر پر کوئی مستقل اثر نہیں پڑتا۔بینائی کی کمزوری کے اسباب کچھ اور ہوتے ہیں۔

شیو کرنے سے بال گھنے اور تیزی سے نکلتے ہیں:

اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ شیو کرنے سے بال نہ صرف تیزی سے نکلتے ہیں، بلکہ وہ گھنے بھی ہوتے ہیں اور ان کی رنگت بھی گہری ہوتی ہے۔جب کہ اس نظریے کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں

ہے۔اس مفروضے کی سچائی جاننے کے لیے 1928ء میں ایک سائنسی تحقیق کی گئی تھی، جس سے پتا چلا تھا کہ شیو کا بالوں کے بڑھنے کی رفتار، ان کی موٹائی اور رنگت کے گہرا ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف نظر کا دھوکہ ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ شیو کرنے کے بعد بال ایک صاف جلد پر نکلتے ہیں جس کی وجہ سے وہ زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں اور دیکھنے والے کو یہ لگتا ہے کہ بال پہلے سے گھنے ہوگئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ شیو کے دوران بلیڈ عموماً بالوں کو ترچھا کاٹتا ہے اور اپنے نوکیلے سروں کی بنا پر بال گھنے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اگر جلد پر پہلے سے بال موجود ہوں تو ان کے بڑھنے کا احساس ذرا کم ہوتا ہے۔ لیکن صاف جلد پر وہ نمایاں انداز میں بڑھتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ماہرین نے جب شیو سے قبل اور اس کے بعد ایک مقررہ وقت کے دوران ان کی لمبائی میں اضافے کی پیائش کی، تو وہ برابر نکلی۔

بالوں کی رنگت کا بھی شیو سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ عرصے تک دن کی روشنی میں رہنے سے بالوں کی رنگت قدرے کم پڑ جاتی ہے کیونکہ سورج کی روشنی میں رنگ کاٹنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ جب کہ صاف جلد پر نئے بال ہمیں اپنے اصلی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں، اس لیے ان کا رنگ گہرا لگتا ہے۔

ہم اپنے دماغ کا صرف دس فی صد حصہ استعمال کرتے ہیں:

عام طور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم اپنے دماغ کا بہت ہی کم حصہ استعمال کرتے ہیں، یعنی زیادہ سے زیادہ دس فی صد اور عام حالات میں محض تین سے پانچ فی صد تک۔ ایک سائنسی تخمینے کے مطابق انسانی دماغ میں ایک کھرب سے زیادہ نیوران ہوتے ہیں۔ نیوران وہ خلیے ہیں جو یاداشت اور دوسرے افعال کی انجام دہی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

دماغ کے سی ٹی سکین اور اس کی کارکردگی جانچنے کی جدید ٹیکنالوجی کی دستیابی سے قبل ماہرین کا خیال تھا کہ دماغ میں موجود نیوران کی تعداد ہماری ضرورت سے کئی گنا زیادہ ہے اس لیے دماغ کا ایک بڑا حصہ استعمال میں ہی نہیں آتا۔ لیکن اب جدید تحقیق سے پتا چلا ہے کہ انسانی دماغ سو فی صد فعال ہے اور اس کا ہر حصہ مکمل طور پر کام کر رہا ہے۔

انسان حواس خمسہ سے کام لیتا ہے:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک مکمل انسان کے پاس پانچ قدرتی حواس ہوتے ہیں جن کے سہارے وہ اپنی زندگی گذارتا ہے۔ یعنی، دیکھنے، سننے، چھونے، چکھنے اور سونگھنے کی حس۔ پانچ حواس کا تصور قدیم یونانی مفکر ارسطو نے پیش کیا تھا، جسے ایک سائنسی حقیقت کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ مگر سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ خدا نے انسان کو پانچ سے زیادہ حواس دیے ہیں اور مختلف جائزوں کے مطابق ان کی تعداد 9 سے 20 کے لگ بھگ ہے۔ دیگر حواس میں درد، بھوک، پیاس، دباؤ، توازن، رفتار اور حرارت وغیرہ محسوس کرنے کی صلاحیتیں شامل ہیں۔ یہ وہ حواس ہیں جن کے بغیر زندگی گذارنے میں مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

بشکریہ وائس آف امریکہ

ماہرین فلکیات کی ایک بین الاقوامی ٹیم کا کہنا ہے کہ دور دھندلے نظر آنے والے ستاروں کے گرد گردش کرتے ہوئے زمین کی جسامت کے اربوں سیارے ہو سکتے ہیں۔

یہ سیارے زمین سے بہت زیادہ بڑے نہیں ہیں اور انہیں ماہرین فلکیات نے 'سپر ارتھ' کا نام دیا ہے۔

ان 'سپر ارتھ' یا 'سپر ارض' کی تعداد کا اندازہ پہلے سے موجود معلومات کی بنیاد پر کیا گیا ہے اور پھر ملکی وے میں ڈوارف سٹار یعنی بونے ستاروں کو شامل کر کے تعداد کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

یہ ٹیم ہارپس کے آلات استعمال کر رہی ہے جو کہ تین اعشاریہ چھ میٹر لمبی دوربین میں نصب ہے اور یہ ٹیلی سکوپ چلی کی سیلا آبزرویٹری میں ہے۔

ہارپس میں اس کی نشاندہی کے لیے ایک بالواسطہ طریقہ کار ہے جس سے کسی ایسے سیارے کا پتہ چلتا ہے جو اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔

فرانس کی آبزرویٹری کے ماہر فلکیات اور اس ٹیم کے سربراہ کا کہنا ہے 'ہارپس کے ذریعے ہمارے نئے مشاہدات میں یہ بات سامنے آئی ہے کا سرخ ہو جانے والے تمام بونے ستاروں کے گرد کوئی نہ کوئی سپر ارض چکر کاٹ رہا ہے۔ اور وہ ایسے حیاتی خطے میں چکر کاٹ رہے ہیں جہاں یہ عین ممکن ہے کہ ان سیاروں کی سطح پر پانی کی موجودگی ہو۔'

انھوں نے مزید کہا 'چونکہ سرخ بونے سیارے بہت عام ہیں اور صرف ملکی وے میں ہی ان کی تعداد ایک سو ساٹھ ارب ہے تو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صرف ہماری کہکشاں میں دسیوں ارب ایسے سیارے ہوں گے۔'

ہارپس کی ٹیم انتہائی احتیاط سے ایک سو دو ایسے سرخ ڈوارف ستاروں کا سروے کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے جو نسبتاً مدھم ہیں اور سورج کے مقابلے میں ٹھنڈے ہیں۔

اس ٹیم نے اپنی تحقیق میں زمین سے جسامت میں ایک سے دس گنا بڑے نو سیاروں کی نشاندہی کی ہے۔ ٹیم کے مطابق ان میں سے دو سیارے ایسے ماحول میں گردش کر رہے ہیں زندگی کے آثار ممکن ہے۔

اپنے تمام اعداد و شمار کو یکجا کرنے، بشمول ان ستاروں کا مشاہدہ کرنے جن کا کوئی سیارہ نہیں ہے، یہ ٹیم اس بات کا اندازہ لگانے میں کامیاب رہی کہ سرخ بونے ستاروں کے گرد کس قدر مختلف قسم کے سیارے گردش کر رہے ہیں۔

اس تحقیق کے مطابق اکتالیس فیصد معاملوں میں یہ سپر ارتھ قابل رہائش زون میں آتے ہیں جو کہ اٹھائیس سے پچانوے فیصد کے درمیان ہے۔

بشکریہ بی بی سی

سمندری طوفان، کیوں اور کیسے؟

ادارہ

سمندری طوفان اُس وقت بنتے ہیں جب کسی ایک علاقے میں ہوا کا درجۂ حرارت نزدیکی علاقے کے درجۂ حرارت سے مختلف ہو جاتا ہے۔ گرم ہوا سطحِ آب سے بلند ہونے لگتی ہے جب کہ سرد ہوا نیچے کا رُخ کرتی ہے، اور یوں، ماحولیاتی دباؤ میں فرق آ جاتا ہے۔ گذشتہ کچھ عرصے میں امریکہ اور ایشیا میں شدید سمندری طوفان آئے۔ بڑے پیمانے پر جانی اور مالی نقصان بھی ہوا۔

بحرِ ہند کے اوپر تشکیل پانے والے طوفانوں کو 'سائکلون' کہتے ہیں، شمال مشرقی بحر الکاہل پر بننے والے طوفان 'ٹائفون' کہلاتے ہیں، جب کہ مشرقی بحر الکاہل اور بحیرۂ اوقیانوس کے اوپر بننے والے طوفانوں کو 'ہریکینز' کا نام دیا جاتا ہے۔

اِن قدرتی آفات کو صدیوں سے انسانی نام دیے جاتے رہے ہیں۔ آسٹریلیا کے ایک سائنس داں نے انیسویں صدی کے اختتام سے قبل اِن طوفانوں کو عورتوں کا نام دینا شروع کیا اور امریکہ میں ماہرینِ موسمیات نے 1953ء میں طوفانوں کے لیے خواتین کا نام استعمال کرنا شروع کر دیا۔ لیکن، 1979ء میں مردوں کا نام بھی استعمال کیا جانے لگا۔

سمندری طوفان اُس وقت بنتے ہیں جب کسی ایک علاقے میں ہوا کا درجۂ حرارت نزدیکی علاقے کے درجۂ حرارت سے مختلف ہو جاتا ہے۔ گرم ہوا سطحِ آب سے بلند ہونے لگتی ہے جب کہ سرد ہوا نیچے کا رُخ کرتی ہے، اور یوں، ماحولیاتی دباؤ میں فرق آ جاتا ہے۔

اگر دباؤ بڑے علاقے کے اوپر تبدیل ہوتا ہے تو ہوائیں ایک بڑے دائرے کی شکل میں چلنے لگتی ہیں۔ زیادہ دباؤ والی ہوا کم دباؤ والے مرکز کی طرف کھنچنے لگتی ہے۔ گہرے بادل بنتے ہیں اور شدید بارش ہوتی ہے۔ اُس وقت، طوفان بھی مزید شدید ہو جاتے ہیں جب وہ گرم سمندری پانیوں کے اوپر حرکت کرتے ہیں۔

انتہائی شدید سمندری طوفانوں میں ہواؤں کی رفتار 250 کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہو سکتی ہے۔ 50 سینٹی میٹر تک بارش ہو سکتی ہے۔ بعض طوفانوں میں 150 سینٹی میٹر بارش بھی ہوتی ہے۔

اِن طوفانوں کی وجہ سے سمندری لہروں میں بھی شدت آ جاتی ہے اور بعض اوقات پانی کی موجیں چھ میٹر کی اونچائی تک پہنچ جاتی ہیں اور نشیبی ساحلی علاقوں میں سیلاب آ جاتا ہے۔

امریکہ کے مقام میامی میں نیشنل ہریکین سینٹر شدید طوفانوں پر گہری نظر رکھتا ہے۔ یہ سینٹر سرکاری عہدے داروں اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی مدد سے لوگوں کو معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ طوفان کے بارے میں جلدی دی جانے والی اطلاعات کے نتیجے میں حالیہ برسوں میں ہلاکتوں کی تعداد میں کمی آ گئی ہے۔

موسمیاتی ماہر موسمی ماڈل تشکیل کرنے کے لیے کمپیوٹر پروگرام استعمال کرتے ہیں۔ اِن سے پتا چلتا ہے کہ طوفان کی سمت کیا ہو سکتی ہے۔ اِن پروگراموں میں درجۂ حرارت، ہوا کی رفتار، ماحولیاتی دباؤ اور ماحول میں پانی کی مقدار یعنی نمی کے تناسب کے بارے میں معلومات موجود ہوتی ہیں۔ سائنس داں یہ معلومات سیٹلائیٹس، ویدر بیلونس اور سمندر میں بہتے ہوئے آلات سے حاصل کرتے ہیں۔ اُنھیں یہ معلومات بحری جہازوں، مسافر بردار طیاروں اور دوسری پروازوں سے بھی ملتی ہیں۔ سرکاری سائنس داں خصوصی آلات سے آراستہ جہازوں میں طوفان کے اندر اور گرد اُڑان بھرتے ہیں، عملے کے افراد پیراشوٹ سے بندھے آلات گراتے ہیں اور اِن آلات کی مدد سے درجۂ حرارت، دباؤ اور ہوا کی رفتار کے بارے میں معلومات اِکٹھی کی جاتی ہیں۔

بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ آب و ہوا کی تبدیلی سے بڑے طوفانوں پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کا ماحول اِن طوفانوں کو بدتر بنا رہا ہے، جب کہ کچھ اور سائنس دان اِس نظریے سے اختلاف کرتے ہیں۔ وجوہات یا عوامل چاہے کچھ بھی ہوں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حالیہ کچھ عرصے میں ان طوفانوں کی تعداد اور شدت دونوں میں ہی حیران کن اضافہ نوٹ کیا گیا ہے، جس سے بڑے جانی و مالی نقصان کا خدشہ بھی بڑھ گیا ہے۔

گوشہ خواتین

چیزی چکن بوٹی اور ہوم میڈ نان

ترکیب: فاطمی ناز

اجزاء:

موزریلا چیز۔۔۔۔آدھا کپ

چیڈر چیز۔۔۔۔دو چائے کے چمچ

کریم چیز۔۔۔۔دو چائے کے چمچ

کارن فلاور۔۔۔۔تین کھانے کے چمچ

انڈے کی زردی۔۔۔۔ایک عدد

چکن بریسٹ۔۔۔۔250 گرام

ہری مرچ کا پیسٹ۔۔۔۔دو کھانے کے چمچ

کٹی ہوئی سرخ مرچ۔۔۔۔ایک کھانے کا چمچ

ادرک لہسن کا پیسٹ۔۔۔۔ایک کھانے کا چمچ

سرکہ۔۔۔۔ایک کھانے کا چمچ

ہرا دھنیا۔۔۔۔چوتھائی کپ

قصوری میتھی۔۔۔۔ایک کھانے کا چمچ

نمک۔۔۔۔حسب ذائقہ

ترکیب:

چکن کو اچھی طرح سے دھو لیں۔ پھر اس کے چھوٹے چھوٹے اسٹریپ کاٹ لیں جیسے بہاری کباب کے لیے کاٹتے ہیں۔ پھر اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، سرکہ، نمک، (نمک کا دھیان رکھنا ہے کیونکہ چیز میں بھی نمک ہوگا) ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور اس کو 30 منٹ کے لیے رکھ دیں۔

موزریلا چیز کو باؤل میں ڈال کر ہاتھ سے اچھی طرح مکس کریں کہ سافٹ ڈو بن جائے۔ پھر اس میں کریم چیز، کارن فلاور، انڈے کی زردی ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ پھر اس کے اوپر ہری مرچوں کا پیسٹ، قصوری میتھی، ہرا دھنیا اور چکن جو رکھی تھی وہ ڈال کر اس کو اچھی طرح مکس کر کے فریج میں رات بھر کے لیے رکھ دیں۔

سیخوں کو پہلے 30 منٹ کے لیے پانی میں بھگو دیں۔ اور ان کے اوپر چکن کے پیسز چڑھائیں۔ چکن کے پیسز کے درمیان جگہ چھوڑنی ہے۔ پھر سیخوں کو بیکنگ ٹرے میں آر پار کر کے رکھیں۔ اس طرح کہ سلاخیں ٹرے کو نہ چھوئیں۔ پھر ان کو پہلے سے گرم اوون میں 200 سینٹی گریڈ پر بیک کر لیں۔ 15 منٹ کے بعد سیخوں کی سائیڈ بدل لیں۔ یہاں تک کہ چکن دونوں اطراف سے پک جائے جب چکن پک جائے تو ان کو باہر نکال لیں۔

نان بنانے کے لیے:

اجزاء:

میدہ۔۔۔۔دو اور ایک چوتھائی کپ

آلو۔۔۔۔دو عدد ابلے اور میش کئے ہوئے۔

خمیر۔۔۔۔ایک اور چوتھائی چائے کا چمچ

نمک۔۔۔۔حسب ذائقہ

شوگر۔۔۔۔ایک چائے کی چمچ

دہی۔۔۔۔تین کھانے کے چمچ

مکھن۔۔۔۔ایک کھانے کا چمچ پگھلا ہوا

بیکنگ پاؤڈر۔۔۔۔ایک چوتھائی چائے کی چمچ

پانی۔۔۔۔حسب ضرورت

تیل۔۔۔۔اوپر برش کرنے کے لیے

تِل۔۔۔۔اوپر چھڑکنے کے لیے

ترکیب:

ایک باؤل میں میدہ، خمیر، بیکنگ پاؤڈر، دہی، شوگر، آلو، مکھن،

نمک ڈال کر مکس کریں اور آہستہ آہستہ پانی ڈال کر نرم آٹا گوندھ لیں۔ پھر اس آٹے کو پلاسٹک سے یا گیلے کپڑے سے ڈھک کر چھوڑ دیں۔ جب آٹا سائز میں ڈبل ہو جائے تو اس کی روٹی بیل لیں مگر بہت پتلی نہ ہوں۔ اس کے اوپر کانٹے کی مدد سے یا ہاتھوں کی انگلیوں سے نشان لگالیں۔ پھر اس کے اوپر تیل لگالیں اور تِل بھی چھڑک دیں۔ اس کو دس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ دس منٹ کے بعد فل آنچ پر گرل کرلیں۔

مزے دار نان اور چکن بوٹی تیار ہے اس کو سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

سنیکرز ٹارٹ

ترکیب: فاطی ناز

اجزاء:

آٹا۔۔۔۔115 گرام

مکھن۔۔۔۔60 گرام

بیکنگ پاؤڈر۔۔۔۔آدھا چائے کا چمچ

نمک۔۔۔۔ایک چٹکی

پانی۔۔۔۔4 یا 5 قطرے

سنیکر چاکلیٹ۔۔۔۔حسب ضرورت، چوپ کی ہوئی

ترکیب:

ایک باؤل میں آٹا، نمک، اور بیکنگ پاؤڈر مکس کریں۔ پھر مکھن ڈال کر اس کو ہاتھوں کی انگلیوں سے ملیں یہاں تک کہ بریڈ کرمبز کی طرح ہو جائیں۔

پانی کے چند قطرے ڈال کر اس آٹے کو اکھٹا کریں۔

پھر اس کو فریج میں آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

آٹے کی روٹی بیل کر کٹر سے یا گلاس سے گول شکل کے پیس کاٹ لیں۔ یا سانچہ استعمال کریں۔ اس کو درمیان سے چوپ کی ہوئی سنیکرز چوکلیٹ سے فل کر دیں۔

پہلے سے گرم اوون میں 180 سینٹی گریڈ پر 15 منٹ کے لیے بیک کرلیں۔ پھر ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

ٹپس۔

ٹارٹس کے لیے آپ کپ کیک کا سانچہ استعمال کر سکتے ہیں۔

ٹھنڈے مکھن اور ممکن ہو سکے تو ٹھنڈے آٹے کا استعمال کریں۔

ٹھنڈے پانی کا استعمال کریں۔

ڈو کو آدھے گھنٹے کے لیے فریج میں رکھیں تاکہ اس کی روٹی بنانی آسان ہو جائے۔

روٹی کو ہموار سطح پر بیلیں اتنا کہ اس کی موٹائی 1 بٹا 8 انچ ہو۔

پھر اس کو احتیاط سے سانچہ میں رکھیں اور تمام اطراف سے دبا دیں۔ اگر یہ اسٹکی سا محسوس ہو تو اسے چرمی کاغذ میں لپیٹ کر سانچے میں لگائیں۔

ہاف مون

ترکیب: ہرڈ

چکن کا قیمہ۔۔۔1 پاؤنڈ (موٹا پیسا ہوا)۔

ہری پیاز۔۔۔ایک گٹھی (باریک چاپ کیا ہوا)۔

نارمل پیاز۔۔۔ایک درمیانہ سائز (باریک چاپ کیا ہوا)۔

گرام 100 چیڈر/موزریلا چیز۔۔۔۔

پسا ہوا ادرک لہسن۔۔۔۔ایک، ایک چائے کا چمچ

کٹی ہوئی سبز مرچیں۔۔۔۔2 کھانے کے چمچ

مگ فروزن سویٹ کارن۔۔۔۔1

ثابت زیرہ۔۔۔1 کھانے کا چمچ

بُھنا اور پِسا ہوا سُوکھا دھنیہ۔۔۔۔ایک چائے کا چمچ

پِسی ہوئی کالی مرچیں۔۔۔ایک چائے کا چمچ

نمک حسبِ ذائقہ

باریک کٹا ہوا ہرا دھنیہ

تیل۔۔۔ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

ایک پین میں تیل کو ہلکا گرم کر کے اس میں ایک منٹ کے لئے ثابت زیرہ بھونیں اور پھر قیمہ شامل کر دیں۔

ساتھ ہی ادرک، لہسن اور ہری مرچیں بھی شامل کر دیں۔

اب تھوری دیر قیمہ کو اپنے ہی پانی میں پکنے دیں۔

پھر اس میں سارے مصالحے ڈال کر سوئٹ کارن بھی ڈال دیں۔

جب پانی تقریباً خشک ہونے والا ہو تو اس میں ہرا اور نارمل پیاز دونوں ڈال دیں۔ اور اچھی طرح بھونیں۔

پانی بالکل خشک ہو جائے تو چیز اور ہرا دھنیہ ڈال کر آنچ بند کر دیں۔

مسالہ ٹھنڈا ہونے کے لئے سائڈ پر رکھ دیں۔

میدہ۔۔۔1مگ

تیل۔۔۔125ملی لیٹر

ابلا ہوا گرم پانی۔۔۔1مگ

تھوڑا سا نمک، پسی کالی مرچ اور پِسا ہوا زیرہ میدہ میں ملا دیں۔

گرم پانی اور تیل آپس میں ملا دیں۔ اور اس سے میدہ سخت سا گوندھ کر تھوڑی دیر کے لئے رکھ دیں۔

کوٹنگ کے لئے

1انڈا پھینٹا ہوا

بریڈ کرمبز

اب گوندھے ہوئے میدہ کا ایک پیڑا بنا کر اس کی باریک سی روٹی بیل لیں۔

(روٹی کو تھوڑی دیر کے لئے سائڈ پہ رکھ دیں کہ یہ ابھی شرنک ہو گی۔

اگر آپ بیلنے کے فوراً بعد اسے کٹر سے کاٹ لیں گے تو کٹے ہوئے ٹکڑے کا سائز سُکڑ کر کٹر سے کافی چھوٹا ہو جائے گا)۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک گول کُوکی کٹر سے روٹی کو کاٹ لیں۔

اب اس کُوکی سائز روٹی کو ایک چائے کے چمچ کی مدد سے قیمہ والی فلِنگ سے بھر کر درمیان سے بند کر دیں۔ ایسے کہ فُل سرکل سیمی سرکل بن جائے۔

اسے پہلے انڈے میں ڈِپ کریں پھر اس پر بریڈ کرمبز لگا دیں۔

ایک کڑاہی میں تیل کو درمیانی آنچ پر گرم کریں اور ہاف مون کو گولڈن براؤن ہونے تک ڈیپ فرائی کریں۔

چٹنی/کیچپ کے ساتھ مزے سے کھائیں۔

چکن اسٹیک

ترکیب: فاطی ناز

اجزاء:

چکن بریسٹ۔۔۔۔500گرام (ایک انچ کے سائز میں چوکور کٹے ہوئے)۔

چنا دال۔۔۔۔3کھانے کے چمچ۔ (اس کو پیس لیں)۔

ہلدی پاؤڈر۔۔۔۔ایک چوتھائی چائے کا چمچ

کالی مرچ کٹی ہوئی۔۔۔۔آدھا چائے کا چمچ

نمک۔۔۔۔حسب ذائقہ

ادرک لہسن کا پیسٹ۔۔۔۔ایک چائے کا چمچ

کریم۔۔۔۔3کھانے کے چمچ

انڈا۔۔۔۔ایک عدد

کٹی ہوئی لال مرچ۔۔۔۔آدھا کھانے کا چمچ

پیاز۔۔۔۔ایک عدد

ہری مرچ۔۔۔۔4یا5عدد

ہرا دھنیا کٹا ہوا۔۔۔۔دو یا تین کھانے کے چمچ

ترکیب:

چکن کو خشک کر لیں۔ پھر کریم، پیاز، ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر پیسٹ بنا لیں۔ پیسٹ کے لیے ہر گز پانی کا استعمال نہ کریں تا کہ پیسٹ گاڑھا ہو۔ پھر ایک بڑا باؤل لے کر اس میں تمام مصالحہ جات مکس کر لیں اور چکن بھی ڈال دیں۔

پھر اس چکن کو 6 سے 8 گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔

کڑاہی میں تقریباً دو انچ تیل ڈال کر اس کو گرم کر لیں۔ چکن کو فریج میں سے نکال کر اسٹیک میں پرو دیں۔ جب تیل گرم ہو جائیں، (بہت زیادہ گرم نہ ہو کیونکہ اس سے چکن جل جائے گی) درمیانی آنچ پر ایک ایک کر کے ان اسٹکس کو تیل میں رکھ دیں۔

5 سے 8 منٹ تک ایک سائیڈ سے پکنے دیں جب ایک سائیڈ سے پک جائیں تو دوسری سائیڈ کو بھی پکا لیں۔ جب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال لیں اور گرما گرم پیش کریں۔

آٹے کی پنیاں

ترکیب: طالعہ

اشیاء:

مکھن-------450 گرام

آٹا----چار کپ(250 گرام ایک کپ کے برابر ہے)۔

چینی------ڈیڑھ کپ (250 گرام والا کپ) چینی اگر موٹی ہے تو اسے تھوڑا باریک کرلیں۔

نٹس یا ڈرائے فروٹ بادام، چار مغز، سن فلاور سیڈز، کاجو وغیرہ--------ڈیڑھ کپ۔

مکھن کو پگھلا لیں۔ آٹے کو اس میں ڈال کر درمیانی آنچ پر آدھے گھنٹے تک بھونیں۔ نٹس شامل کرکے پانچ منٹ تک پکائیں۔ چینی

شامل کریں۔ چولہا بند کرکے تھوڑی دیر کے لیے چولہے پر چھوڑ دیں۔ جب نیم گرم رہ جائے تو پنیاں بنا لیں۔ بنانے کے بعد ایک ایئر ٹائٹ جار میں اسٹور کرلیں۔

سرپرائز کپ کیک

ترکیب: ہرڈ

اشیاء:

میدہ----175 گرام

مکھن----پگھلا ہوا بغیر نمک والا 175 گرام

کسٹر شوگر----175 گرام

بیکنگ پاؤڈر----1 چائے کا چمچ

ونیلا ایسنس----آدھا چائے کا چمچ

انڈے----3 عدد

دودھ----75 ملی لیٹر

کھانے والا رنگ-----(پاؤڈر) ایک چٹکی یا (لیکوئڈ) چند قطرے

مختلف شیپس کے چھوٹے سائز کے کٹرز

(میں نے فلاور، سٹار، فش اور ہارٹ شیپس کے کٹرز استعمال کئے تھے۔)

ترکیب۔

اوون کو گیس مارک 4 پر گرم کرلیں۔

کپ کیکس والی ٹرے میں شیٹس لگا دیں۔ اور ایک پائرکس والی چھوٹی اوون پروف ٹرے کو گریس کر لیں۔

ایک بڑے باؤل میں سیو/چھانی کی مدد سے میدہ کو اس طرح چھانیں کہ چھانی اور باؤل کے بیچ کافی فاصلہ ہو۔ تاکہ جب میدہ باؤل میں گرے تو اس کے ساتھ ہوا بھی شامل ہو جائے۔

اب اس میں فوڈ کلر کے علاوہ سارے اجزاء ملا دیں اور ہینڈ مکسر سے اچھی طرح مکس کر لیں۔

جب ہینڈ مکسر سے مکس ہو جائے تو پھر کسی چمچ کی مدد سے اسے فولڈ کرنا شروع کر دیں۔

اب چمچ سٹر (گھمانا) نہیں کرنا ہے بلکہ چمچ سے آمیزے کو الٹنا پلٹنا ہے تاکہ اس دوران ہوا آمیزے میں شامل ہو جائے۔ اس سے سپنج بہت نرم بنتا ہے۔

اب ایک چھوٹے پیالے میں ایک چوتھائی آمیزہ نکال لیں اور اس میں فوڈ کلر ملا دیں۔

(آپ کسی بھی رنگ کو استعمال کر سکتے ہیں۔ میں نے سرخ رنگ استعمال کیا تھا۔)

اب اس رنگدار آمیزے کو پائرکس کی ٹرے میں ڈال کر 10 سے پندرہ منٹ تک یا اچھی طرح پکنے تک بیک کر لیں۔

رنگدار کیک کو ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں۔

ٹھنڈا ہونے کے بعد اسے مختلف شیپس کے چھوٹے کٹرز سے کاٹ لیں۔

اب ان شیپس کو کپ کیکس والی شیٹس کے درمیان میں رکھیں۔ اور سادہ آمیزہ ان شیٹس میں ڈال دیں۔

کپ کیک والی ٹرے کو اوون میں 15 سے 20 منٹ تک بیک کر لیں۔

کیکس کو ٹھنڈا ہونے دیں۔ بعد میں انہیں درمیان میں سے کاٹیں آپ کو اس میں رکھی ہوئی شیپ نظر آئے گی۔

اپنے مہمانوں کو ان مزیدار کپ کیکس کھلاؤ اور دکھا کر سرپرائز کریں اور داد سمیٹیں۔

نوٹ:

آپ کو یاد رکھنا پڑے گا کہ آپ نے شیٹ میں شیپ کس زاویے سے رکھی تھی تاکہ جب آپ کیک کو کاٹیں تو وہ شیپ ٹھیک ٹھیک نظر آئے۔ اگر آپ کو یاد نہ ہوا تو کیک کے درمیان سے کٹنے پر آپ کو پھول کی بجائے کچھ اور ہی نظر آئے گا۔ اس لئے ایک ٹپ دے رہی ہوں ساتھ ہی۔

کہ جب آپ شیپ والا کیک کا ٹکڑا شیٹ میں رکھیں تو شیٹ کے دونوں طرف کسی مارکر سے نشان لگا لیں اور جب کپ کیک کاٹیں تو اس نشان کی طرف سے ہی کاٹیں۔ پھر آپ کو کپ کیک کے کٹنے پر وہ شیپ بالکل ٹھیک نظر آئے گی۔

جو رنگدار کیک کے ٹکڑے بچے ہیں انہیں کسٹرڈ کے ساتھ کھایا جا سکتا ہے یا ٹرائفل میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

سٹرابیری فِلڈ کیک

ترکیب: ہرڈ

اشیاء:

سپنج کے لئے

میدہ۔۔۔۔150 گرام

بیکنگ پاؤڈر۔۔۔۔آدھی چائے کی چمچ

چینی۔۔۔۔150 گرام

مکھن۔۔۔۔50 گرام

انڈے۔۔۔۔5 عدد

ونیلا ایسنس۔۔۔۔2 قطرے

ترکیب:

اوون کو گیس مارک 5 پر گرم کر لیں۔

ایک 8 بائی 8 انچ والا چوکور کیک ٹِن لیں۔ اس کی بیس کو بیکنگ شیٹ سے کور کر کے شیٹ کو گریس کریں اور اس پر تھوڑا سا میدہ چھڑک دیں۔

انڈوں کی زردی اور سفیدی الگ الگ کر لیں۔

اب ایک باؤل میں زردی، چینی اور ونیلا ایسنس کو ڈال کر ہینڈ مکسر سے اتنا پھینٹیں کہ کریم جیسا بن جائے۔

دوسرے باؤل میں سفیدی کو مکسر کے ساتھ اتنا پھینٹیں کہ وہ گاڑھی اور سِٹف ہو جائے۔

اب زردی والے مِکسچر کے اندر بیکنگ پاؤڈر ملا میدہ کو تھوڑا تھوڑا کر کے ڈالیں اور اسے مِکسچر کے اندر فولڈ کرتے جائیں۔

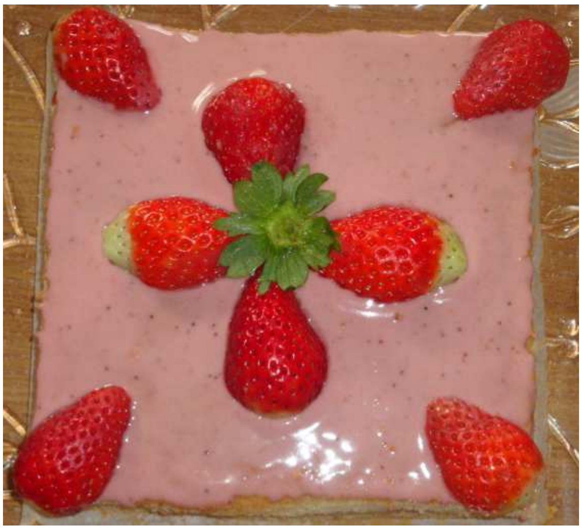

مِکس نہیں کرنا ھے بلکہ میدہ اور زردی والا مِکسچر ایک دوسرے میں اُلٹنا پلٹنا ہے۔ تاکہ ھوا اندر ہی رہے۔

اب آخر میں اس مِکسچر میں سفیدی والا مِکسچر بھی ڈال دیں۔

اور اسے بھی اُلٹ پلٹ کریں۔

اب اس مِکسچر کو کیک ٹِن میں ڈال کر اوپر سے لیول کر لیں اور اوون میں 30 سے 35 منٹ تک یا جب تک اندر سے ٹھیک سے پک نہیں جاتا تب تک بیک کر لیں۔

اب اس کیک کو ٹھنڈا اور سخت ہونے کے لئے سائڈ پہ رکھ دیں۔

بلکہ بہتر ہے فریج میں رکھ دیں۔

فلنگ کے لئے اشیاء:۔

سٹرابیریز۔۔۔۔250 گرام

دودھ۔۔۔۔250 ملی لیٹر

کسٹرڈ پاؤڈر۔۔۔۔2 سے 3 کھانے کے چمچ

چینی۔۔۔۔3 سے 4 کھانے کے چمچ

ایک سنگل کریم کاٹب۔۔۔۔280 ملی لیٹر والا

سٹرابیری جیم۔۔۔۔4 سے 5 کھانے کے چمچ

پانی۔۔۔۔2 کھانے کے چمچ

سٹرابیریز کے چند ٹکڑے ڈیکوریشن کے لئے سائڈ پر رکھ دیں اور باقی سٹرابیریز کو سلائسز میں کاٹ لیں۔ دودھ میں چینی اور کسٹرڈ پاؤڈر ملا کر اسے اتنا پکائیں کہ جب مناسب حد تک گاڑھا ہو جائے تو آنچ بند کر دیں۔ اب اس میں کریم شامل کر دیں اور اچھی طرح مکس کریں تاکہ کسٹرڈ اور کریم بالکل یک جان ہو جائیں۔ سٹرابری جیم میں پانی ملا دیں اور مائکرو ویو اوون میں ہلکا سا گرم کر لیں۔ اب کیک کو ٹِن سے باھر نکالیں۔ اور ٹِن کو اندر سے کلنگ فِلم سے سارا کور کر دیں۔ کیک کو دو حصوں میں کاٹ لیں۔ دونوں حصوں کی کٹی ہوئی سائڈوں پر جیم لگائیں۔ اوپر والا حصہ ٹِن کے اندر رکھیں۔ اس پر کسٹرڈ پھیلا کر سٹرابریز کی تہہ لگا دیں۔ اب کیک کا نیچے والا حصہ اس پر رکھ دیں۔ اس ٹِن کو ایک سے دو گھنٹوں کے لئے فریج میں رکھ دیں تاکہ فلِنگ اچھی طرح جم جائے۔

آئسنگ کے لئے:

150 آئسنگ شوگر۔۔۔۔گرام

نیم گرم سٹرابری جیم۔۔۔۔2 کھانے کے چمچ

جیم اور شوگر کو اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب کیک کو ٹِن میں سے احتیاط سے نکال کر سرونگ پلیٹ میں ایسے رکھیں کہ نیچے والا حصہ اوپر کی طرف آئے۔ اس پر آئسنگ پھیلا دیں۔ اور ایک طرف رکھی سٹرابریز کو کاٹ کر کیک کو سجا دیں۔ آپ کا مزیدار اسٹرابیری کیک تیار ہے۔ لطف اندوز ہوں۔

ٹوٹکے

ادارہ

1:۔اگر دہی کسی سالن میں ڈالا جائے تو وہ الگ الگ سا ہو جاتا ہے تو اس کے لیے دہی کو ایک کھانے کے چمچ تیل کے ساتھ پھینٹ لیں اور پھر سالن میں ڈالیں تو یہ مسئلہ نہیں ہو گا۔

2:۔بیک ہونے کے بعد اکثر اوقات کیک پین سے چپک جاتا ہے اور نکلنے میں دشواری ہوتی ہے۔اس کے لئے جب پین کیک میں گھی یا مکھن لگائیں تو بعد میں تھوڑی سی چینی چھڑک دیں۔اس طرح کیک تیار ہونے پر سانچے سے آسانی سے نکال لیا جائے گا۔

3:۔مچھلی کو ہفتوں تازہ رکھنے کے لئے اس کو اچھی طرح دھونے کے بعد اس میں نمک،پسا ہوا دھنیا اور پسی ہوئی ہلدی ملا کر فریز کر لیں۔جب پکانی ہو تو مچھلی کو دھو کر پکائیں،خستہ اور لذیذ بنے گی۔

4:۔اگر نالیوں میں گھی یا چکنائی جم جائے تو اسے صاف کرنے کے لئے نالی میں ایک مٹھی کپڑے دھونے کا سوڈا ڈال کر اس کے اوپر آدھی پیالی سرکہ ڈالیں۔پانچ منٹ کے بعد گرم پانی نالی پر ڈالیں۔یوں ساری چکنائی بہہ جائے گی۔

5:۔اگر کسی دیگچی میں سالن جل جائے تو اسے صاف کرنے کے لئے دیگچی میں پانی ڈال کر اس میں پیاز ابال لیں،پھر دیگچی کو دھو لیں۔

6:۔پائے کی ناگوار مہک کو دور کرنے کے لئے اگر پکاتے ہوئے اس میں تھوڑا سا سفید زیرہ،دار چینی،لونگ ڈال دیں تو بو دور ہو جائے گی اور پائے بھی مزیدار بنیں گے۔

گھریلو سروے

میزبان: نازیہ،معاون: نیسمہ

السلام علیکم

کچن اور کھانا کس کی زندگی میں اہم نہیں ہوتا۔اسی لیے اس شمارے میں ہم نے آپ کے لیے ایک دلچسپ سروے شامل کیا ہے تاکہ میگزین میں جدت کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ ممبران کی شمولیت کو یقینی بنایا جائے۔موجودہ سروے باورچی خانے اور گھریلو کاموں سے متعلق ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے سوالات کے کیا کیا جوابات موصول ہوئے۔

1:۔کچن کی صفائی کتنے دنوں کے بعد کرتی ہیں؟

2:۔گروسری کتنے دنوں بعد کرتی ہیں؟

3:۔گروسری کے لیے بجٹ بناتی ہیں؟

4:۔اگر کوئی اچانک سے مہمان آ جائے تو گھر میں کھانا بناتی ہیں یا باہر سے منگوا لیتی ہیں؟

5:۔آپ کے ہاتھ کی کون سی ایسی ڈش جو سب کو پسند ہو؟

6:۔کھانا دل سے بناتی ہیں یا جان چھڑانے والی بات ہوتی ہے؟

7:۔کھانے کو مزے دار بنانے کے لیے کن چیزوں پہ زیادہ توجہ دیتی ہیں؟

8:۔کوئی اچھی سی ٹپ دیں گھر کے حوالے سے جو آپکی آزمودہ ہو اور اکثر استعمال کرتی ہوں؟

9:۔لانڈری کتنے دنوں بعد کرتی ہیں؟

10:۔کپڑے استری کیسے کرتی ہیں روز کے روز یا سارے ایک ساتھ؟

جوابات:۔

ہما جاوید:۔

1: تقریباً روزانہ۔ہاں تفصیلی صفائی تو روزانہ نہیں کرتی۔

2: ہر ہفتے۔ہفتے کا دن مقرر کر رکھا ہے،اس دن گروسری کرنے جاتی ہوں۔

3: نہیں۔

4: اکثر باہر سے منگوا لیتی ہوں کہ مہمانوں کے پاس بھی بیٹھنا ہوتا ہے نا۔

5: چاول ہر قسم کے تقریباً۔

6: ہاتھ سے بناتی ہوں، ہیں جی۔دل لگا کے ہی بناتی ہوں مگر کبھی کبھار جان بھی چھڑاتی ہوں۔

7: مطلب؟مصالحوں پر۔

8: کوئی ایسی چیز جو جلد خراب نہ ہوتی ہو اور اچانک آنے والے مہمانوں کو پیش کی جا سکتی ہو تو تیار کر کے رکھ لیا کریں،کام آتی ہے بہت۔مثلاً حلوہ،سموسے وغیرہ۔

9: تقریباً روزانہ۔

10: روز کے روز۔

ندا سلیمان:۔

1:۔روز صفائی پلس دھلائی ہوتی ہے۔البتہ کیبینٹس کی صفائی اور تمام جارس وغیرہ ہر آٹھ دن میں دھلائی کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔

2:۔مہینے کی شروعات ہی میں۔

3:۔نہیں پہلے ہی اندازہ ہوتا ہے بجٹ بنانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

4:۔گھر میں ہی بناتی ہوں۔ہاں کبھی فیملی ممبرز کے موڈ پر بھی ڈیپینڈ کرتا ہے اگر وہ گھر کے پکوان کے ساتھ باہر کی کوئی ڈش ایڈ کر لیں۔

5:۔بہت سی ہیں جن میں ایک نام لوں گی مطبق۔

6:۔جان چھڑانے کا سوال ہی نہیں ہوتا دل ہو یا نہ ہو بنانا ہی پڑتا ہے۔

7:۔ بعض وقت بہت توجہ دینے کے بعد بھی مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے (یعنی ویسی تعریف سننے کو نہیں ملتی) مذاق برطرف بس اللہ کا نام لے کر پکاتی ہوں اور اچھا بن بھی جاتا ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ توجہ دینے کا وقت ہی نہیں رہتا کچن میں داخلہ کے ساتھ ہی یہ باتیں ذہن میں رہتی ہیں کہ پکوان کے ساتھ ابھی برتن بھی دھونے ہیں گھر کی صفائی بھی ہے تو سب کام ایک ساتھ چلتے ہیں اور ان کاموں کے بیچ میں چائے کے لیے پکار لگتی رہتی ہے تو توجہ بٹی ہوئی رہتی ہے۔

8:۔میں نے ایک اجتماع میں سنا تھا کہ خواتین جب گھر کے کام کاج میں مشغول ہوں تو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے کام کریں تو اس کی برکت سے خیر گھر میں اترے گا۔ اگر آپ پکوان کرتے ہوئے ذکر کرتی ہوں تو ذکر کی برکت سے یہ کھانا دلوں کو نورانی بنائے گا اور اس سے سارے گھر کے خیالات اللہ کی طرف مائل رہیں گے اور جھاڑو لگاتے ہوئے ذکر کریں تو خانہ کعبہ میں جھاڑو دینے کے برابر ثواب ملے گا تو میں تب سے اس پر عمل کرتی ہوں اور اس کے اثرات بھی محسوس کیے ہیں۔

9:۔ہر چار دن بعد۔

10:۔جس دن کپڑے دھلیں گے اسی دن سب کپڑے استری کر دیتی ہوں۔

رفعت

1:۔کچن کی صفائی تو روز ہی ہوتی ہے۔ لیکن ہفتہ یا دس دن کے بعد کچن کو رگڑا لگایا جاتا ہے۔ مطلب اندرونی صفائی۔

2:۔ گروسری مہینے بعد ہی کی جاتی ہے۔

3:۔ہاں جی بجٹ بناتی ہوں اور پوری کوشش ہوتی ہے بجٹ سے زیادہ نہ ہو پائے۔

4:۔ گھر میں ہی بناتی ہوں۔ آج تک تو باہر سے نہیں منگوایا۔ ویسے بھی دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ بہت جلدی جلدی کوکنگ کر لیتی ہیں۔ اچانک آنے والوں کے لیے پیزا، کباب سموسے بنا کر فریز کیے ہوتے ہیں۔

5:۔ایک تو ہے نہیں۔ کافی کچھ پسند ہی کیا جاتا ہے۔

6:۔زیادہ تر تو دل سے لیکن کبھی کبھی جان بھی چھڑاتی ہوں۔

7:۔کھانا مزے دار بنانے کے لیے مصالحوں کی صحیح مقدار زیادہ ضروری ہے۔ وہی دیکھتی ہوں۔ اس کے علاوہ اب ہیلتھی کھانا بنانے پر زیادہ زور ہوتا ہے۔

8:۔اچھی سی ٹپ یہی کہ کھانا بنانا ہو یا گھر کا کوئی بھی کام کرنا ہو بسم اللہ پڑھ کر شروع کریں اور کوشش کریں کہ درود شریف پڑھتے رہیں۔ کھانا بہت مزے کا بنتا ہے۔

9:۔ تقریباً روز ہی۔

10:۔میاں جی کے تو ایک ساتھ۔ باقی جب پہننے ہوں۔

سازدل

1:۔ ہر ویک اینڈ پر کچن کیبنٹس کی اور فریج کی صفائی کرتی ہوں۔

2:۔زیادہ تر ویکلی ہوتی ہے۔ ویسے بچوں کو اپنے پراجیکٹس کے سلسلے میں چیزیں درکار ہوتی ہیں تو بیچ میں بھی چکر لگ جاتے ہیں۔

3:۔ایک لسٹ رکھی ہوئی ہے کہ کچن کا بجٹ اس سے اوپر نہیں جانا چاہیے

4:۔ یہاں پر اچانک مہمان عموماً آتے نہیں ہیں۔ مہمانوں کے لیے ہمیشہ گھر میں ہی پکاتی ہوں۔

5:۔ بہت ساری ہیں جیسے بریانی، نہاری، کھڑے مصالحے کا سالن، کڑی، چائنیز اور سبزیاں وغیرہ۔

6:۔دل سے بناتی ہوں کیونکہ میاں کھانے کے معاملے میں کافی ٹچی ہیں۔

7:۔ میاں کی بتائی ہوئی باریکیوں پر۔

8:۔ ٹپ کیا دوں میں امور خانہ داری میں ایکسپرٹ تو ہوں نہیں۔

9:۔جب کپڑے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

10:۔ جگہ کا مسئلہ ہے۔ سو کپڑے روز کے روز استری ہوتے ہیں۔

ہرڈ

1: ویسے تو صفائی ہر روز ہی کرتی ہوں لیکن تفصیلی صفائی ویک اینڈ پر ہی ہوتی ہے۔

2: ویک اینڈ پر۔ یعنی ہفتے بعد۔

3: سارے ہفتے کا بجٹ بناتی ہوں کہ کہاں کہاں کتنا خرچ ہونا/ کرنا ہے۔ اس میں سے خاص طور پہ کبھی گروسری کے لئے بجٹ نہیں بنایا لیکن گروسری شاپنگ کی لسٹ ضرور بناتی ہوں اور اپنی طرف سے کوشش کرتی ہوں کہ اس لسٹ کے مطابق ہی شاپنگ ہو۔ کبھی کبھار ایسا نہیں بھی ہوتا۔

4: میرے گھر مہمان کم ہی آتے ہیں۔ اگر اچانک والا مہمان آئے بھی تو چائے/کافی والا ہی ہوتا ہے تو ان کے لئے فریزر/کبرڈ میں الحمدللہ کچھ نہ کچھ موجود ہوتا ہی ہے۔ باہر سے لانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

5: بریانی، شامی کباب اور ایک میٹھا ایسا ہے جسے میں تھری ان ون ٹرائفل کہتی ہوں وہ جب بھی اور جس کسی کے لئے بھی بنایا سب کو پسند آیا۔

6:دل سے، محبت سے اور شوق سے۔

7: کبھی غور نہیں کیا اس طرف۔ بس مزے دار بن جاتا ہے۔ خود سے ہی۔ الحمدللہ

8: گھر کے حوالے سے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا ٹپ دوں لیکن ایک ٹپ کھانا پکانے کے حوالے سے دے سکتی ہوں۔

جب بھی میرے گھر دعوت ہو۔ مولانا حضرات کی۔ جو کہ میرے "ان" کے کہنے پر ہوتی ہے تو میں جب ان مہمانوں کے لئے کھانا پکاتی ہوں تو قرآن پاک کی آیت

وتعزُ من تشاء وتذلُ من تشاء۔ بیدک الخیر۔ انک علی کل شیء

قدیر۔

پڑھتی رہتی ہوں۔اور یقین جانیں کھانا چاہے کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو انتہائی مزیدار بنتا ہے۔ تعریف کے ساتھ دعائیں بھی بے شمار ملتی ہیں۔

9: ہفتے میں دو سے تین بار۔

10: جس دن لانڈری کروں اسی شام ایک ساتھ کپڑے استری کر/کرواکے الماریوں میں لٹکا دیئے جاتے ہیں۔

گل رعنا

1:۔روز کی روز صفائی کرتی ہوں۔ کیونکہ کچھ بھی ہو جائے۔۔ مجھ سے کام نہیں ہوتا جب تک سارا کچن صاف نہ ہو۔ ویسے بھی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ساتھ ساتھ ہی سارا کام۔نپٹاتی جاؤں۔

2:۔گروسری کی شاپنگ ویک اینڈ پر ہی ہوتی ہے۔اور وہ صرف اور صرف ساجد ہی کرتے ہیں۔ دنیا کا سب سے بورنگ کام گروسری کی شاپنگ کرنا ہے اور اگر کبھی مجھے کرنی بھی پڑ جائے تو آدھے سے زیادہ چیزیں وہ لے کر آتی ہوں جن کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے میری ذمہ داری صرف لسٹ بنانے تک ہی ہوتی ہے۔

3:۔نہیں بجٹ کوئی نہیں بنتا۔ بس ایسے ہی چل رہا ہے۔ ویک اینڈ پر ساجد شاپنگ کرتے ہیں اور میں بھی آفس سے واپسی پر شاپ کے چکر لگاتی رہتی ہوں۔ ایک دو چیزیں اٹھا کر لے آتی ہوں جیسے دودھ بریڈ وغیرہ

4:۔ہمیشہ گھر میں ہی پکتا ہے۔ باہر سے کھانا لانا ہمارے گھر میں الاؤ نہیں ہے۔ نہ ہی ساجد کھاتے ہیں اور نہ ہی داؤد۔ اس لیے ہر صورت گھر پر ہی پکانا ہوتا ہے۔ ویک اینڈ پر اکثر کباب، اسپرنگ رولز وغیرہ بنا کر فریز کر دیتی ہوں۔ جو اکثر اس طرح کی مہمانداری میں کام آجاتے ہیں۔

5:۔اچار گوشت اور میٹھے میں گجریلا۔ اکثر فرمائش کر کے بنوایا جاتا ہے۔ آج ہی بھابھی نے کہا ہے کہ ان کو گجریلا بنا کر دوں ویک اینڈ کے لیے، اپنی بہن کی دعوت کر رہی ہیں ناں۔۔

6:۔یہ اس بات پر ڈیپنڈ کرتا ہے کہ میرا موڈ کیسا ہے۔ ویک اینڈ پر تو واقعی دل سے بناتی ہوں اور ساتھ میں میٹھا اور اسٹارٹر بھی بناتی ہوں۔ لیکن آفس کے بعد اکثر جان چھڑانے والی ہی بات ہوتی ہے کہ جلدی سے جو پک جائے وہ بنالوں۔

7:۔ہمارے گھر میں زیادہ تر انگلش کھانے ہی پکتے ہیں۔ جیسا کہ پائی، پاستا، اسٹیمڈ ویجز اور روسٹ وغیرہ تو کوشش کرتی ہوں کہ ان کی پریزینٹیشن اچھی ہوں۔ زیادہ اسپائسی نہ ہوں۔

8:۔مجھے خود ہی اچھی اچھی ٹپس کی ضرورت ہے جی۔ خاصی پھوہڑ واقع ہوئی ہوں۔ اس لیے میں باقیوں کی ٹپس پر نظر رکھ رہی ہوں۔

9:۔لانڈری کا کام ہر ویک اینڈ پر ہوتا ہے۔ زیادہ تر ہفتے کے روز۔

10:۔کپڑے استری کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ اور میں ایک دن کئی گھنٹے لگا کر یہ بورنگ کام نہیں کر سکتی۔ اس لیے لانڈری کے بعد کپڑے ایسے ہی تہہ کر کے رکھ دیتی ہوں یا ہینگ کر دیتی ہوں اور ہر روز رات کو صبح کے لیے ساجد کے، داؤد کے اور اپنے کپڑے استری کر لیتی ہوں۔

کوثر بیگ

1:۔روز رات میں سونے سے پہلے۔

2:۔ہر ماہ۔ مگر گوشت اور ترکاری ہر ہفتے

3:۔ضرورت کی چیزیں تو لینی ہی پڑتی ہیں۔ اس کے بعد جو بچے، اسی کا بجٹ بن سکتا ہے۔ ہاں ایسا ضرور کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی چیز مارکٹ میں کم دام میں ملے جو خراب ہونے والی نہ ہو تو زیادہ مقدار میں لے کر موقعہ کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

4:۔گھر آئے مہمان کو گھر ہی کا کھانا کھلاتی ہوں۔ اچانک آئے مہمان کے سامنے جو حاضر ہو، وہی رکھ دیتی ہوں۔ پاپڑ، مورکل، اچار، کباب ساتھ تل کر رکھوں گی اور اگر افراد زیادہ آئے یا گھر میں بہت کم پکا رکھا ہو تو جلدی سے کوئی آسان بننے والا سالن یا انڈے وغیرہ بنا کر پیش کر دوں گی۔

5:۔ہاہاہا، الحمدللہ میرے ہاتھ کا بنا سب کچھ، سب ہی کو پسند آتا ہے۔

6:۔اکثر دل ہی سے بناتی ہوں مگر کبھی وقت کم ہو تو پھر دوسری والی بات ہوتی ہے۔

7:۔کھانا بنانا بھی ایک فن ہی ہے۔ اس میں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ کیا چیز کس میں ڈالی جائے اور مقدار کا بھی دھیان رکھنا بہت ضروری ہے۔

8:۔اگر چھری سے انگلی کٹ جائے تو شہد کو ململ کے کپڑے میں لگا کر انگلی پر لپیٹ لینے سے زخم جلدی بھر جاتا ہے۔

9:۔اکثر ہفتہ میں ایک بار اور کبھی دو بار بھی۔

10:۔ہمارے ہاں سب اپنے اپنے کپڑے استری کر لیتے ہیں۔ میں تو ہفتے کے ہفتے سارے کپڑے دھوتے ہی ایک ساتھ کر لیتی ہوں۔ باقی گھر کے دوسرے افراد اپنی ضرورت کے مطابق کرتے ہیں یا ایک آدھ سوٹ پہلے سے تیار رکھتے ہیں۔

حنا رضوان

1: تقریباً روز ہی کر لیتی ہوں جیسے جیسے کام ختم ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے چیزیں صاف کرتی جاتی ہوں ہاں فریج اور کیبنٹ وغیرہ مہینے میں ایک بار۔

2: زیادہ تر چیزیں مہینے کے شروع میں ہی آ جاتی ہیں پھر باقی جیسے جیسے ختم ہوتی جاتی ہیں تو ویک اینڈ پر لے آتے ہیں۔

3: نہیں

4: ویسے تو مہمان کم ہی آتے ہیں اور اگر آئیں بھی تو فون کر کے آتے ہیں اس لیے خود ہی کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیتی ہوں۔

5: سب کا تو نہیں پتہ لیکن میرے اُنہوں کو میرے ہاتھ کا بنا چکن بہت پسند ہے۔

6: کھانا دل سے تو نہیں ہاتھ سے بناتی ہوں ہاں دل کو حاضر ضرور رکھتی ہوں۔

7: مزے دار بنانے کے لیے پورے کھانے پر ہی توجہ دیتی ہوں۔

8: کوئی نہیں۔

9: ہر ویک اینڈ پر۔

10: روز کے روز۔

فائزہ

1:۔ کچن کی صفائی تو دن میں دو دفعہ ہوتی ہی ہے مگر تفصیلی صفائی میں ہفتہ پندرہ دن بعد کرتی ہوں اور ایک اور خاص صفائی بس موڈ کے حساب سے ہوتی ہے جب جنون آ جائے تو سب کچھ چینج کر لیتی ہوں۔

2:۔ میں ہر مہینے کے آغاز میں ہی کرتی ہوں اور ایک ہی مخصوص سٹور سے کرتی ہوں، مجھے اس کے علاوہ پورے لاہور میں کہیں سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔

3:۔ ہمارے گھر میں بجٹ نہیں بنتا خرچا میرے میاں جی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، میں بس چیزیں اٹھاتی ہوں گھر کے حساب سے۔

4:۔ میں بالکل بھی سوشل نہیں تو میرے گھر سوائے میرے امی ابو کہ اور سسرال کے علاوہ کوئی نہیں آتا، اور امی ابو تو ہفتے میں دو تین بار آتے ہیں تو چائے کے ساتھ جو بھی ہو اور سسرال والے چونکہ دوسرے شہر سے آتے ہیں اور ان کو لاہور پھرنے کا شوق ہوتا ہے تو میں ہمیشہ باہر لے کر جاتی ہوں ویسے بھی ماشاء اللہ سے اتنے لوگوں کا کھانا مجھ سے بنتا ہی نہیں اگر وہ میرے ہاں رکیں تو میں دن میں ایک ٹائم گھر بناتی ہوں اور ایک ٹائم باہر لازمی۔

5:۔ میں کوئی بہت ماہر کک نہیں اور ویسے بھی آج کل ٹی وی پہ اتنا کچھ سکھا دیتے ہیں کہ ہر بندہ کافی کچھ بنا لیتا ہے مگر میری بریانی کی ہمیشہ ہی لوگ کافی تعریف کرتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ میری بہترین ڈش بریانی ہے چاہے وہ پیلی والی شادیوں والی ہو یا گوشت والی مصالحے دار۔

6:۔ موڈ کی بات ہے ہم بس چار لوگ ہیں گھر کے تو اتنا زیادہ ککنگ ہوتی نہیں کہ تنگ آ جاؤں۔

7:۔ کھانے کی طرف

8:۔ کوئی خاص نہیں۔ مگر میں کھانا پکاتے ہوئے درود شریف لازمی پڑھتی ہوں۔

البتہ میں سب خواتین کو یہ کہنا چاہوں گی کہ کچن گارڈننگ لازمی کیا کریں گھر میں، اس سے نہ صرف کھانے میں فرق آئے گا بلکہ گھر کی تازہ سبزی بھی ملے گی۔

9:۔ 4 یا 5 دن بعد

10: میں اپنے تو ایک ساتھ نہیں کرتی بس جب جانا ہو تب کرتی ہوں البتہ میاں کے کر کے لٹکاتی رہتی ہوں مگر ایک ساتھ نہیں کہ میں زیادہ دیر کھڑی نہیں ہو سکتی اس لئے روز تھوڑے تھوڑے کر دیتی ہوں کبھی نہیں کئے ہوتے یا کوئی خاص شرٹ چاہیے ہوتی ہے تو خود بھی کر لیتے ہیں مگر بعد میں یہی کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ خود کرتا ہوں، اس لئے اس سفید جھوٹ سے بچنے کے لئے میں خود ہی کرتی ہوں تا کہ اس جملے سے بچ سکوں۔

لبنیٰ علی

1:۔ روز کا روز کرتی ہوں تھوڑا تھوڑا۔ ایک ساتھ خوب گندا کر کے صاف کرنا بہت فضول کام لگتا ہے۔ تو روز کا روز صاف کرنا آسان کام لگتا ہے۔

2:۔ ہفتے میں ایک بار ویک اینڈ میں جاتی ہوں گروسری کرنے۔

3:۔ نہیں کبھی نہیں بنایا۔

4:۔ ہاں کافی بار فوراً بنا کر بھی کھلایا ہے اگر ساری چیزیں گھر میں میسر ہوں ورنہ باہر سے بھی منگوا لیتی ہوں۔

5:۔ شاید شامی کباب۔

6:۔ موڈ پر ہے۔ اگر موڈ اچھا ہو تو دل لگا کر ورنہ بس روٹین کے کام کی طرح۔

7:۔ چولہے کی آنچ کا۔۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔ اس کے علاوہ ہر چیز فریش یوز کرنے کی کوشش، یعنی میں لہسن ادرک بھی تازہ پیس کر یوز کرتی ہوں۔

8:۔ برتنوں چمچوں وغیرہ کو مہینے میں ایک بار بلیچ ملے پانی میں ڈبو کر رکھنا۔ سب چمک جاتے ہیں۔

9:۔ ہفتے میں ایک بار۔

10:۔ روز کے روز استری کرتی ہوں ایک ساتھ استری کر کے رکھنے کی کوشش ناکام ہو چکی ہے۔ کیونکہ پھر دوبارہ تازی استری ایک بار پھر پھیرنے کی فرمائش ہوتی ہے۔

ثانیہ

1:۔ کچن کی صفائی کا کوئی دن مقرر نہیں ہے، جب دیکھوں کہ ضرورت ہے اور فرصت بھی ہے بچوں سے، تو لگ پڑتی ہوں، اور تب ہی نکلتی ہوں جب کونہ کونہ صاف ہو جائے۔

2:۔ میرے سیاں جی جمعرات جمعہ کو یہاں ہوتے ہیں، اس لیے کوئی بھی خریداری ہو، اسی دن ہی ہوتی ہے۔

3:۔ نہیں جی، کوئی بجٹ نہیں۔ کریڈٹ کارڈ سے بھی بھلا کوئی بجٹ بنا ہے، یہ موا پرس میں ہو تو پتا ہوتا ہے کہ جو چاہے لے لو، آخر میں ایک کارڈ ہی تو پکڑانا ہے۔

4:۔ ہائے ہم پردیسیوں کے ہاں آتا ہی کون ہے اور جو آئے بتا کر آتا ہے کہ کہیں میزبانوں کی غیر حاضری میں واپس نہ جانا پڑ جائے، تو ایسے "پلانڈ" مہمانوں کے لیے ہم دونوں طرح کا بندوبست کرتے ہیں، گھر کا بھی اور باہر کا بھی۔

5:۔ بریانی۔ آپ کا سوال پڑھتے ہی یہ لفظ ذہن میں آیا، بریانی میرے علاوہ گھر میں اور کوئی نہیں بناتا اور میٹھے میں رس ملائی۔

6:۔ کھانا بہت دل سے صرف جمعہ کو بناتی ہوں، کیونکہ میں صرف پکاتی ہی اس دن ہوں، باقی دن جاب کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی۔

7:۔ نمک مرچ کے تناسب کو۔ کیونکہ اگر اس میں بیلنس نہ ہو تو کھانا مزے کا نہیں لگتا۔

8:۔ نہیں کوئی ٹپ ذہن میں نہیں آ رہی فی الحال۔

9:۔ نارمل لانڈری تو چونکہ آٹو میٹک مشین میں جاتی ہے سو وہ تو جلدی سمیٹ لیتی ہوں، البتہ ہینڈ واش کپڑے اکثر میری سستی کا

شکار ہوتے ہیں۔

10:۔ سارے ایک ساتھ، روز روز کہاں لے کر بیٹھوں جناب۔

سیکرڈ پرل

1:۔ شیلفز اور سنک کی صفائی تو روز ہوتی ہے باقی فریج مائیکرو وغیرہ جب گندے نظر آئیں۔

2:۔ گروسری ویکلی ہوتی ہے ہر ہفتہ کو۔ باقی دودھ انڈے اور بریڈ تو آتے رہتے ہیں ویک میں۔

3:۔ نہیں۔

4:۔ ڈپینڈ کرتا ہے اگر گھر میں کھانے بنانے کا سامان ہو تو کوشش تو یہی ہوتی ہے گھر پر بنالوں ورنہ پھر ایمرجنسی میں منگوانا بھی پڑتا ہے۔

5:۔ کباب کڑاہی، چکن پراٹھے۔

6:۔ کھانا کبھی تو بہت دل سے کبھی جب موڈ نہ ہو تو بس کوشش ہوتی ہے کسی طرح پک جائے بس۔ میرے میاں کہتے ہیں کھانے کے ٹیسٹ سے پتا چل جاتا کہ آج تمہارا موڈ کیسا تھا۔

7:۔ جب دل سے پکاؤں تو مصالحہ جات اور سب چیزوں کا بڑا خیال رکھتی ہوں ورنہ جو سامنے نظر آیا ڈال دیا۔

7:۔ کوئی چیز گم ہو جائے تو درود شریف کا ورد شروع کر دیتی ہوں چیز مل جاتی ہے، فوراً نہ بھی ملے تو کچھ دیر میں مل جاتی ہے۔

9:۔ لانڈری تقریباً روز ہوتی ہے۔ آٹومیٹک مشین کا فائدہ کہ روز کے روز کپڑے ڈال دیتی ہوں۔

10:۔ اب تو میڈ کرتی ہے روز کے روز کر دیتی ہے جب خود کرنے ہوتے تھے تو کبھی ساتھ کے ساتھ کر دیتی تھی کبھی جب پہننے ہوں تب۔

ارگنڈی کپڑے سے بنے گلاب کے پھول

ماہر: ندا سلیمان

ان پھولوں کو بنانے کے لیے جن اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے وہ ہیں:

مختلف رنگوں کے ارگنڈی کلاتھ

گرین ٹیپ

ریڈی میڈ لیوز

تھریڈ

سیزر

فیویکول

کٹنگ پلییئر

سٹیم بنانے کے لیے، تھک وائر

کلی بنانے کے لیے روئی

تصویر ملاحظہ کیجیے

اب آپ اپنی پسند سے کوئی بھی رنگ کے ارگنڈی کلاتھ کو پھول کی پتی بنانے کے لیے چوکور یا مستطیل (ریکٹینگلر) شیپ میں کاٹ لیں۔ پہلی بار یہ پھول بنانے والوں کے لیے چوکور شیپ میں کٹی ہوئی پیٹل بنانا آسان ثابت ہوتا ہے۔ میں نے بہت سارے پھول بنائے ہیں تو میں کسی بھی شیپ میں کاٹ کر مطلوبہ شیپ دے لیتی ہوں۔ جب پھول بنا بنا کر آپ کا ہاتھ صاف ہو جائے گا تو آپ بھی ایسا کر سکیں گی۔ پتی بنانے کے لیے کپڑے کو ڈبل فولڈ کر کے چوکور شیپ دیں اور پھر جہاں سے ڈبل فولڈ کیا ہے وہاں کے سرے کے دونوں کناروں کو تھوڑا تھوڑا موڑیں اور پتی کا شیپ دے لیں۔۔ کم سے کم تین چھوٹی پتیاں اور آٹھ بڑی پتیاں بنالیں۔ جتنا بڑا پھول بنانا ہو اس حساب سے ہی پتی کا سائز کاٹیں۔ اور آپ چاہیں تو صرف تین پتیوں سے بھی چھوٹا سا کھلتا ہوا پھول بنا سکتی ہیں۔ اب تھک وائر کو مطلوبہ لمبائی کے حساب سے کٹنگ پلییئر سے کاٹ لیں۔ اور ایک کنارے سے تھوڑا سا موڑ کر اس پر روئی لپیٹ کر دھاگہ باندھ دیں تاکہ کلی صحیح شیپ میں بنے۔ اور اس روئی پر پھول بنانے کے لیے کاٹی گئی پہلی پتی کو اچھی طرح لپیٹ کر اسے بھی دھاگہ سے باندھ دیں۔

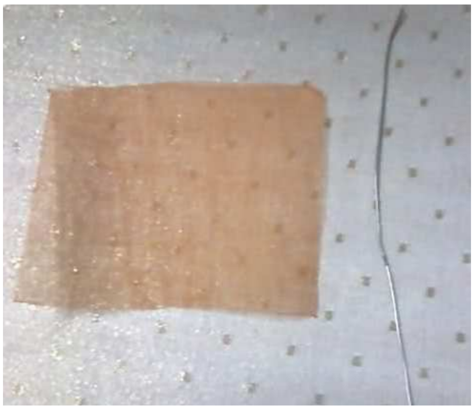

رنگ، خوشبو، پیرہن

تحریر و انتخاب: مہوش جاوید

اب ہر پتی کو ایک دوسرے کے مقابل اور دائیں بائیں دھاگہ سے باندھتے جائیں۔ اس طرح باندھیں کہ گلاب کے پھول کا شیپ بنے۔ اور سارا پھول بننے کے بعد گرین ٹیپ کو فیویکول کی مدد سے پیچھے صفائی کے ساتھ لگاتے ہوئی ساری ڈنڈی کو کور کرلیں اور ساتھ ساتھ پتے بھی اسی ٹیپ کی مدد سے لگادیں۔

موسموں کے اتار چڑھاؤ انسان کی زندگی، مزاج اور روزمرہ کے معمولات پر اثر انداز ہوتے ہوئے اس میں بھی کچھ نشیب و فراز برپا کر دیتے ہیں۔ ان سب تبدیلیوں کے علاوہ ایک بڑی تبدیلی جو آتی ہے وہ ہے لباس میں۔ ہمارے ملک میں لباس کو خاص اہمیت حاصل ہے، موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ نہ صرف لباس بنانے والا فیبرک تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ رنگوں کا انتخاب بھی موسم کی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔

جہاں موسمِ سرما کی ٹھٹھرتی سردی میں گہرے رنگوں کا استعمال موزوں لگتا ہے وہیں موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی تبدیل ہو جاتا ہے اور موسمِ بہار اور گرما کے لیے ہم چنتے ہیں آنکھوں کو ٹھنڈک دیتے گلابی، فیروزی، پیلے اور سبز رنگ کے پہناوے۔۔ رنگ تو سب وہی ہوتے ہیں البتہ ان کے شیڈز میں اچھا خاصا تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔

رنگوں کے بعد تبدیلی کا مرحلہ آتا ہے لباس کو سینے کے انداز میں۔۔ قمیض لمبی رکھنی ہے یا چھوٹی، آستین پورے رکھنے ہیں، آدھے یا چوتھائی۔۔ یا پھر سرے سے ہی ان کو غائب کر دینا ہے۔۔ ایسے مسائل بھی زیرِ غور رہتے ہیں۔۔

درزیوں کی دُکانیں گاہکوں سے بھر جاتی ہیں۔۔ اب تو وہ خواتین جو پہلے خود ہی سیدھی سادی سلائیاں مار کر جوڑا تیار کر لیا کرتی تھیں، وہ بھی درزیوں سے کپڑے سلوانے کو ترجیح دینے لگ گئی ہیں، کیونکہ اُن کا ہنر آج کل کے فیشن زدہ کپڑوں کی سلائی کے لیے ناکافی پڑنے لگ گیا ہے۔

قمیض اے لائن ہو یا کلیوں والی۔۔ چھوٹی پٹی کے ساتھ ہو یا لمبی پٹی۔۔ یا ک اسٹائل کی فراک زیادہ جچتی ہے یا امبریلا ٹائپ۔۔ یہ بحث طول پکڑتی جاتی ہے۔۔ غرضیکہ آج کل ہر کوئی اپنے لباس پر خاصی سے کچھ زیادہ ہی توجہ دینے لگ گیا ہے۔

لیکن اس سب میں ہم کچھ ایسی چیزیں فراموش کر دیتے ہیں جن کا ذہن میں رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ ان ضروری باتوں میں سب سے پہلے اپنے بجٹ کا حساب رکھنا آتا ہے۔

اس بدلتے انداز و اطوار کا ہماری نوجوان بچیوں پر کچھ زیادہ ہی اثر ہوتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اس بات سے بے غرض ہو کر کہ اُن کے ماں باپ ایسے خرچے کس حد تک برداشت کر سکتے ہیں، اپنی فرمائشوں کی فہرست جو مختصر ہونے کے باوجود والدین کی بساط سے بڑھ کر ہوتی ہے۔۔۔ اُنہیں تھمادیتی ہیں کہ اب اسے جیسے تیسے پورا کریں۔۔۔ لہٰذا لباس کا انتخاب کرتے ہوئے رنگ اور ڈیزائن کے ساتھ ساتھ اپنی اور گھر والوں کی گنجائش کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اپنی آسائش اور خوبصورتی کے لیے گھر والوں کی جیب پر بوجھ نہ پڑنے پائے، یہی اصل خوبصورتی اور اطمینان کی بات ہے۔۔

بجٹ کے بعد باری آتی ہے کہ سلوانے کے انداز کی۔ آج کل فیشن جس تیزی سے بڑھ رہا ہے، شرم بھی اُسی سرعت سے کہیں پیچھے چھوٹتی جا رہی ہے۔ آستین مکمل سے کم ہو کر نصف اور پھر چوتھائی تک پہنچے، اور اب یہ عالم ہے کہ سرے سے ان کا وجود ہی ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ کُھلے اور بڑے گریبان عام فیشن میں ہیں۔۔ بھلا ہو اُن ڈیزائنرز کا جنہوں نے ساری عوام کو کُھلی کُھلی اور لمبی فراکوں اور شلوار پر لگا دیا ورنہ ایک وقت تھا کہ قمیض شروع

ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی اور دیکھنے والے کو اُس کی اپنی ہی نظر میں شرمندہ کر جاتی تھی۔۔ لباس سلواتے وقت ہمیں اپنی شرم واقدار کو بھی ہر حال میں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

بے شک شرم وحیا کا لحاظ رکھتا ہوا پیرہن عورت کے لیے بہترین لباس ہے۔

آنکھوں کے حلقے

ادارہ

آنکھوں کے نیچے گہرے حلقوں کی تین وجوہات ہوتی ہیں۔

ایسی خواتین جن کی جلد کی رنگت گہری ہوتی ہے، ان کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کی جلد میں بعض ضروری اجزاء کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔

جن خواتین کی جلد صاف اور سفید ہوتی ہے ان میں کمزوری کے باعث آنکھوں کے نیچے کی جلد بہت کمزور ہو جاتی ہے اس سے جلد کے نیچے گندے خون کی وریدیں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں چونکہ آنکھوں کے نیچے خون کی باریک باریک سینکڑوں وریدیں ہوتی ہیں اس لئے جلد باریک ہو جانے کی صورت میں سیاہ حلقے ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تیسری وجہ دوران خون کے مسائل ہیں جن کے باعث آنکھوں کے نیچے کی جلد میں پانی بھرنے سے وہ سوج جاتی ہیں اور جب پانی کی کمی ہوتی ہے تو سیاہ حلقے بن جاتے ہیں۔

خوراک کی کمی سے نیند کی کمی اور کمزوری سے ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

یہ جاننے کے لئے کہ سیاہ حلقوں کی کیا وجہ ہے انگلی سے اس جگہ پر دباؤ ڈالیں۔ اگر ایک لمحے کے لئے وہاں رنگ ہلکا ہو جائے تو اس کا مطلب ہے یہ دوران خون کی خرابی کے باعث ہیں۔ اگر رنگت ہلکی نہ ہو تو اس کی دیگر وجوہات ہیں۔

علاج:۔

جلد کی کمزوری کے باعث جو حلقے پڑتے ہیں ان کا کاسمیٹکس اور خوراک سے علاج نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لئے لیزر استعمال کی جاتی ہیں اس کے لئے بھی بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ہلکی سی غلطی کے باعث حلقے مزید گہرے ہو جاتے ہیں اس مقصد کے لئے کوجک ایسڈ سے بنا لوشن یا ہائیڈروجن کونین نامی لوشن استعمال کیا جاتا ہے جو اس جگہ غیر ضروری اجزاء کی مقدار کم کر دیتا ہے اور حلقے غیر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

دیگر دونوں وجوہات کی بناء پر بننے والے حلقوں کو خوراک اور معمولات زندگی میں تبدیلی لا کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اچھی خوراک، پھلوں اور جوس کا زیادہ استعمال اور بھرپور نیند بہت فائدہ مند ہوتے ہیں جبکہ بلڈ پریشر زیادہ ہونے کی صورت میں اسے بھی قابو میں لانا فائدہ مند ہو سکتا ہے اگر حلقے فوری طور پر ختم کرنا ہوں تو ٹی بیگ، دودھ میں ٹھنڈے کئے گئے کاٹن پیڈ، کھیرے، آلو یا سیب کے قتلے وغیرہ آنکھوں پر استعمال کئے جا سکتے ہیں اس کے بعد میک اپ سے قبل مخصوص کریم سے بھی حلقوں سے چھپایا جا سکتا ہے۔

ویسے سچی بات یہ ہے کہ آنکھوں کے گرد پڑنے والے حلقے کسی بھی کریم سے صرف وقتی طور پر تو جا سکتے ہیں لیکن اس کا حل یہی ہے کہ آپ قدرتی غذائیں استعمال کر کے اپنی جلد کو طاقتور بنائیں تاکہ اس قسم کی پریشانیوں سے مکمل نجات مل سکے۔

بڑھیا کے ہشاش بشاش رہنے کا راز

انتخاب: نائمہ آصف

ایک خاتون بڑھاپے کی منازل طے کر رہی تھیں، مگر اس کا چہرا ہشاش بشاش اور انتہائی خوبصورت تھا۔ لگتا نہیں تھا کہ وہ کسی بوڑھی عورت کا چہرہ ہے بلکہ وہ چہرے مہرے سے جوان عورت معلوم ہوتی تھی۔ کسی نے پوچھا: آپ کی عمر لمبی ہو چکی ہے، بڑھاپے کے صحرا میں آپ کی زندگی کا سفر جاری ہے، مگر تعجب ہے کہ آپ کا چہرہ بہت ہی صاف و شفاف ہے۔ آخر آپ کیا طریقہ اختیار کرتی ہیں جس کے باعث آپ کا چہرہ جوان عورت کا چہرہ معلوم ہوتا ہے؟

بوڑھی خاتون نے جواب دیا: بہن! میں وہ طریقہ استعمال کرتی ہوں، جس سے اکثر و بیشتر خواتین ناواقف ہیں۔ میں نے یہ نسخہ کائنات کے سب سے بڑے معالج سے لیا ہے جس کے استعمال کے بعد انسانی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں، حالانکہ انسانی خواہشات کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "اگر ابن آدم کو دو وادیاں سونے اور چاندی کی مل جائیں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ بات یہ ہے کہ ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے" (بخاری:6436، مسلم:1049)

میں بھی ہر روز میک اپ کرتی ہوں۔ میرے میک اپ کی تفصیل اس طرح سے ہے: "میرے دونوں ہونٹوں پر حق غالب رہتا ہے، میری آواز کی گنگناہٹ ذکر و اذکار ہے۔ میری آنکھوں کا میک اپ غض بصر (نگاہ کی پستی) ہے۔ میرے دونوں ہاتھوں کی سجاوٹ احسان کرنا ہے۔ میرے قدموں کی خوبصورتی استقرار و استقامت ہے۔ میرے دل کا قرار حب الٰہی ہے۔ میری عقل کا سنگار حکمت و دانائی ہے۔ میرے نفس کی غذا اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ میری خواہش کی انتہا ایمان ہے۔ یہی میرا میک اپ ہے جس کو اپنانے پر میرے چہرے کو یہ رونق نصیب ہوئی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔" اقتباس: سنہری کرنیں

بچے اور پڑھائی

تحریر: ہما جاوید

اکثر والدین یہ شکایت کرتے پائے جاتے ہیں کہ بچے بات نہیں مانتے اور پڑھتے بھی نہیں۔ رزلٹ کارڈ دیکھ کر پارہ چڑھ جاتا ہے۔یہی حال اساتذہ کا ہے۔یہی شکایتیں کہ بچے دھیان سے کام نہیں کرتے اور رزلٹ ہمارا خراب آتا ہے۔

ان پہلوؤں پر بات کرنے سے پہلے ایک کوتاہی جو ہم سب کی ہے احساس دلانا چاہوں گی۔ہم جو کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ محبت پر بات کرنے کے لیے کہا جائے تو صفحے کے صفحے کالے کر دیتے ہیں مگر عمل کی باری آئے تو یہ کام بے معنی لگتا ہے پھر۔

محبت کا ذکر اس لیے کیا کہ صرف یہی وہ عمل ہے جس سے ہر کام لیا جا سکتا ہے۔نہیں نہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی گھسے پٹے جملے بول کر بات ختم کرنا چاہ رہی ہوں۔میں ایک سچا واقعہ بیان کرنے جا رہی ہوں اس سے آپ اپنے لیے خود گر کے نکات ڈھونڈ سکتے ہیں۔

ایک لڑکی کو پڑھانے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔اس کے بی اے کے امتحان ختم ہوئے تو ایک دن اچانک اس کی ایک دوست نے گھر آ کر کہا کہ فلاں اسکول میں پوسٹس نکلی ہیں۔ رزلٹ تک ٹیچنگ کر لیتے ہیں۔اس کی تو گویا دلی مراد پوری ہو گئی۔اس نے انٹرویو دیا اور اسی وقت سلیکٹ کر لی گئی۔اگلے دن سے اس نے جاب شروع کر دی۔

اسے کلاس ٹو حوالے کی گئی۔ وہ کلاس ٹیچر بن گئی اور اردو، اسلامیات، سوشل اسٹڈیز وغیرہ پڑھانے لگی۔کلاس میں تین نئی بچیوں کا ایڈمشن ہوا۔تعلق کرک سے تھا۔اردو سے بالکل نابلد۔ الف بے بمشکل آتی تھی۔لفظ بنانا نہیں آتے تھے۔ٹرم امتحان میں تینوں بری طرح فیل ہو گئیں۔ ٹیچرز نے ان کو ایک دم نالائق قرار دیا اور یہ کہ یہ تو نہیں چل سکتیں۔تب کلاس ٹیچر نے دل میں فیصلہ کیا کہ ان کو سکھلا کے دم لے گی۔

اس نے تینوں کو بلا کر پیار سے سمجھایا کہ بریک میں ایکسٹرا کلاس بھی ہو گی اور تم لوگوں نے اچھا کر کے دکھانا ہے۔تینوں مان گئیں۔تب ٹیچر نے ہنسی مذاق میں پڑھانا شروع کیا۔ بریک میں لنچ کے بعد کلاس میں تینوں کو پڑھاتیں۔ایک دو مہینوں میں کافی سدھار آ گیا۔اور اگلے ٹرم امتحان میں تینوں ہی غالباً پاس ہو گئی تھیں۔یہ ٹیچر کی بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ باقی تمام ٹیچرز ان کو کند ذہن قرار دے چکی تھیں۔اور پھر اگلے امتحان میں دو بہنیں اول نمبر پر آئیں اردو میں۔انہوں نے اتنی محنت شروع کی کہ کلاس ٹیچر کے ہر سبجیکٹ میں اول آنے لگیں۔اور وہی اردو جس سے وہ نابلد تھیں ماہر ہونے لگیں۔

اللہ پاک کے فضل و کرم کے ساتھ یہ کام صرف محبت اور توجہ نے کیا۔کسی کو یہ احساس دلانا کہ وہ کسی کام کا نہیں۔۔۔۔اس انسان کی صلاحیت ختم کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے مگر یہ احساس دلانا کہ وہ یہ کام کر سکتا ہے اور اسے کر کے دکھانا ہے۔۔۔۔ناکارہ انسان کو بھی کامیاب بنا سکتا ہے۔ پیار اور محبت سے تو درندے سدھائے جا سکتے ہیں تو یہ ننھے منے پھول تو پھول ہیں۔

یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔اس میں کوئی مبالغہ نہیں، کہ وہ ٹیچر میں تھی۔

میری پسندیدہ اداکارہ۔۔۔وحیدہ رحمان

قسط نمبر:2

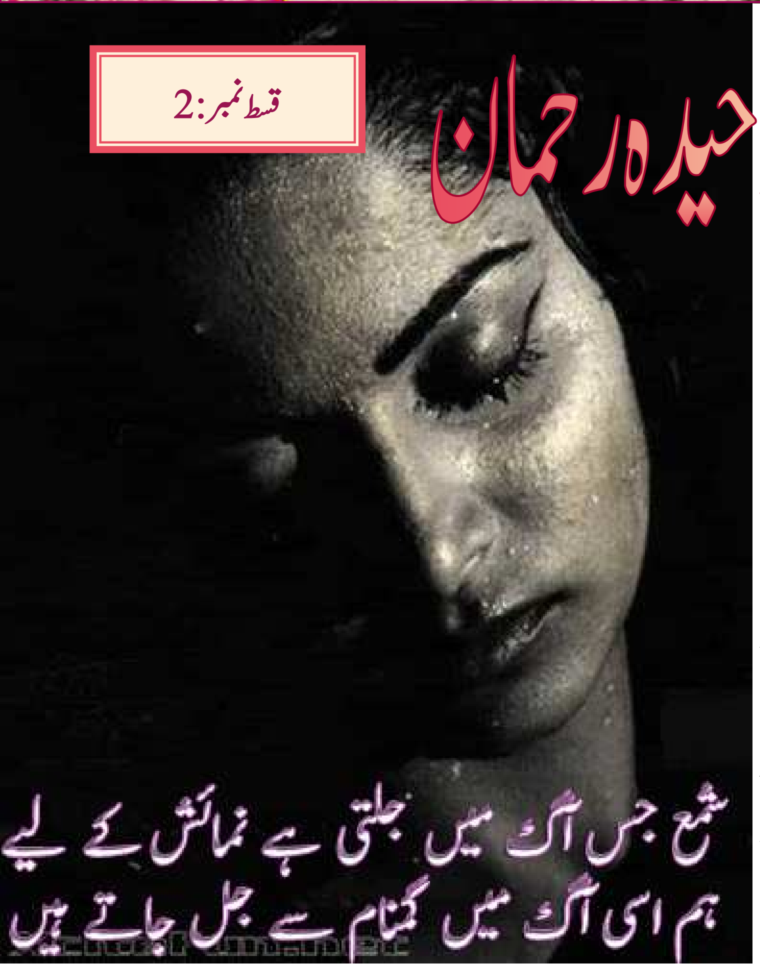

تحریر: کائنات بشیر

پیاسا ایک سنجیدہ فلم تھی اور اس میں میرا رول بھی اسی قسم کا تھا۔ فلم تو بہت چلی پر لوگوں کے دلوں میں شائد یہ بات بیٹھ گئی کہ میں اداکارہ ہوں، ڈانسر نہیں۔ اور مدت تک کوئی ڈانس والے رول ہی نہیں ملے۔ ایک فلم روپ کی رانی چوروں کا راجہ آئی، دیو آنند کے ساتھ۔ اس میں بھی ایک کلاسک ڈانس تھا لیکن لوگوں نے تب بھی نوٹس نہیں لیا۔

میں نے وحیدہ جی کا ایک بہترین ڈانس انکی فلم ۔۔ ایک دل سو افسانے ۔۔ میں بھی دیکھا جو راج کپور کے ساتھ بنی تھی۔ اس دور میں اسے اداکارہ کے طور پر ہی جانا جاتا رہا۔

فلم مجھے جینے دو میں انھیں مجرا ٹائپ گیت ملے تھے۔ مگر وہ بڑے لائٹ سے تاثر والے تھے۔

رات بھی ہے کچھ بھیگی بھیگی

چاند بھی ہے کچھ مدہم مدہم

وحیدہ جی کے کیریر کی کئی فلمیں بلیک اینڈ وہائٹ فلموں کے دور کی ہیں۔۔ اور کافی فلمیں بدلتے وقت کے ساتھ کلرڈ ہیں۔ لیکن اسے اتنا فرق نہیں پڑا کیونکہ اس کی خوبصورتی تو بلیک اینڈ وہائٹ فلموں کے پیمانے سے ناپی جا چکی تھی۔ اور وحیدہ جی کا حسن صرف ایک خالی پیالہ نہیں بلکہ اس میں اگر ایک طرف ٹھہراو، خوبصورتی اور صلاحتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ تو دوسری طرف اس کی ترچھی نظروں اور اداؤں میں ایک ایسی کشش تھی کہ وہ کسی کو بھی متاثر کر سکتی تھی۔ چودھویں کا چاند، بیس سال بعد، کہرا، بات ایک رات کی، مجھے جینے دو، خاموشی، ایک پھول چار کانٹے، تیسری قسم، کاغذ کے پھول، پیاسا جیسی فلموں میں کام کر کے وہ نہ صرف اپنی خوبصورتی بلکہ اپنے ٹیلنٹ کو بھی منوا چکی تھی۔

البتہ اس کا یہ ضرور کہنا ہے کہ میں اب جوان فلموں میں اپنی کارکردگی، ہیر اسٹائل اور ملبوسات میں کوئی خامی دیکھتی ہوں تو یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتی ہوں کہ اس زمانہ میں وہی فیشن تھا۔ ابھی حال ہی میں دیو آنند، سادھنا اور نندہ کی مشہور زمانہ فلم ۔۔ ہم دونوں ۔۔ رنگین میں تبدیل ہوئی ہے۔ جس سے اداکار دیو آنند اور ان کے فینز بہت خوش ہیں۔ جبکہ اداکارہ وحیدہ رحمٰن کا کہنا ہے کہ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری بلیک اینڈ وہائٹ فلمیں کلرڈ میں تبدیل ہوں کیونکہ وہ شاہکار فلمیں ہیں اور اس دور کے حساب سے بنی ہیں، اسی کی عکاسی کرتی ہیں۔ انھیں اسی طرح رہنا چاہیئے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں اس وقت اپنے کام سے پوری طرح لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔ میری فلمیں کامیاب رہیں، لوگوں نے میرے کام کو پوری طرح سراہا۔ سو میں ان دنوں کو یاد کر کے خوشی محسوس کرتی ہوں۔

دلیپ کمار، راج کپور، سنیل دت، بسواجیت، راجندر کمار، دیو آنند اور گورودت کے ساتھ کام کر کے اس نے کامیابی کے زینے طے کیے۔ ان میں گورودت اور سنیل دت نے اس کے ساتھ ایز اے ڈائریکٹر بھی کام کیا۔ گورودت کے ساتھ وحیدہ رحمٰن کی جوڑی بہت مانی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی جوڑی بنی جس کا نام ہندی فلموں میں سنہرے حروف میں لکھا گیا۔

یہ دلکش اداکارہ مانتی ہے کہ کیریئر کے ابتدا میں ہی میں نے کچھ فیصلے ہٹ کر لیے، جیسے اپنی پہلی ہی فلم میں سی آئی ڈی میں غنڈوں کی داشتہ کا رول کیا، دوسری فلم پیاسا میں ایک طوائف کا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت مجھے علم نہیں تھا کہ منفی کردار کرنے کے بعد مجھے ہیروئن کا رول نہیں مل سکے گا۔ لیکن جب میں نے گائیڈ فلم کے لیے روزی کا کردار قبول کیا تو اس وقت مجھے معلوم تھا کہ میں کیا کرنے جا رہی ہوں۔ حالانکہ مجھے سب نے بہت منع کیا کہ میں گائیڈ کا یہ رول نہ کروں۔ لیکن اگر میں خطرات مول نہ لیتی تو میرا کیریر یکسانیت کا شکار ہو جاتا۔ میری شروع کی ایک اور فلم کاغذ کے پھول میں بھی گورودت نے فلم انڈسٹری کے تاریک پہلو پیش کیے۔ یہ تھیم بھی میرے لیے منفی ہو سکتی تھی جبکہ اس فلم میں جو کچھ بھی پراجیکٹ کیا گیا، چاہے وہ منفی ہو یا کچھ اور، یہ ان ہی واقعات کا عکس ہے جو فلم انڈسٹری میں ہوتے رہتے ہیں۔

میرے کیریئر کی ایک اور غلطی بھی میرے سامنے ہے، جب میں نے مشہور ڈائریکٹر شیام بینگل کی فلم انکور کرنے سے انکار کر دیا،

کیونکہ میں نے اس سے پہلے بھی ایک آرٹ مووی میں کام کیا تھا تو لوگوں نے مجھے بہت ڈرا دیا تھا کہ اب مجھ پر آرٹی ایکٹریس کا لیبل لگ جائے گا۔ جبکہ اس فلم کے لوگوں کا مشورہ تھا کہ میں کمرشل فلمیں کرنا چھوڑ دوں کیونکہ سنجیدہ فلموں میں میرا رول زیادہ باوقار لگتا ہے۔ وہ فلم بھی ریلیز نہ ہوئی اور اسی چکر میں انکور جیسی فلم بھی میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ تاہم انکور فلم نے انڈسٹری کو شبانہ اعظمی جیسی اچھی ایکٹریس دے دی۔

وحیدہ رحمٰن ایک ایسی اداکارہ رہی ہے جو اتنے بڑے بڑے ہیروز کے ساتھ کام کرنے کے باوجود اپنی ایک الگ پہچان بنانے میں کامیاب رہی۔

دلیپ کمار کے ساتھ آدمی، دل دیا درد لیا، رام اور شیام جیسی بہترین فلمیں کیں۔

سنیل دت کے ساتھ مجھے جینے دو، ریشماں اور شیرا، ایک پھول چار کانٹے فلم کی۔

بسواجیت کے ساتھ بیس سال بعد، کہرا اور مجبور جیسی سسپنس فلمیں کیں۔

راجندر کمار کے ساتھ فلم پالکی، دھرتی اور شطرنج میں کام کیا۔

راج کپور کے ساتھ ایک دل سو افسانے اور تیسری قسم جیسی بہترین فلم کی۔

دیو آنند کے ساتھ گائیڈ، کالا بازار، بات ایک رات کی، پریم پجاری اور

اور فلموں کے اگلے دور میں راجیش کھنہ اور دھرمیندر کے ساتھ بہت خوبصورت فلم خاموشی کی اور سنجیو کمار کے ساتھ من مندر،

امیتابھ بچن کو بھی اپنی پسندیدہ اداکارہ وحیدہ رحمان کے ساتھ فلم مہان میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اور کچھ کیریکٹر ایکٹرس رول بھی اس نے امیتابھ بچن کی فلموں میں کیے۔

وحیدہ جی کے کیریر کا کینوس اتنا وسیع ہے کہ اس میں ہر طرح کے رول، ہر طرح کی فلم، اور ہر طرح کے کو اسٹار شامل ہیں۔ وہ فلموں کے انتخاب میں ہمیشہ محتاط رہیں۔ ہر فلم کرنے سے پہلے وہ اپنے رول اور کیریکٹر کی اچھی طرح جانچ کر لیتی تھی۔

اداکاری میں اسکا اپنا ایک الگ انداز تھا۔ فلم خاموشی میں اس کا رول بہت مشکل تھا مگر اس نے بڑے سہج طریقے اور ایک ٹھہراؤ سے اس میں جان ڈال دی۔ اس فلم میں ایک ایسی نرس کا کردار ادا کیا جو اپنے مریض کا علاج کرتے کرتے اس سے پیار کرنے لگتی ہے اور پھر اپنی ناکام محبت کی وجہ سے خود ایک ذہنی مریضہ بن جاتی ہے۔ اپنی آنکھوں کے اتار چڑھاؤ سے ہی اس نے دل کی بات کہہ دی۔

رام اور شیام اور پتھر کے صنم میں اس نے ہلکے پھلکے رول کیے۔

دھرتی اور شطرنج میں گلیمرس رول بھی کیے۔ لیکن لوگوں نے اسے پسند نہیں کیا اس لیے وہ فلمیں بھی نہ چلیں۔

کاغذ کے پھول میں وہ ایک معصوم ایکٹرس تھی جو اپنے ڈائریکٹر سے پیار کرنے لگتی ہے۔ لیکن حالات انھیں الگ کر دیتے ہیں۔

فلم تیسری قسم میں وہ ایک نوٹنکی والی چنچل ہیرا بائی تھی جو ایک بھولے بھالے گاڑی بان سے پیار کر بیٹھتی ہے۔ اس کی اداکاری بالکل فطری محسوس ہوتی تھی اور اس سب کا کریڈٹ جاتا ہے اس کے بھولے بھالے معصوم چہرے اور ورسٹائل اداکاری کو۔

وحیدہ رحمان نے بے شمار فلموں میں کام کیا اور ان کی فلمیں میرے لیے ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ کبھی مجھے وحیدہ جی کی فلم گائیڈ اچھی لگتی۔ کبھی چودھویں کا چاند میں اسکے بے پناہ حسن سے متاثر ہوتی۔ اس کی فلم سولہواں سال دیو آنند کے ساتھ ایک رات پر مبنی سٹوری تھی۔ جسے گیتوں نے بھی سجایا تھا۔ اور فلم بیس سال بعد میں وہ بہت خوبصورت، الہڑ سی محسوس ہوئی۔

جاری ہے۔

ٹینس اسٹار نوویک جوکووچ مین آف دی ائیر

ادارہ

دنیائے کھیل میں آسکر کی حیثیت رکھنے والے لوریس ایوارڈ کی رنگارنگ تقریب گزشتہ دنوں لندن میں منعقد ہوئی، جس میں سربیا سے تعلق رکھنے والے ٹینس اسٹار نوویک جوکووچ کو لوریس اسپورٹس مین آف دی ائیر کے ایوارڈ سے نوازا گیا، جبکہ خواتین میں کینیا سے تعلق رکھنے والی 5 ہزار اور 10 ہزار میٹر گولڈ میڈلسٹ ایتھلیٹ ویوین چیریوٹ، لوریس وومن آف دی ائیر قرار پائیں۔ ساتھ ہی اسپینش لیگ کی فاتح بارسلونا فٹ بال ٹیم کو بہترین ٹیم کا اعزاز دیا گیا۔ واضح رہے کہ ٹینس اسٹار نوویک جوکووچ تین گرینڈ سیلم جیتنے کے بعد رافیل نڈال کی جگہ عالمی نمبر ایک ٹینس اسٹار کھلاڑی بن گئے ہیں۔ ایکشن اسپورٹس کا ایوارڈ امریکہ سے تعلق رکھنے والی کیلی سلیٹر نے حاصل کیا۔ اہم بات یہ ہے کہ کیلی سلیٹر چوتھی مرتبہ یہ ایوارڈ حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

دوسری جانب سابق ٹینس اسٹار بورس بیکر نے نوویک جوکووچ کو لوریس ایوارڈ ملنے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نوویک جوکووچ صحیح معنوں میں عالمی نمبر ایک کہلانے کا حقدار ہے۔ اپنے ٹینس کیریئر کے دوران 6 مرتبہ گرینڈ سیلم کا اعزاز حاصل کرنے والے بورس بیکر کا کہنا تھا راجر فیڈرر، رافیل نڈال اور اینڈی مرے کی موجودگی میں جوکووچ کا آسٹریلین اوپن ٹائٹل حاصل کرنا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ حقیقت میں نمبر ایک ٹینس اسٹار ہے۔ اگر وہ فرنچ اوپن جیتنے میں کامیاب رہتا ہے تو روڈ لیور کے بعد پہلا ٹینس اسٹار ہوگا، جس کے پاس ایک وقت میں چار بڑے ٹائٹل ہوں گے۔ بورس بیکر کے مطابق نوویک جوکووچ کو آئندہ آنے والے مقابلوں میں راجر فیڈرر سے ہوشیار رہنا ہوگا کیونکہ وہ بھی ایک سخت جان کھلاڑی ہے جو کسی بھی وقت کھیل کا پانسہ اپنے حق میں پلٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پتنگ بازی: قدیم ترین کھیل جو دنیا بھر میں مقبول ہے

ادارہ

انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز کیا گیا بلکہ اسے کائنات کی تسخیر کا عزم بھی عطا کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ انسان شروع ہی سے آسمانوں کو تسخیر کرنے کی جستجو میں مصروف ہو گیا، پرندوں کو ہوا میں پرواز کرتے دیکھ کر اسے بھی اڑنے کی خواہش پیدا ہوئی گو کہ انسان پرندوں کی طرح اڑنے میں تو کامیاب نہیں ہو سکا، تاہم اس نے فضاؤں میں پرواز کا ذریعہ ہوائی جہاز ایجاد کر کے حاصل کر لیا۔

پتنگ بازی کا کھیل بھی انسان کی فضاؤں میں پرواز کی خواہش کا حصہ ہے۔ اس کھیل کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ یہ کھیل جسے نوجوانوں کا کھیل قرار دیا جاتا ہے، بزرگوں اور ہر مکتب فکر کے لوگوں میں مقبول ہے، پتنگ بازی کو دنیا کے کئی ممالک میں مقبولیت حاصل ہے۔ اگرچہ پتنگوں کو مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے، لیکن آج بھی پتنگ بازی کو مختلف ممالک میں کھیل کی حیثیت حاصل ہے۔ تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ پتنگ بازی کے موجد دو چینی فلاسفر موصی اور لوبین تھے، جنھوں نے 500 سال قبل مسیح میں پتنگ ایجاد کی اور اس کی اڑان کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ 540ء میں پتنگ بازی عام ہو گئی اور اس کے ذریعے پیغام رسانی بھی شروع ہو گئی۔ زمانہ قدیم میں چینی باشندے پتنگ بازی کو فاصلوں کی پیمائش، ہوا کے رخ کو جانچنے اور فوجی مقاصد کے لئے استعمال کرنے لگے۔ چین کے بعد پتنگ بازی نے جاپان میں بھی مقبولیت حاصل کی، پھر پتنگ بازی کی داستان اور معلومات 13 ویں صدی میں مشہور سیاح مارکو پولو کے ذریعے یورپ جا پہنچی، 16 ویں اور 17 ویں صدی میں یورپی ممالک نے پتنگوں کو یورپ تک دراز کر دیا۔ اس طرح اس کا سائنسی تجربات میں بھی استعمال شروع ہو گیا۔

جاپان میں پتنگ بازی کا اولین ذکر 10 ویں صدی کی لغت دام یوروئی جو شو سے ملتا ہے، جس میں پتنگ بازی کے لئے "شی دوشی" یعنی "کاغذ کا بنا ہوا باز" اور شین یعنی "کاغذ سے بنی ہوئی پتنگ" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ 16 ویں صدی میں پتنگ بازی جاپان میں ایک دلچسپ صورت حال اس وقت اختیار کر گئی، جب 18 ویں صدی کے اواخر میں جنگجو قبائل نے اپنے بچوں کے لئے پتنگوں پر اژدھوں اور شیروں کی تصاویر بنانی شروع کیں اور پتنگوں پر نقش و نگار نے اس قدر ترقی کی اور شہرت پائی کہ عام لوگ ان آراستہ پتنگوں کو ایک دوسرے کو تحفے میں پیش کرنے لگے۔

جہاں تک جاپان کی بات ہے تو وہاں پتنگ بازی کا موسم مارچ اور مئی کے درمیان کا ہے۔ اس موسم میں گیارہ فٹ کی لمبی پتنگیں اڑائی جاتی ہیں، جن کا وزن دس کلو گرام تک کا ہوتا ہے، اس دوران ٹیموں کے درمیان کانٹے کا مقابلہ ہوتا ہے، جس میں 15 میٹر چوڑی اور 800 کلو گرام وزنی پتنگیں اڑانے کے لئے 50 آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاہم ماضی میں جاپان میں 92 مربع میٹر کی پتنگیں اڑائی گئیں، جس کے لئے سینکڑوں افراد کی خدمات درکار ہوتی ہیں۔

ایشائی ممالک میں پتنگ بازی ایک مقبول کھیل ہے۔ یہاں پتنگ بازی کے مقابلے منعقد ہوتے ہیں، جس میں مخالفین ایک دوسرے کی پتنگیں پیچ لڑا کر کاٹتے ہیں۔ افغانستان میں پتنگ بازی کو گڈی پران بازی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ دلچسپی کا باعث ہے کہ طالبان نے اپنے زمانے میں پتنگ بازی پر پابندی لگا دی تھی۔ پاکستان میں بھی پتنگ بازی جشن بہاراں یا بسنت کے تہوار کا ایک لازمی جزء ہے۔ یوں تو پاکستان میں پتنگ بازی تمام برس

جاری رہتی ہے، مگر لاہور میں بسنت میں جہاں لوگ اس کو انجوائے کرتے ہیں وہاں کوئی اصول و قوانین نہ ہونے کی وجہ سے بچے اور بڑے کھیل ہی کھیل میں موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور المیہ یہ ہے کہ صوبائی حکومت کی جانب سے پابندی لگائے جانے کے باوجود اب تک اس تکلیف دہ عمل کو روکنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ویت نام میں پتنگیں بغیر دم کے اڑائی جاتی ہیں، تاہم اس کے بدلے ان پر چھوٹے چھوٹے فلوٹس باندھ دیے جاتے ہیں اور جب ان کے ذریعے ہوا گزرتی ہے تو موسیقی سنائی دیتی ہے جو کانوں کو بھلی محسوس ہوتی ہے۔ بھارت میں بہار کے موسم میں پتنگوں کی اڑان سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ اس دوران یہاں کرانتی کا میلہ لگتا ہے، اس کے لئے جنوری کا مہینہ موزوں سمجھا جاتا ہے جبکہ یوم آزادی، رکشا بندھن اور جنم اشٹمی میں بھی پتنگ بازی سے لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔ چین کے شہر وائیفانگ کو پتنگ بازی کا دارالخلافہ کہا جاتا ہے۔ یہاں کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں پتنگوں کا دنیا کا سب سے بڑا عجائب گھر واقع ہے۔ جبکہ اس دوران 8100 مربع میٹر علاقے میں ہزاروں قسم کی پتنگیں نمائش کے لئے رکھی جاتی ہیں۔ یورپ میں یونان جبکہ قبرص میں پتنگ بازی عیسائیوں کے تہوار کلین سنڈے سے منسلک ہے، دوسری جانب برطانیہ کے زیر انتظام جزیرے برمودا میں بھی ایسٹر کے موقع پر پتنگ بازی کے مظاہرے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پتنگ بازی میں جنوبی امریکہ کے ممالک بھی پیچھے نہیں ہیں، چلی میں پتنگ بازی بہت مقبول کھیل ہے، 18 اگست کو جشن آزادی پر اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ کولمبیا میں بھی جب اگست کے مہینے میں ہوا کا زور ہوتا ہے تو پارکس اور تفریحی مقامات پر لوگ پتنگ بازی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

کرکٹ میں قسمت کا دخل

ادارہ

انسان اور قسمت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم اپنے فائدے اور نقصان کا ناطہ خوش قسمتی اور بدقسمتی سے جوڑتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کو من و عن تسلیم کرتے ہیں اور کچھ لوگ ان کو محض ڈھکوسلا قرار دیتے ہیں، لیکن ان سب چیزوں سے قطع نظر کچھ نہ کچھ راز ان چیزوں میں پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے انسان کی توقعات سے بالاتر چیزیں رونما ہو جاتی ہیں۔ کرکٹ اس لحاظ سے ایک منفرد کھیل ہے جس میں کھلاڑی اپنی کارکردگی کو خوش قسمتی اور بدقسمتی کا مرہون منت قرار دیتے ہیں۔ کرکٹ کے کھیل میں حیرت انگیز واقعات ہوتے رہتے ہیں اور بسا اوقات تو کھلاڑی بے بس ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ قسمت مذاق کر جاتی ہے۔ مگر یہ واقعات کرکٹ کی تاریخ کا اہم اور دلچسپ حصہ بن کر زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک ٹیسٹ میچ یا ایک ون ڈے انٹرنیشنل تک محدود رہنے والے کھلاڑیوں کو تو بدقسمت کہا ہی جاتا ہے۔ مگر کرکٹ کی تاریخ میں ان سے بھی زیادہ بدقسمت کھلاڑیوں کا تذکرہ ہے۔

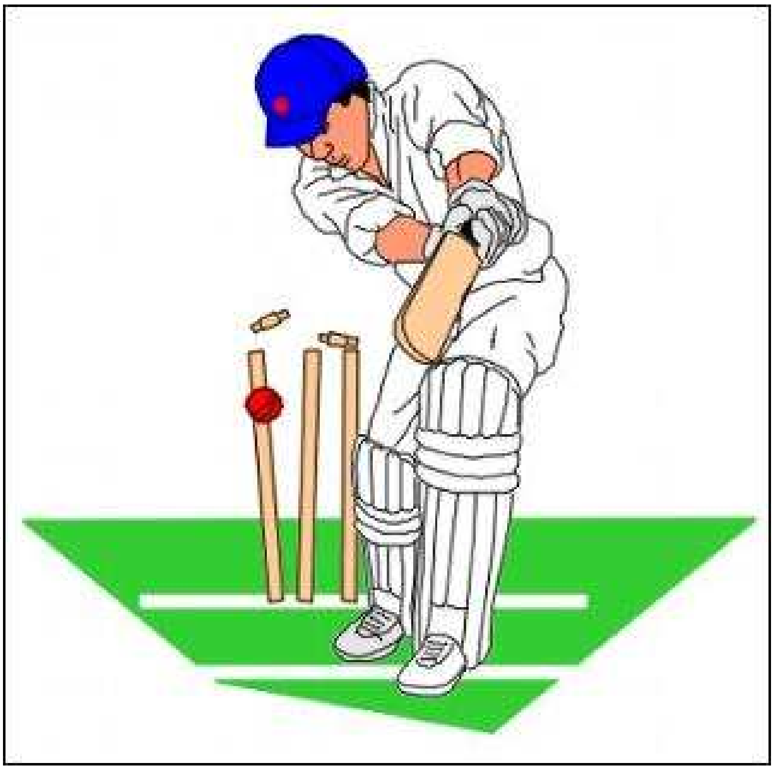

انگلینڈ سے تعلق رکھنے والے جیک کرافورڈ مکبرائن کو سب سے زیادہ بدقسمت ٹیسٹ کھلاڑی قرار دیا جاتا ہے جس کا بین الاقوامی کرکٹ کیریئر صرف 165 منٹ تک جاری رہ سکا۔ سمرسیٹ کاؤنٹی اور کیمبرج یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے اس کھلاڑی کا فرسٹ کلاس کیریئر شاندار تھا۔ وہ ایک عمدہ بیٹسمین تھا کس نے فرسٹ کلاس کیریئر میں 10322 رنز اسکور کئے، جس میں 17 سنچریاں شامل تھیں۔ مکبرائن ہاکی کا بھی عمدہ کھلاڑی تھا، وہ انٹیورپ میں 1920ء میں منعقد ہونے والے اولمپک ہاکی ٹورنامنٹ میں برطانوی ٹیم کا رکن تھا۔ اس ٹیم نے گولڈ میڈل حاصل کیا تھا۔ فرسٹ کلاس کرکٹ میں اس کی بہترین کارکردگی کی بنیاد پر مکبرائن کو 1924ء میں انگلینڈ کا دورہ کرنے والی جنوبی افریقی ٹیم کے خلاف مانچسٹر ٹیسٹ کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ یہ ٹیسٹ میچ 26 جولائی سے 29 جولائی 1924ء تک شیڈول تھا۔ میچ کی شروعات انگلینڈ کی فلیڈنگ سے ہوئی۔ ابھی 165 منٹ کا ہی کھیل ہو سکا تھا کہ موسلادھار

بارش شروع ہوگئی

جو تین دن تک جاری رہی اور ٹیسٹ میچ میں مزید کھیل نہ ہو سکا اور اسے ختم کرنا پڑا۔ مکبرائن کو نہ تو بولنگ کا موقع مل سکا اور نہ ہی بیٹنگ کا۔ یہ ٹیسٹ میچ مکبرائن کے کیریئر کا پہلا اور آخری ٹیسٹ میچ ثابت ہوا اور پھر اسے کبھی بھی انگلینڈ کی نمائندگی کا موقع نہ مل سکا۔ مکبرائن 22 جولائی 1892ء کو پیدا ہوا اور جب 14 جولائی 1983ء کو 91 سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا تو وہ دنیا کا عمر رسیدہ کرکٹر تھا۔ اس نے جنگ عظیم دوئم میں بھی حصہ لیا اور ہالینڈ میں جنگی قیدی بنا۔ ٹاس کیمبل جنوبی افریقی کرکٹر تھا جو 1882ء میں پیدا ہوا۔ 1906ء سے 1912ء تک اس نے 29 فرسٹ کلاس میچوں میں بحیثیت وکٹ کیپر بیٹسمین حصہ لیا۔ کیمبل نے جنوبی افریقہ کے لئے پانچ ٹیسٹ میچوں میں حصہ لیا۔ کیمبل کے ساتھ بھی عجیب و غریب اتفاق ہوا۔ 16 دسمبر 1916ء کو وہ جوہانسبرگ جانے والی میل ٹرین سے گر کر شدید زخمی ہوا۔ اس کے سر پر چوٹیں آئی تھیں۔ صحت یاب ہونے کے بعد کیمبل کو نارمل زندگی گزارنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں مگر وہ زندگی کے سفر پر رواں دواں تھا۔ 8 سال کے بعد حسن اتفاق دیکھئے کہ کیمبل جب میل ٹرین میں محو سفر تھا تو ایک بار پھر وہ میل ٹرین سے گر گیا مگر اس مرتبہ قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ زندگی کی بازی ہار گیا۔

25 جنوری 1925ء کو انگلینڈ اور آسٹریلیا کے درمیان مانچسٹر میں ایشز سیریز کا چوتھا ٹیسٹ میچ کھیلا جا رہا تھا۔ آسٹریلیا کے کپتان وارک آرمسٹرانگ نے چائے کے وقفے سے قبل اوور مکمل کیا۔ چائے کے وقفے کے بعد جب دوبارہ کھیل شروع ہوا تو بولنگ کا آغاز آرمسٹرانگ نے ہی کیا۔ امپائر کو شاید یہ یاد ہی نہ رہا کہ آرمسٹرانگ نے چائے کے وقفے سے قبل آخری اوور کیا تھا۔ مگر تاریخ یہ واقعہ ریکارڈ کر رہی تھی کہ آرمسٹرانگ نے مسلسل دو اوور بولنگ کر کے ایک انوکھا کارنامہ انجام دیا۔

کرکٹ میں جب بھی بدقسمتی کا تذکرہ ہوگا تو آسٹریلوی بیٹسمین کلیمنٹ ہل کا ذکر ضرور آئے گا۔ کلیمنٹ ہل بائیں ہاتھ سے کھیلنے والا عمدہ ترین بیٹسمین تھا۔ ہل وہ پہلا بیٹسمین تھا جو 99 کے اسکور پر آؤٹ ہوا۔ یہ بدقسمتی 1901-02ء کے ملبورن ٹیسٹ میں ہل کے آڑے آئی مگر تیسرے ٹیسٹ میچ میں بھی ہل کے ساتھ رہی جب وہ پہلی اننگ میں 98 اور دوسری اننگ میں 97 پر آؤٹ ہوا۔

25 مارچ 1973ء کو بدقسمتی نے انگلینڈ اور پاکستان کے درمیان کراچی میں کھیلے جانے والے تیسرے ٹیسٹ میچ کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا اور تین بیٹسمینوں کو سنچری سے محروم رکھا۔ یہ میچ 24 مارچ 1973ء کو شروع ہوا۔ ٹیسٹ کے دوسرے دن پاکستان کے ماجد خان کو سب سے پہلے بدقسمتی نے اپنا شکار کیا، جب وہ 99 رنز کے اسکور پر کیچ آؤٹ ہو گئے۔ کھانے کے وقفہ کے بعد مشتاق محمد بھی 99 رنز پر کیچ آؤٹ ہو گئے۔ میچ کے تیسرے دن انگلینڈ کا بیٹسمین ڈینس ایمس بھی 99 پر کیچ آؤٹ ہوا۔ کرکٹ کی تاریخ میں یہ سب سے انوکھا واقعہ ہے کہ تین بیٹسمین نروس 99 کا شکار ہوئے۔

قسمت کی ستم ظریفی سے کرکٹ لیجنڈ سر ڈان بریڈ مین بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ 1984ء کی ایشز سیریز ڈان بریڈ مین کی آخری سیریز تھی۔ پانچویں اور آخری ٹیسٹ میچ میں اوول کے میدان پر آسٹریلیا نے میزبان انگلینڈ کو پہلی انگ میں محض 52 رنز پر آؤٹ کر کے اپنی پہلی انگ کا آغاز کیا۔ ڈان بریڈ مین کا یہ آخری ٹیسٹ میچ تھا۔ وہ 51 ٹیسٹ میچوں میں 6996 رنز بنا چکے تھے۔ سات ہزار رنز کرنے کے لیے اسے صرف چار رنز کی ضرورت تھی۔ بریڈ مین کا استقبال انگلینڈ کے کھلاڑیوں نے میدان میں تالیاں بجا کر کیا۔ مگر لیگ اسپن گوگلی بولر ایرک ہولیز کی پہلی ہی گیند پر بریڈ مین کلین بولڈ ہو گئے۔

مرسلہ: نائمہ آصف

ماہ جون کے شمارے کی جھلکیاں

* اسلامی تحاریر، قسط وار ناول، افسانے، مضامین، شاعری، گوشہ ءخواتین اور بہت کچھ۔۔۔!

* ماہ اپریل کا شمارہ آپ کو کیسا لگا۔ ہم آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

* ماہ جون کے شمارے کے لئے آپ ابھی اپنی تحاریر بذریعہ پرسنل میسیج میگزین ٹیم کو بھجوائیں۔

* اگر آپ ون اردو کے ممبر نہیں ہیں تو اپنی تحاریر اور آراء اس ای میل ایڈریس پہ بھجوائیں۔

oneurdumag@yahoo.com